مجالس خاتون جدید

حصہ اوّل

مصنفہ و مؤلفہ

سیّد غلام حیدر ولد سیّد علی اکبر شاہ ترمذی
کوٹ رادھا کشن ضلع لاہور

جس کو

منیجر کتب خانہ اثنا عشری (رجسٹرڈ) لاہور مغل حویلی
نے چھپوا کر شائع کیا

قیمت تین روپے صرف

بار چہارم

انتساب

یہ خاکسار اس کتاب مجالسِ خاتون جدید کو ورد رسیدہ معصومہ جناب سکینہ بنت الحسین کے نام نامی پر معنون کرتا ہے - اگر یہ قبول ہو گئی - تو یقیناً اس عاصی کے لئے باعثِ مغفرت ہو گی ۔

نیاز مند

سید غلام حیدر ذاکر سید الشہدا علیہ السلام

دیباچہ

مومنینِ باتمکین خاکسار مؤلف المعاصی یعنی سید غلام حیدر ولد سید علی اکبر شاہ ساکن قصبہ چھیاں تحصیل اجنالہ ضلع امرتسر کا ہے۔ اور یہ بھی جانتے عالم ہے نہ فاضل نہ شاعر نہ ماہر البتہ اس خاکسار نے اہلِ علم کے مواعظ حسنہ سے فیض ظور حاصل کیا ہے۔ اور جب سے ہوش سنبھالا ہے - ذکر شہیدانِ کربلا ہی میں اپنا وقت گزارا ہے! ورغلام مغفرت کرے۔ میرے استاد میر غلام عباس صاحب کرنالوی کو کہ انہوں نے مجھے منبر پر بیٹھ کر پڑھنے کے قابل بنایا۔ اس دورِ انقلاب سے پیشتر میں نے اِس کتاب کے چھپوانے کا ارادہ کیا تھا اور اپنی استعداد کے مطابق اسکو ترتیب دیا تھا - مگر افسوس کہ وہ سب نسخے جاتے رہے - جبکہ یہ ناچیز پاکستان میں آیا ہے۔ یہی خیال دامنگیر رہا - کہ کسی طرح یہ کتاب مکمل ہو جائے۔ مگر بے بضاعتی و سراسیمگی کی حالت میں یہ خاکسار عالمِ خاموشی میں رہا۔ مگر تڑپ رہ رہ کر دل میں اٹھتی تھی چنانچہ میرے برادر زادہ سید نبی علی شاہ ولد سید صادق علی شاہ نے

مجھے کہا کہ کتاب پایۂ تکمیل پہنچانی چاہیئے۔ خدا مسبب الاسباب ہے اس کے چھپنے کی بھی کوئی نہ کوئی صورت ہو ہی جائے گی۔ اس لئے میں نے خدا و رسول کا نام لے کر ماہِ رمضان المبارک میں اس کتاب مجالسِ خاتونِ جدید کو شروع کر دیا - کیونکہ کارِ خیر میں تاخیر لازم نہیں - میں نے اِس کتاب کے دو حصّے بنائے ہیں حصّہ اوّل میں جنابِ رسالت مآبؐ کی پیدائش سے لے کر سلسلہ وار تا شہادت جنابِ امام حسین علیہ السلام یعنی دہم عاشور تک کے واقعات مندرج ہیں اور دوسرے حصّہ میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد کے واقعات تا واپسی مدینہ منورہ درج کر دیئے ہیں۔ اِس لئے استدعا ہے کہ اگر اس میں کوئی نقص یا سقم ملاحظہ فرمائیں تو اس کو براہِ کرم معاف فرمائیں۔ کیونکہ انسان سہو و خطا کا پتلا ہے - اب حضرات مومنین و مومنات کی خدمت میں معروض ہوں۔ کہ اس عاصی پُر تقصیر کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔ فقط

بندہ

سید غلام حیدر ترمذی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیشخوانی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ مُحَمَّدٍ اَشْرَفِ النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَفْضَلِ الْوَصِیِّیْنَ وَاَوْلَادِہِمُ الطَّاہِرِیْنَ صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ،

بحضرت تو سلام علیک یا مولا — سرم فدائے سرت باد اے سر شہدا
سلام من بہ شما حاضرین صغیر و کبیر — کہ در عزائے حسین اید ہمگی دگیر
کہ خود خدا گفتہ در ہمہ آیات — برمحمد و بر محمد و آل او صلوات

خدا سبھوں کو دکھائے امام کا دربار — ادھر ہجوم فرشتوں کا اُس طرف زوار
کہیں ادب کی صدا ہو کہ زائرو ہوشیار — کہیں پکار رہا ہے یہ طالع بیدار

بہر و رکدریں روضہ میروی باب است
دلے خوش کہ سبط رسول در خواب است

پیشخوانی دیگر

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَعَلَی الْمُسْتَشْہَدِیْنَ مَعَکَ یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَہُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَیُّہَا الْمُؤْمِنُوْنَ الْحَاضِرُوْنَ فِیْ مَجْلِسِ الْعَزَاءِ۔ سَیِّدِ الْغَرِیْبِ الْعَطْشَانِ وَقَتِیْلِ الْعُرْیَانِ الشَّہِیْدِ ابْنِ الشَّہِیْدِ وَمَقْتُوْلِ بِظُلْمِ الْیَزِیْدِ وَاَبَا عَبْدِ اللّٰہِ الْحُسَیْنِ عَلَیْہِ السَّلَامُ

پیشخوانی دیگر

اے جل شانہ وہ غفور الرحیم ہے — ہم سب ہیں دردمند وہ کل کا حکیم ہے
رحمان و مستعان و رؤف و رحیم ہے — اسکے سوا بھلا کوئی ایسا کریم ہے
ایمان بھی دے مراد بھی دے عزّ و جاہ بھی — روزی بھی بخشے خلد بھی بخشے گناہ بھی

کیا کیا بیاں کروں میں عنایات کبریا — پیدا پیغمبروں کو پئے رہبری کیا
ہم کو محمد عربی سا نبی دیا — بسم اللہ صحیفۂ فہرست انبیاء
آگے جو انبیائے ذوی الاقتدار تھے — محبوب کردگار کے وہ پیش کار تھے

نبی وہ کہ جو فخر پیغمبراں — وہ راہبر دکھائے جو راہ جناں
وہ بندہ کہ قوسین جن کا مکاں — زہے اُس کا رتبہ زہے اُسکی شان
امام رسل پیشوائے سبیل — امین خدا مہبط جبرئیل
غضب حشر کے روز کا ہے حساب — رسولوں کا دل جس سے ہے آب آب
سفارش کا کس کو جگر کس کو تاب — فقط نفسی نفسی کا ہوگا خطاب

مگر اُمتی اُمتی کا خطاب — کریں گے ہمارے رسالت مآبؐ
لطفِ خدا مومنوں پہ سب تمام ہے — ایسا نبی ہے اور علیؑ سا امام ہے

مجلسِ فاطمہؑ مجلس میں روتی آتی ہے — تمہارے نامۂ اعمال چھوتی آتی ہے
جو کوئی کرتا ہے شبیرؑ کے لئے زاری — تو اسکے حق میں دُعا کرتی ہے وہ بیچاری
غضب ہے فاطمہؑ سرگرمِ آہ و زاری ہو — تمہاری چشم نہ تر ہو نہ اشکباری ہو

مُنصفی ہے کہ شبیرؑ کو بھلا دو تم — عزا کی بزم میں رونے سے منہ چھپاؤ تم
سپرِ خنجرِ بُرّاں کیے گلا شبیرؑ — تمہارے واسطے کرتے ہیں یہ دُعا شبیرؑ

سرِ حسینؑ کٹا بخشش اُمم کے لئے
ستم ہے دل میں نہ ہو غم اُس شہ اُمم کے لئے

پہلی مجلس

حالاتِ پیدائش جنابِ رسُولِ مقبولؐ و فضائلِ آنجناب

ہمارے آخری نبی جناب محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہیں جتنے انبیاء آنجنابؐ سے پہلے گزرے ہیں یعنی حضرت آدم علی نبینا سے لے کر حضرت عیسیٰ رُوح اللہ تک ان سب کے کمالات جو کہ فرداً فرداً اُن کو ذاتِ ایزدی نے دیئے تھے۔ وہ سب جنابِ سرورِ کائنات کی ذاتِ بابرکات میں جمع کر دیئے گئے تھے۔ کیونکہ یہ آخری نبی تھے۔ اور ان کے کمالات و صفات کا ظہور قیامت تک کے لئے وابستہ تھا۔ اسمِ مبارک آپ کا محمّدؐ۔ طٰہٰ۔ احمدؐ۔ یٰسین اور کنیت شریف ابوالقاسم۔ ابو ابراہیم وغیرہ تھی۔ اور لقب مبارک آپ کا مُصطفےٰ۔ محمود۔ بشیر۔ نذیر۔ وغیرہ تھے۔ والد ماجد آنجناب کے حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب تھے۔ اور والدۂ ماجدہ حضرتِ آمنہ بنتِ وہب بن عبدمناف تھیں۔ جب زمانے میں چاروں طرف جہالت کا دور دورہ ہُوا اور جہالت کی گھنگھور گھٹائیں چھا گئیں۔ قبیلے قبیلے آپس میں کٹنے اور مرنے لگے۔ اور زمین جور و ظلم سے پُر ہو گئی۔ تو رحمتِ خدا جوش

میں آئی۔ اور آنحضرت سترہ ربیع الاوّل بقولے بارہ عام الفیل ۵۶۹ء کو جمعہ کے روز شعب ابوطالب میں پیدا ہوئے۔ جب نُورِ محمدی نے دُنیا میں ضیاباری کی۔ تو ہیبت سے قصرِ کسریٰ کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ کیونکہ چودہ کے پیشوا کا ظہور تھا۔ حضرتِ عبداللہ والد ماجد آنجناب آپ کی پیدائش سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ آپ نے اپنی والدہ کا دُودھ صرف دو تین روز ہی پیا۔ پھر ان کے دادا حضرتِ عبدالمطلب نے تمام سردارانِ قریش کو جمع کر کے اُن کی دعوت کی اور آپ کا نام محمّدؐ رکھا گیا۔ عرب میں رواج تھا۔ کہ کھاتے پیتے لوگ اپنے بچوں کو تندرست بنانے اور اچھی بول چال سکھانے کے لئے آس پاس کے گاؤں میں بھیج دیا کرتے تھے۔ کیونکہ گاؤں کی زبان خالص عربی اور شہری ملاوٹ سے پاک سمجھی جاتی تھی۔ اور عرب میں یہ رواج عام ہو گیا تھا کہ امیر گھرانوں سے دایہ بچوں کو دُودھ پلانے کے لئے اُجرت طے کرنے کے بعد لے جاتی تھیں۔ چنانچہ قبیلہ بنی سعد کی ایک عورت جس کا نام حلیمہ خاتُون تھا۔ اپنے کمزور ناقہ پر سوار ہو کر مکہ میں پہنچیں۔ دیکھا۔ کہ تمام بچے دایہ کے سپرد ہو چکے ہیں۔ صرف حضرت محمّدؐ یتیم عبداللہ باقی رہ گئے تھے۔ لوگوں نے حلیمہ خاتون کو حضرتِ عبدالمطلب کا گھر بتایا حلیمہ خاتون

وہاں پہنچیں بچے پر نظر پڑی دل باغ باغ ہو گیا۔ بچے کو گود میں لیا۔ جناب محمّدؐ مصطفےٰ حلیمہ خاتُون کی گود میں چلے گئے۔ حلیمہ خاتُون نے پیار کیا۔ اور اپنا دہنی طرف کا دُودھ بچے کے پیش کیا۔ کیونکہ بائیں طرف کا دُودھ خشک ہو چکا تھا۔ مگر جنابِ سرورِ کائنات ہیں کہ بائیں جانب ہی رغبت کرتے ہیں حلیمہ نے وہی خشک دُودھ بچے کے دُودھ میں دے دیا۔ بہ قُدرتِ خُدا اس خشک شُدہ پستان سے دُودھ جاری ہو گیا۔ اور آپ نے سیر ہو کر دُودھ پیا۔ حلیمہ خاتُون اور دیگر دیکھنے والے یہ معجزہ دیکھ کر حیران ہو گئے بچے کو بابرکت دیکھ کر حلیمہ خاتون کے دل میں محبت کا بحر اُمنڈ آیا۔ چھاتی سے لگا لیا۔ اور اپنے ناقہ پر سوار ہو کر چل پڑیں۔ جنابِ عبدالمطلب۔ دُور تک پہنچانے کے لئے ساتھ گئے۔ اور دُعائیں دے کر رُخصت کیا۔ اب حلیمہ خاتُون دل و جان سے بچے کی پرورش میں مشغول ہوئیں۔ خُدا کی قُدرت سے۔ جتنے دُوسرے بچے ایک ہفتے میں بڑھتے تھے۔ یہ ایک دن میں بڑھتے تھے۔ اور دُوسرے جتنے ایک ماہ میں بڑھتے تھے یہ ایک ہفتے میں بڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ عرصہ دو سال میں خوب چلنے پھرنے لگے۔ اور حلیمہ خاتُون کے کام میں مصروف تھے۔ اور اس بچے کی برکت سے حلیمہ خاتُون کے گھر میں رزق

کی اتنی فراوانی ہوئی کہ وہ سب سے امیر نظر آنے لگی۔ کبھی کبھی جناب حلیمہ
حضرت عبدالمطلب کو پوتے کی زیارت کرا آتیں۔ یہاں تک کہ آپ جوان
ہو گئے۔ آپ کی عمر چھ سال کی ہوئی تھی۔ کہ جناب آمنہ آپ کی والدۂ مبارکہ بھی
اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ آپ بالکل یتیم ہو گئے۔ چند عرصہ میں آپ کے دادا
جناب عبدالمطلب بھی راہیِ جنت ہوئے۔ تو ابوطالب نے آپ کی
پرورش اپنے ذمہ اٹھائی اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ غور و پرداخت کرنے
لگے۔ جب آپ سنِ بلوغت کو پہنچے۔ تو لوگوں کو بُرے کاموں سے روکنا
اپنا فریضہ کر لیا۔ اور بتوں کی پرستش سے روکتے رہتے تھے اور قولوا لا الٰہ
الا اللہ کی صدا ہر وقت دیتے تھے۔ لوگ اس بات سے بڑے تنگ آجاتے
تھے۔ تو حضرت ابوطالب سے شکایت کرتے تھے اور پسِ پردہ محمدؐ کے
مارنے اور قتل کرنے کے مشورے کرتے رہتے تھے۔ مگر آپ اپنے فرائض کو
بڑی مستعدی سے بجا لاتے رہتے تھے، امین اور دیانت دار ایسے تھے۔
کہ سب لوگ اپنی امانتیں حضرت کے پاس جمع کرا چھوڑتے تھے زبان کے
سچے اور وعدے کے بڑے پکے تھے۔ جو لوگ آپ کے جانی دشمن تھے
انہوں نے امین اور صدیق کا خطاب دیا ہوا تھا۔ پھر آپ نے باجازت

اپنے عم نامدار حضرت ابوطالب کے جناب خدیجہ جو کہ قوم قریش میں بڑی مالدار
عورت تھی اور اس کے چار سو غلام تجارت کے کاروبار میں لگے ہوئے تھے
کام تجارت شروع کیا۔ تجارت میں بڑا منافع ہوا۔ جناب خدیجہ نے امتحان
لے کر سارے مال کا منافع حضرت کو دے دیا۔ اس کے بعد اپنی شادی
جناب سرورِ کائنات سے کر لی۔ اس وقت حضرت خدیجہ کی عمر چالیس
برس کی اور آپ کی عمر پچیس برس کی تھی۔ مگر جناب خدیجہ کو آپ سے اتنی محبت
تھی۔ کہ جب عقد میں آئیں تو اپنا سارا مال و متاع راہِ خدا میں صدقہ رسول اللہ
کے دل میں عظمت پیدا کر لی چنانچہ جناب خدیجہ کے بطن مبارک سے
جناب فاطمہ دختر نیک اختر پیدا ہوئیں۔ جو کہ بعد میں ام الائمہ کہلائیں اور
صدیقہ طاہرہ کے نام سے موسوم ہوئیں۔ یہ لڑکی بڑی صاحبِ عظمت تھی۔
چھوٹی سی عمر میں ہی اپنے باپ کے اوصاف کی مجسمہ تصویر تھی۔ جناب
رسالت مآب نے اشاعت اسلام میں جس قدر اذیتیں برداشت کیں ان کو
یاد کر کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ جب آپ نماز پڑھنے مسجد میں
تشریف لے جاتے تھے تو آپ پر عورات کوٹھوں سے کوڑا کرکٹ پھینک دیا
کرتی تھیں۔ مگر واہ رے تحمل کہ آپ ماتھے پر شکن نہ ڈالتے تھے۔ اخلاق و

مروت کے مجسم پتلا تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ جس راہ سے آپ
ہمیشہ نماز پڑھنے کو جاتے تھے۔ آپ پر ایک عورت کوڑا کرکٹ پھینک دیا
کرتی تھی۔ ایک دفعہ وہ عورت بیمار ہو گئی اور آپ کوڑا کرکٹ کی زحمت
سے بچ گئے۔ لوگوں سے آپ نے پوچھا کہ وہ عورت کہاں گئی جو مجھ پر ہر روز
کوڑا پھینکا کرتی تھی۔ لوگوں نے جب اس کی بیماری کی خبر بتلائی تو
آپ اس کا گھر دریافت کر کے اس کی خبر گیری کو گئے تو وہ عورت
ڈر گئی کہ شاید محمد مجھ سے بدلہ لینے کے لئے آئے ہیں۔ مگر جب اس کو
پتہ چلا۔ کہ آپ خبر گیری کے لئے آئے ہیں تو اس کے دل میں نورِ ایمان
چمک اٹھا اور وہ مسلمان ہو کر حضرت سے معافی کی خواستگار ہوئی
منجملہ اس کے آپ کے اخلاقِ حسنہ اس قدر ہیں کہ ان کا احاطہ
طاقتِ بشری سے باہر ہے۔ یہی تو وجہ تھی کہ خلاق عالم کو کہنا پڑا کہ
علیٰ خُلقٍ عظیم۔ یعنی محمد خلق کے اعلےٰ زینہ پر پہنچا ہوا ہے۔ اگر آپ کو
شک ہو تو انبیائے ماسبق سے مقابلہ کر کے دیکھ لیجئے۔ پہلے حضرت
آدم کو ہی لے لیجئے چنانچہ حضرت آدم کی خلقت طین سے اور خلقت محمدؐ
نور سے۔ آدم کو سجدۂ ملائک ایک بار۔ اور آنحضرت پر خدا و ملائکہ و مومنین

کی صلوٰۃ تا روزِ قیامت، آدم مادہ کی اول مخلوق، محمدؐ نور کی اول مخلوق۔ آدم پہلے
نبی دنیا میں اور آنحضرت پہلے نبی عالمِ نور میں۔ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ
آدم کی ترقی جنت تک اور ان کی ترقی قاب قوسین او ادنیٰ تک۔ اب ذرا حضرت نوحؑ
سے بھی مقابلہ کر کے دیکھ لیجئے۔ سفینہ نوحؑ لکڑی کا تھا اور سفینہ محمدؐ نور کا۔ کَمَثَلِ
سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجٰی وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا غَرِقَ وَھَوٰی۔
نوحؑ کا سفینہ دنیا میں سبب نجات ہوا۔ وہ پانی کی سطح پر چلا اور یہ ایمان کی سطح پر چلا۔
نوحؑ کی بددعا قوم کے بارے میں مضرت رساں ہوئی۔ اور آپ رحمۃ للعالمین
قرار پائے۔ نوحؑ سے شریعت کی ابتدا تھی آپ پر شریعت کی انتہا ہوئی نوحؑ کا
بیٹا نا اہل تھا۔ اور آپ کی اولاد اہلبیت کہلائی اب حضرت ابراہیمؑ سے بھی
ذرا مقابلہ کریں۔ ابراہیم خلیلؑ اور محمدؐ حبیبؐ وہ طالب اور یہ مطلوب، موافق
آیہ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
خلیلؑ نے درمیانِ آتش کہا حسبی اللہ اور حبیب کے لئے کہا گیا یا ایھا
النبی حسبک اللہ، خلیل نے ازدیادِ مرتبت کے لئے کہا وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ
صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ۔ حبیب کے لئے کہا گیا وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ
خلیلؑ نے کسرِ اصنام خفیہ کیا۔ اور حبیب نے خانۂ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت

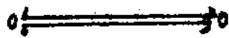
ظاہر بظاہر تو تیرے خلیلؑ نے طہارت باطنی کا سوال کیا اور حبیب کے لئے فرمایا گیا۔ اِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیرًا۔ یعقوبؑ کے بارہ بیٹے۔ محمدؐ کے بارہ وصی۔ اولادِ یعقوب میں مریمؑ پارسا۔ اور اولادِ رسول میں فاطمہ زہرا۔ حضرت موسیٰؑ کو خدا نے بارہ چشمے عطا کئے۔ محمدؐ کو بارہ چشمے علم کے دیئے۔ موسیٰؑ کے لئے عصا اور محمدؐ کے لئے ذوالفقار۔ موسیٰؑ کے خلیفہ ان کے بھائی ہارونؑ تھے اور محمدؐ کے خلیفہ اُن کے بھائی علیؑ اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسٰی۔ موسیٰؑ نے عصا مار کر پتھر سے پانی جاری کیا۔ محمدؐ نے اُنگلی کے اشارے سے شق القمر کیا۔ موسیٰؑ کی معراج فرش پر اور محمدؐ کی معراج عرش پر۔ چنانچہ آپ کی شان میں ایک قصیدہ شاعر نے کہا ہے۔

قصیدہ

خوشا وہ سر جو تیسر ہو جسے سودا محمدؐ کا ۔۔۔ نہ ہے وہ دل جسے روشن کرے جلوہ محمدؐ کا
خدا سمجھا ہے خود یا حیدرِ کرار سمجھے ہیں ۔۔۔ سوا اِن کے نہیں سمجھا کوئی رُتبہ محمدؐ کا
اگر جبرائیلؑ سے پوچھو تو بس منہ سے یہی نکلے ۔۔۔ میں اک خادم محمدؐ کا ہوں اک بندہ محمدؐ کا
نہیں ممکن نہ ہو جائے خبر حضرت کے کانوں تک ۔۔۔ کہ بجتا ہے جہاں میں رات دن ڈنکا محمدؐ کا

لقب کیونکر نہ شاہِ مرسلینؐ ہو دونو عالم میں ۔۔۔ کہ سب اونچے ہیں رُتبہ سب سے اعلیٰ ہے محمدؐ کا
صفت اِس سے زیادہ اور کیا ہو حُسنِ حضرتؐ کی ۔۔۔ بنا کر کبریا خود ہو گیا شیدا محمدؐ کا
زمین و آسماں پیدا نہ کرتا کبریا کچھ بھی ۔۔۔ زمانے میں نہ کرتا دم اگر پیدا محمدؐ کا
خدا نے اپنی قدرت ہاتھ میں دیدی تھی حضرتؐ کے ۔۔۔ زمیں سے آسماں تک جو ہے سب حصہ محمدؐ کا
فرشتہ بھی بغیر اذن داخل ہو نہ سکتا تھا ۔۔۔ خدا کے فضل سے وہ ذی شرف گھر تھا محمدؐ کا
بُلایا تھا شبِ معراج شاہ کو اسلئے ربّ نے ۔۔۔ فرشتے دیکھ لیں تا چہرۂ زیبا محمدؐ کا
دکھایا معجزہ حضرتؐ نے جو جسکا ہوا طالب ۔۔۔ غرض ہر طرح سے ثابت ہوا دعویٰ محمدؐ کا

ندا آئے گی محشر میں مُبارک ہو مبارک ہو
ہے سر پہ تاج تیرے فرق پہ سایۂ محمد کا



دُوسری مجلس

خانہ کعبہ کی فضیلت امیر المومنینؑ کا خانہ کعبہ میں پیدا ہونا

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِی بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ؕ ترجمہ، سب سے پہلا گھر مکہ میں لوگوں کے واسطے بنایا گیا وہ مبارک اور تمام عالموں کے لئے باعثِ ہدایت ہے۔

حضرات۔ اِس گھر کو بیت اللہ یعنی اللہ کا گھر کہتے ہیں۔ اِس کی شان کا کیا کہنا جس کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ جیسے برگزیدہ نبی کے ہاتھوں ہوئی۔ جناب اسماعیلؑ اور حضرت جبرائیلؑ اینٹ اور پتھر لاتے تھے۔ اور جنابِ ابراہیمؑ تعمیر کرتے تھے اور یہ گھر اس شان کا تھا کہ تمام عبادت گزاروں کے لئے قیامت تک قبلہ قرار پایا۔ مگر حضرات اِس میں سوچنے کی بات ہے۔ کہ خدا جسم و جسمانیات اور مکان و مکانیات سے مُبرّہ و منزّہ اس کو مکان کی کیا ضرورت مکان تو ہم بندوں کے لئے درکار ہے۔ نہ کہ خدائے کائنات کے لئے۔ وہ تو اپنی قدرت کاملہ سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ مگر مذکورہ بالا آیت جو پڑھی گئی

ہے۔ یہ دلالت کرتی ہے۔ کہ قدرت نے یہ مکان کسی خاص ہستیوں کے لئے بنایا تھا جس کے مالک حضرت ابراہیمؑ و ذریتِ آنجناب قرار پائی۔ کیونکہ خداوند عالم عادل و منصف ہے وہ کسی کی محنت رائیگاں نہیں کرتا۔ چونکہ جناب ابراہیمؑ و اسماعیلؑ خانۂ کعبہ کو تعمیر کر رہے تھے۔ لہٰذا انہیں کی ملکیت قرار دیا گیا۔ چنانچہ جناب امیرؑ کا خانہ کعبہ میں پیدا ہونا اِس امر کی دلیل ہے کہ وہ اِس کے اہل تھے۔ اِسی وجہ سے اہلبیتؑ کہلائے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

مطلب از انشائے کعبہ بہر میلاد تو بود
ورنہ شخصے لامکاں را خانہ کے باشد روا

حضرات جو مرتبہ جناب امیرؑ کو خانۂ کعبہ میں پیدا ہونے سے ملا یہ شرف نہ کسی انبیاء کو ملا اور نہ اوصیا کو چنانچہ کتب و تواریخ سے ثابت ہے۔ کہ جب جناب مریمؑ کو درد زہ عارض ہوا۔ تو آپ خانۂ کعبہ کی طرف گئیں تاکہ بہ برکتِ خانۂ کعبہ مجھ پر وضع حمل آسان ہو۔ جب وہاں پہنچیں تو ندا آئی۔ کہ اے مریمؑ یہ جگہ عبادت کی ہے۔ نہ کہ ولادت کی۔ یہاں سے فوراً چلی جاؤ چنانچہ جناب مریمؑ وہاں سے روانہ ہوئیں اور حضرت عیسیٰؑ ایک درخت کے نیچے پیدا ہوئے

مگر سُبحان اللہ ذرا شان اپنے مولا کی بھی دیکھئے اور درُود کے موتی نچھاور کر کے سُنئے۔ کہ جب فاطمہ بنتِ اسد اس نیت سے خانہ کعبہ میں آئیں۔ کہ میں اپنے بطن کو خانۂ کعبہ کی دیواروں سے مس کروں۔ تاکہ وضع حمل آسان ہو۔ پہلے دروازہ کی طرف گئیں۔ دروازہ مُقفل تھا حیران ہوئیں۔ دروازے سے ندا آئی کہ اے فاطمہ اگر تم تنہا ہو۔ تو داخل دروازے سے ہو جاؤ اور اگر تمہارے ہمراہ بابِ علم ہے تو پھر دروازے میں دروازہ کیسے سما سکتا ہے۔ ابھی آپ یہ سُن رہی تھیں کہ دیواروں سے صدا بلند ہوئی۔ اگر در میں در نہیں سما سکتا۔ تو دیواروں میں تو دروازہ آسکتا ہے۔ جناب فاطمہ دیوار کے پاس پہنچیں۔ دیوار پھٹی کی تھی۔ ابُوتراب کی والدہ کو دیکھ کر دیوار حجاب سے پھٹی در بن گیا۔ غیب سے صدا آئی۔ کہ اے فاطمہ بنتِ اسد اندر داخل ہو جاؤ یہ مولود اس گھر میں پیدا ہوگا۔ سُبحان اللہ یہ ندا سُن کر فوراً فاطمہ اندر داخل ہو گئیں دیوار کعبہ بدستور مل گئی۔ پس تیرہ رجب کو جناب امیرؑ خانۂ کعبہ میں پیدا ہوئے (حضرات) اگر جناب فاطمہ بنتِ اسد دروازے سے داخل ہوتیں تو لوگ خیال کرتے کہ فضیلت حاصل کرنے کے لئے دروازے کو کھلوا لیا ہوگا۔ مگر دیواروں میں دروازہ کا بن جانا۔ یہ دلیل ہے کہ یہی مالک کعبہ تھے۔ اس میں

کسی کو دم مارنے کی طاقت نہیں رہتی ؎

کعبہ میں پیدا جبکہ علیؑ مُرتضیٰ ہوئے — آنکھوں پہ دو دستِ مبارک کے حصے پہ رکھے
حیران تھیں بنتِ اسد کہ یہ کیا ہیں ماجرے — آنکھوں کو اپنی کیوں یہ ہیں بند کئے ہوئے

آئے رسُولِ پاک تو خورسند ہو گئے
کعبے کے رُتبے پہلے سے دوچند ہو گئے

آنکھوں سے ہاتھ اُٹھا کے جو چہرے پہ کی نظر — زیارت ہوئی رسُولؐ کی اللہ رے بشر
نیتے نے پھوٹے مل گئے باہم جو یک دگر — خورسند فاطمہ ہوئیں بیٹے کو دیکھ کر

پوچھا رسُولِ حق سے کہ یہ ماجرا تھا کیا
آنکھیں نہ کھولتا تھا یہ فرزند مہ لقا

کہنے لگے یہ سُن کے رسُولِ فلک مقام — مُبارک ہو اے چچی تجھے تیرا ہلال تام
بہتر داس کو سمجھو یہ ہے پیشوا امام — کعبے سے سنبھل کر نکلے گا لاکلام!

مادرین میں یہ آپ ہی اپنی نظیر ہے!
مجھ کو دیکھتا کیوں یہ میرا وزیر ہے

پھر فاطمہ بنت اسد نے رسُولِ پاک سے کہا۔ کہ اس مولود نے ابھی تک میرا دُودھ نہیں پیا۔ نہ معلوم یہ کیا راز ہے۔ فرمایا ختمی مرتبت نے کہ اسے چچی اس کی تھا۔

میرے پاس ہے یہ کہکر آپ نے اپنی زبان دہن علیؑ میں دیدی جس کو وہ چوسنے لگا۔ یہ علم کا چشمہ تھا جو رسُولؐ کے سینہ سے اُبل کر زبان تک آیا اور دہن علیؑ میں جا رہا تھا۔ دیکھئے نبوت امامت کو زبان دے رہی ہے۔ زبان دے کر کبھی انسان پھر سکتا ہے۔ خُدا جانے یہ زبان وصی بنانے کی تھی یا داماد بنانے کی جس کا اظہار بعد میں ہوا سُبحان اللہ کیا شان جناب امیرؑ ہے ؎

گھر میں پیدا ہُم یا لہ کے ہو گیا ماہِ منیر — دیکھ کر صورت سبھی حیران تھے بناؤ پیر
انکلے اعضاء جوارح سب تھے بیمثل و نظیر — صورت نوری کو دیکھا ہو گئے روشن ضمیر

کہتے تھے بچے کو دیکھو یہ تو وجہ اللہ ہے
آنکھ دیکھی کہہ اُٹھے کہ یہ تو عین اللہ ہے

نام کے رکھنے پہ اب ہونے لگا یہ تذکرہ — ماں لگی کہنے کہ رکھو نام اسدِ کبریا
باپ کہتا تھا کہ حیدرؑ نام ہے کیا خوب سا — بول اُٹھے یہ مصطفیٰؐ کہ کہتا ہوں میں مُرتضیٰ

آئی یہ حق سے ندا کیوں کرتے ہو یہ قیل و قال
میرے ہوتے نام کیوں رکھے کوئی کس کی مجال

گھر میں میرے پیدا ہوا اور نام رکھو تم بھلا — خود ہی میں رکھونگا اسکا نام دیکھو تم بھلا
نام بہتر جب رکھونگا میں اس مولود کا — شیر ہے شیرِ خُدا کا واقعی یہ مہ لقا

میں ہوں اعلیٰ سے جو اعلیٰ یہ ولی ہی چاہیئے
نام اسکا نام پہ میرے علیؑ ہی چاہیئے

خانہ کعبہ کی خاص صفت خداوند عالم نے یہ بھی فرمائی ہے۔ ھدی للعالمین یعنی وہ تمام عالموں کے لئے ہدایت ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کعبہ معمولی اینٹ پتھر کا بنا ہُوا ہے ایک مکان ہے۔ اور کسی مکان میں بذاتہ ہدایت کرنے کی قابلیت نہیں ہُوا کرتی۔ اگر حیثیت مکان خانہ کعبہ ہادی بن سکتا۔ تو اس کے اندر بُت ہرگز داخل نہ ہو سکتے۔ یا جو شخص اس کے اندر داخل ہو جاتا۔ اعلیٰ درجہ کا نیک انسان بن جاتا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ بہت لوگ کئی کئی بار حج کرنے کے بعد بھی بُری باتوں سے نہیں بچتے حقیقت یہ ہے کہ کسی مکان کے فضائل صاحبِ مکان کی وجہ سے ہُوا کرتے ہیں۔ جیسا جس گھر کا مالک مکین ہوتا ہے۔ ویسی ہی اُس کو شہرت ہوتی ہے۔ اس گھر کے اہلبیت چونکہ سب کے سب معصوم تھے اور قیامت تک ان کا سلسلہ دُنیا میں باقی رہنے والا تھا اس لئے اس گھر کی صفت ھدی للعالمین قرار پائی جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ اس گھر کے مالک اور وارث وہ لوگ ہیں کہ جو تمام عالموں کو ہدایت کرنے والے ہیں۔ چونکہ حضرت علیؑ کا آنا یعنی

نال کعبہ کے اندر گرتا ہے۔ لہٰذا وہی اس کے مالک ہیں اور انکے بعد انکی اولاد میں گیارہ امام اس گھر کے مالک ہیں۔ انہیں سے ہر زمانے کے لوگ ہدایت پاتے رہیں گے۔ اور قیامت تک پاتے رہیں گے یہی وجہ ہے۔ کہ ہمارے بارھویں امام علیہ السلام کعبہ ہی سے خروج فرمائیں گے۔ اور اپنے ساتھیوں کو کعبہ ہی میں اپنے پاس بلائیں گے ؎

قصیدہ

رنگِ دل حُبِّ علیؑ میں پاک باز بنے — جیبِ دامن جب پھٹے جنت کا پروانہ بنے
مصطفےٰ کے گھر ہو بیٹی خادمِ حق کا پسر — مل کے پھر دونوں کا جوڑا کیوں نہ شاہانہ بنے

اِس میں ہے کس کا اجارہ گھر کے مالک کی خوشی
اپنا گھر کعبہ بنے چاہے زچہ خانہ بنے

اِس لئے کعبہ کیا تعمیر ابراہیمؑ نے — تا کہ اسکے پوتے کا اِک دن زچہ خانہ بنے
جب تلک مالک تھا کعبہ بتوں کا گھر رہا — ہم تو تب جانے کہ اب کعبہ صنم خانہ بنے

ایک ہی تصویر دیکھو جس طرف جائے نظر
دل کے چوگِرد آئینوں کا آئینہ خانہ بنے

شرط ہے پینا پلانا آنکھوں ہی آنکھوں میں ہو — نورِ حق ساقی بنے پُر نور میخانہ بنے
ہے قرآن پاک حق اور حق علی کیسا تھ ہے — حق کا متلاشی نہ کیوں حیدر کا دیوانہ بنے

مثلِ آتش گرم کیوں ہو جو بنا ہو خاک سے
بو ترابی ہے وہی جو خاکسارانہ بنے

زیرِ قبہ جائیں جو بیمار وہ پائیں شفاء — حکم یہ تھا کربلا میں پاک شفاخانہ بنے
اشک جو نکلے غمِ شبیرؑ میں ایسا تو ہو — فاطمہ زہراؑ کی وہ تسبیح کا دانہ بنے

سلام

اُلفتِ حیدرؑ میں دل میرا اگر ساغر بنے — خون رگوں میں دوڑ کر موجِ مئے کوثر بنے
صاحبِ اعجاز کے آنے کی سُن لی ہے خبر — مسکرا کر کیوں نہ اب دیوارِ کعبہ در بنے
عہدِ طفلی میں کرے جو کلّۂ اژدر دو نیم — بڑھ کے وہ بچہ دکیونکر فاتحِ خیبر بنے
توڑ کر اصنام کہتا تھا نصیری کا خدا — کیوں مرے ہوتے ہوئے کعبہ بتوں کا گھر بنے

ھل اتیٰ سے پوچھئے نانِ جویں کی منزلت
عرش کے ساکن اسی در کے گدا کیونکر بنے

تیسری مجلس

بیان فضائل و مناقب جناب امیرؑ و شہادت آنجناب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَعَلٰی سَیِّدِ الۡاَوَّلِیۡنَ وَالۡاٰخِرِیۡنَ مُحَمَّدٍ اَشۡرَفِ النَّبِیِّیۡنَ وَعَلٰی اَمِیۡرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَفۡضَلُ الۡوَصِیِّیۡنَ نفس خیر المرسلین۔ اُستادِ روح الامین یعسوب الدین۔ قائد الغر المحجلین۔ ولی رب العالمین خلیفۃ طٰہٰ و یٰسین۔ زوجِ سیدۃ النساء العالمین۔ ابو الائمۃ الھداۃ المھدیین ناصر الدین رئیس الصابرین۔ قاتل المشرکین۔ امام المتقین۔ مجاہد الکافرین والناکثین۔ والقاسطین والمارقین۔ زینۃ العابدین والعارفین والزاھدین۔ والراکعین۔ والساجدین۔ عمدۃ الشاکرین ۵ تاج الفاخرین۔ سابق المسلمین۔ اکبر المحسنین۔ تنبیہ الغافلین وسیلۃ النادمین۔ والتائبین۔ افضل الصالحین والصادقین ولی اللہ

حجۃ اللہ۔ اسد اللہ۔ وجہ اللہ مغالب کل غالب مطلوب کل طالب امام المشارق والمغارب علی ابن ابی طالب واولادھم الطاھرین صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیھم اجمعین ۵

جناب رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ نظر کرنا طرف روئے علیؑ کے عبادت ہے۔ اگر نظر کرنا ممکن نہ ہو۔ تو ان کا ذکر کرو۔ اس لئے کہ ان کا ذکر بھی عبادت ہے۔ زینوا مجالسکم بذکر علی ابن ابیطالب لان ذکرہ ذکری و ذکری ذکر اللہ و ذکر اللہ عبادۃ۔ یعنی زینت دو اپنی مجلسوں کو ساتھ ذکر علی ابن ابی طالبؑ کے اس واسطے کہ ذکر ان کا میرا ذکر ہے اور میرا ذکر خدا کا ذکر ہے۔ اور خدا کا ذکر عبادت ہے۔ فذکرہ علی عبادۃ پس ثابت ہوا کہ علیؑ کا ذکر عبادت ہے ؎

خوشا ما خوشا دین و دنیائے ما
کہ حیدر علیؑ است مولائے ما

جمع اللہ لہ من شرف و فضل — ما بہ خص سوی احد من کل نبی

تمام فضل و شرف جو اللہ نے ہر ایک نبی میں جمع کئے تھے ماسوا جناب محمد مصطفےٰؐ کے وہ سب ذاتِ جناب امیرؑ میں جمع کر دیئے گئے چنانچہ جناب

رسول خدا نے فرمایا۔ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَنْظُرَ اِلٰی آدَمَ فِیْ عِلْمِہٖ وَاِلٰی نُوْحٍ فِیْ تَقْوَاہُ۔ وَاِلٰی اِبْرَاہِیْمَ فِیْ حِلْمِہٖ وَاِلٰی مُوْسٰی فِیْ ہَیْبَتِہٖ وَاِلٰی عِیْسٰی فِیْ عِبَادَتِہٖ۔ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی وَجْہِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْطَالِب ٥

یعنی جو شخص یہ چاہتا ہے۔ کہ آدمؑ کو علم میں۔ نوحؑ کو اُن کے تقویٰ میں۔ ابراہیمؑ کو اُن کے حلم میں۔ موسیٰؑ کو اُن کی ہیبت میں اور عیسیٰؑ کو اُن کی عبادت میں دیکھے۔ پس اس کو چاہیئے کہ علیؑ کے چہرے کی طرف نظر کرے ٭

حضرت۔ اِس سبب کوئی آپ کا مثل و نظیر نہ تھا۔ زاہد یعنی تارک الدنیا اور پھر بادشاہِ دارین اور زُہد کا تو یہ حال تھا کہ غذا آپ کی نانِ جویں تھی۔ جو کہ زانو سے دبا کر توڑی جاتی تھی۔ اور عبا میں اِس قدر پیوند لگے ہوئے تھے کہ لگانے والے شرم کرتے تھے۔ ایک روز آپ مسجد میں نماز پڑھ کر بیٹھے تھے۔ کہ ایک مردِ اعرابی مسجد میں وارد ہوا ؎

مغرب کے فریضے کو ادا کر چکے جب شاہ ۔ سب اُٹھ گئے تنہا رہا وُہ بندۂ اللہ
تھا آرزوئے روزہ کشائی کو جو ہمراہ ۔ لی اِک کفِ دست آپ نے افطار کیا آہ
اِک مُشت اُسے بھی دیا وُہ لطف و کرم سے
لے کر اُسے رخصت ہُوا وہ شاہِ اُمم سے

اور دربارِ شہزادگان میں حاضر ہوا حسنین علیہما السلام کو یکجا پایا۔ دیکھا کہ صاحبزادوں نے طعام مطبخ سے منگوایا اور بلُطف و عنایت اسکو کھلایا۔ اور تمام فقرائے حاضرین نے اسی طرح پایا۔ وُہ مردِ اعرابی کچھ کھاتا بھی جاتا تھا۔ اور کچھ اپنی زنبیل میں جمع بھی کرتا جاتا تھا۔ چنانچہ اُس کی اِس حرکت کو حسنین علیہما السلام دیکھ رہے تھے۔ پس فرمایا انھوں نے۔ کہ اے مردِ اعرابی تجھے جس وقت کھانے کی خواہش ہو۔ اُسی وقت تم کو کھانا مل سکتا ہے۔ کھانا جمع کرنے سے کیا فائدہ۔ یہ سُن کر وُہ مردِ اعرابی آنحضرتؑ سے گویا ہُوا کہ یہ کھانا میں اپنے واسطے جمع نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ کسی غریب مسافر کے لئے ایسا کرتا ہوں ؎

مسجد میں گیا میں جو پئے طاعتِ داور ۔ اِک شخص کو واں دیکھ کے دل ہو گیا مضطر
محتاج ہے، بیکس ہے، غریب الغربا ہے
کھانے کے عوض آرزوئے جو پھانک رہا ہے
اِس مرتبہ کا ہے کہ ثابت نہیں پوشاک ۔ رکھتا ہے گریبانِ قبا مثلِ کفن چاک
فرش اسکو میسر نہیں دُنیا میں بجز خاک ۔ ایسا کوئی محتاج نہ ہوگا تہِ افلاک
فاقے سے وہ بیٹھا ہُوا ہے گھر میں خدا کے
ہو حکم تو لے آؤں یہ کھانا اُسے جا کے

پانی سے میرے سامنے روزہ کیا افطار ۔ ہر گھونٹ پہ کہتا تھا کہ شکر اے مرے غفار
انبان میں سوکھے ہوئے ٹکڑے جو تھے دو چار ۔ کی لُطف سے میری بھی صلاح اُس نے کئی بار
میں نے کہا مجھ سے تو یہ کھائے نہیں جاتے
سخت ایسے ہیں ٹکڑے کہ چبائے نہیں جاتے

یہ سُننا تھا کہ حسنین علیہما السلام کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے جناب حسنؑ حسینؑ کو دیکھتے تھے۔ اور حسینؑ حسنؑ کا مُنہ تکتے تھے پس دونوں شہزادے اشکبار ہو کر فرمانے لگے ؎

مجبور نہیں ہیں اَسدُ اللہ وہی ہیں ۔ ہم سب ہیں اُسی در کے گدا شاہ وہی ہیں

پس یہ سُن کر وُہ مردِ اعرابی آپکے اِتّقا اور پرہیزگاری پر بہت رو دیا سُبحان اللہ کیا نفرت لذّتِ دُنیوی سے تھی۔ اور پھر بھی حاکمِ دُنیا و دین تھے اور باوجود ایسی تکالیف جسمانی کے۔ قوّت اور بہادری میں ایسے بے نظیر کہ قصّۂ عمر بن عبدود و مرحب و انتر و اُحد و بدر و حنین و خندق و خیبر خلقت کے زبان زد ہے۔ تشریح کی حاجت نہیں۔ سخاوت ایسی۔ کہ سوالی کو دروازے سے کبھی خالی نہ پھرایا۔ خود فاقہ سے ہوں تب بھی دیا مزدوری کر کے بھی دیا۔ غرض جس طرح بنا دیا۔ رات کی تاریکی میں بیواؤں عورتوں اور یتیم بچوں کو اپنے دوش

پر روٹیاں رکھ کر کھلاتے پھرتے تھے۔ اور کھانا تقسیم کرنے کے وقت چہرہ مبارک چھپائے ہوئے تھے۔ اور زیادہ تر آپ روزے سے ہوتے تھے اور روزے کے افطار کے وقت بالکل آپ کی غذا معمولی ہوتی تھی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ جناب اُمّ کلثوم آپ کی صاحبزادی ناقل ہیں۔ کہ میں نے ایک دن روزے کے افطار کے وقت باباجان کے سامنے ایک نانِ جویں و نمک اور ایک پیالہ دُودھ کا رکھ دیا یہ دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ اے اُمّ کلثوم کیا کوئی بیٹی اپنے باپ کے ساتھ ایسا ظلم کرتی ہے۔ جیسا تُو نے کیا۔ اِس دُودھ کو فوراً اُٹھا لو۔ کیا باپ تمہارا ایک وقت میں دو قسم کے کھانے کھا کر حساب میں مُبتلا ہو۔ یہ دُودھ کسی مسکین اور یتیم کو دے دو۔ سُبحان اللہ۔ جو شخص اپنے نفس پر غریبوں مسکینوں۔ یتیموں کو مقدم جانتا ہو۔ کیا ظلم ہے کہ وہی خُدا و رسولؐ کا پیارا اُنیسویں ماہِ رمضان کو عبدالرحمٰن جیسے ملعون کے ہاتھ سے زخمی ہو کر اِس دُنیا سے گزر جائے۔ اُمّ کلثوم فرماتی ہیں۔ کہ اُس رات میرے بابا ساری رات نہیں سوئے کبھی بیقرار ہو کر صحن خانہ سے اندرِ مکان کے تشریف لاتے تھے اور کبھی اندر سے باہر جاتے تھے۔ میں نے یہ حالت دیکھ کر کہا کہ اے باباجان آج آپ کی بے قراری کی کیا وجہ ہے۔ فرمایا آپ نے کہ اے بیٹی جس شخص نے ایسے جلیل القدر

شہنشاہ کے دربار میں جانا ہو۔ اُسے کیسے نیند آئے۔ اے بیٹی اب تمہارا باپ عنقریب تم سے رُخصت ہونے والا ہے۔ یہ کلمہ جونہیں سُنا تمام بی بیاں اور بچے بیدار ہو گئے۔ پُوچھا جناب زینبؑ نے۔ کہ اے باباجان آپ کو اپنی موت کا کیسے یقین ہُوا۔ فرمایا آپ نے۔ کہ مَیں نے ابھی خواب میں اس پہاڑ کو دیکھا جو کہ مکّہ کے ملحق ہے۔ اس میں سے جبرائیلؑ امین نے دو پتھر اُٹھائے اور کعبہ کے بام پہان کو توڑا۔ پس اُس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور مکّہ اور مدینہ کے گھر گھر میں اُن پتھروں کے ٹکڑے بکھر گئے۔ یہ سُن کر جناب حسنینؑ اور جناب زینبؑ نے فرمایا۔ کہ باباجان۔ اِس خواب کی کیا تعبیر ہے ؎

فرمایا کہ اب کُوچ کے دن آئے ہمارے مقدّر میں یتیمی کے ہیں سامان تمہارے

کُل شیعہ بھی سر کھولیں گے اور اہلِ حرم بھی

زہرا کی ندا، آئی کفن پھاڑیں گے ہم بھی

جناب زینبؑ فرماتی ہیں کہ چار گھڑی رات رہے تسبیح ہاتھ میں لے کر باباجان نے مسجد میں جانے کا قصد کیا۔ کیا دیکھا ہم نے کہ مُرغابیاں جو کھڑی ہوئی تھیں اپنی زبان بے زبانی میں شور مچا رہی ہیں۔ فرمایا آپ نے کہ یہ مجھ سے رخصت ہو رہی ہیں۔ اے زینبؑ و کلثومؑ ان کے آب و دانہ کا ہر طرح سے خیال رکھنا۔ آقا آپ کو جانوروں کے آب و دانہ کا کس قدر خیال تھا۔ مگر ہائے کربلا میں آپ کی اولاد کو بے آب و دانہ رکھ کر ملاعین نے کیسی بیدردی سے ذبح کیا۔ الغرض آپ نے پٹکا کمر میں مضبوط باندھا۔ جب دروازے سے گزرنے لگے تو دامن قبا دروازے سے اُلجھ گیا۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ سب فال میری شہادت کی ہیں پس آپ مسجد میں تشریف لائے۔ حضرات کیا شان ہے۔ اِس مردِ خُدا کی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

کعبہ میں ولادت اور مسجد میں شہادت

جو گھر ہے خدا کا وُہ علیؑ کا گھر ہے!

علیؑ ایسے مردِ میدان جن کی عُمر میدانِ جنگ میں گُزری شبِ ہجرت سے لے کر جنگ نہروان تک تئیس لڑائیاں چھوٹی بڑی آپ کو پیش آئیں۔ مگر کسی لڑائی میں مغلوب ہو کر درجۂ شہادت پر فائز نہیں ہوئے۔ اور درجۂ شہادت وُہ درجۂ رفیع تھا۔ کہ اگر اس سے محروم رہ جاتے تو آپ کی فہرست فضل و کمال میں کمی رہ جاتی خُدا نے آپ کی شہادت کا درجہ بھی ممتاز رکھا اور اپنے گھر میں اِس درجہ پر فائز کیا۔ جس طرح عرب میں آپ کی شجاعت کی دھاک بیٹھی تھی۔ اُسی طرح عبادت میں خشوعِ قلب کی بھی شہرت تھی۔ لوگ سُن چکے تھے

کہ حالت نماز میں پاؤں سے تیر نکال لیا گیا۔ اور حضرت کو خبر بھی نہ ہوئی۔ ابنِ ملجم نے بس یہی موقع غنیمت سمجھا اور قیاس کر لیا۔ کہ اگر یہ شہید ہوں گے تو حالتِ نماز میں ہو سکتے ہیں۔ ورنہ دُنیا میں کوئی قوت علیؑ پر غالب نہیں آ سکتی غضب کا ملعون نے موقع نکالا۔ جب آپ اذان دے کر گلدستۂ اذان سے اُتر کر نمازِ خدا میں مشغول ہوئے۔ اور سجدۂ معبود میں جب گر پڑے تو اِس ملعون نے زہر میں بجھی ہوئی تلوار لے کر آپ کے سرِ اقدس پر اُس جگہ جہاں عمر بن عبدود کا وار لگا تھا اِس زور سے ماری۔ کہ آپ اس وار کے صدمے سے مصلّے پر لوٹنے لگے افسوس ہزار افسوس کہ ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا ارکانِ ہدایت مُنہدم ہو گئے حسنینؑ بے پدر اور شیعہ بے امام نماز تمام بھی نہ ہونے پائی تھی سجدہ میں سر تھا۔ کہ تلوار چل گئی۔ ریش مُبارک خون میں ڈوب گئی مُصلّی لہو سے تر ہو گیا۔ پھر حضرت سنبھل نہ سکے۔ اور زمین پر جھک گئے۔ بار بار چہرے سے خُون پونچھتے تھے۔ اور فرماتے تھے بسم اللہ و باللہ فُزتُ و ربِّ الکعبۃ زمین مسجد کو زلزلہ ہُوا اور آسمان تھرتھرانے لگے۔ جبرائیلؑ نے ندا کی قسم ہے خُدا کی ارکانِ ہدایت مُنہدم ہو گئے جس جس کے کان میں یہ آواز پہنچی۔ بیتابانہ مسجد کی طرف دوڑا جناب زینبؑ و

کلثومؑ پچھلے پہر سے بابا کی حالت دیکھ کر بے قرار تھیں۔ یہ آواز سُن کر اب تاب کہاں بھائیوں سے کہا بھیا یہ کیسی آواز ہے۔ جس نے دل کو بے تاب کر دیا ہے۔ ذرا خبر لیجئے۔ باباجان آج مُنہ اندھیرے گھر سے تشریف لے گئے ہیں حسنینؑ دوڑتے ہوئے مسجد میں پہنچے۔ دیکھا نمازیوں کی صف مُنتشر ہے۔ لوگ رو رہے ہیں۔ سر پیٹ رہے ہیں اور خدا کا عبادت گزار امام خاکِ مسجد اُٹھا۔ اُٹھا کر زخم پر ڈالتا ہے۔ یہ قیامت خیز منظر دیکھ کر فرزندانِ رسول اپنا سر پیٹنے لگے۔ روتے ہوئے حضرت کے قریب پہنچے پُوچھا۔ بابا۔ بابا یہ کیا غضب ہُوا۔ کس نے یہ ستم ڈھایا۔ حضرت نے سر اُٹھا کر، امام حسنؑ کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ بیٹا پہلے نماز تمام کرو۔ جب نماز تمام کر چکے حضرت کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ زخم کو غور سے دیکھا۔ خُون پونچھا پھر پوچھا یہ ضربت کس نے لگائی۔ حضرت نے باب کندہ کی طرف اشارہ کیا۔ اور فرمایا۔ اِس طرف سے تمہارا دشمن گرفتار ہو کر عنقریب آئے گا۔ تھوڑے عرصہ میں یہ خبر کوفہ میں مشہور ہو گئی۔ منادی کی صدا جس کے کان میں پہنچی وُہ دوڑتا ہوا مسجد میں پہنچا۔ تھوڑے عرصہ میں تمام مسجد رونے والوں سے بھر گئی۔ یہاں تک کہ عورتیں بے تابانہ بے مقنع و چادر مسجد میں پہنچ گئیں۔ اور فریاد

کرنے لگیں۔ مگر (حضرات) کسی روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ جناب زینبؑ و کلثوم بے تاب ہو کر گھر سے مسجد تک آگئی ہوں مُصیبت عظیم تھی۔ امیرالمومنین کا معاملہ تھا۔ باپ زخمی ہُوا۔ آدابِ عصمت نے شہزادیوں کو گھر سے باہر نکلنے نہ دیا۔ یہ مصیبت کربلا کے لئے اُٹھ رہی تھی۔ کہ ایک منادی کی صدا سُن کر عالم و تہ و بالا ہو گیا۔ شہزادیاں خیموں سے باہر نکل پڑیں۔ جناب زینبؑ مقتل کو اِس شان سے روانہ ہوئیں۔ کہ گوشۂ چادر عالمِ اضطراب میں زمین پر لٹکتا جاتا تھا۔ اور زبان پر فریاد تھی ہائے میری ماں جائے۔ میری ماں کے لاڈلے بہرحال تھوڑے عرصہ میں حذیفہ یمانی ابنِ ملجم کو گرفتار کر کے اس طرف سے لائے۔ جدھر کا حضرت نے اشارہ کیا تھا خلقت نے اُس خبیث کی طرف ہجوم کیا۔ کوئی مُنہ پر تھُوکتا تھا۔ اور کوئی ملامت کرتا تھا۔ وُہ لعین رسّی میں جکڑا ہُوا۔ سر خم کئے خاموش تھا۔ جب حضرت کے سامنے لائے۔ آنکھیں کھول کر حضرت نے دیکھا۔ سب کو منع کیا۔ اور حکم دیا کہ مُشکیں کھول دو۔ پھر نہایت نرمی سے حضرت نے قاتل سے کلام کیا۔ اپنی شفقتیں اور احسانات یاد دلائے۔ جس پر وُہ شقی نادم ہُوا پھر عبداللہ ابنِ ارقم کو بُلا کر سپرد کیا۔ اور فرمایا اس کو لے جا کر رکھو۔ مگر کسی طرح کی زحمت اِس کو نہ دینا۔ یہ بھی اہلِ کوفہ کو ایک

قسم کی تنبیہ تھی۔ کہ قیدیوں کے ساتھ بُرا سلوک نہ کرنا۔ میں نے اپنے قیدی کی کوئی تکلیف گوارا نہیں کی۔ تم میری اولاد کو اسیر کر کے ذرا اِس طرزِ عمل کا خیال رکھنا۔ ہائے کیا اسیرانِ اہلبیتؑ کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا گیا۔ حضرت امام زین العابدینؑ زندگی بھر رویا کئے اور کہتے تھے۔ الشام، الشام، الشام! غرض کچھ دیر کے بعد حضرت کو ایک گلیم میں لٹا کر دولت سرا کی طرف لے چلے حضرت کی اولاد اور اصحاب سب جمع تھے روتے پیٹتے دست بہ دست اپنے امام مجروح کو دروازے تک پہنچایا۔ اصحاب رُخصت کر دیئے گئے جب گھر میں امیرالمومنین پہنچے۔ شہزادیوں نے گھیر لیا۔ زخم سر دیکھ کر بیٹیوں نے سر پیٹ لیا۔ باپ کی زندگی سے نااُمیدی ہوئی۔ بیٹیاں تیمارداری میں مصروف ہوئیں۔ حکیم بن اثیر جرّاح بُلایا گیا۔ مگر اس نے جب زخم دیکھا سر سے اپنا عمامہ پھینک دیا۔ اور مایُوس ہو کر کہا۔ قسم بخدا امیرالمومنین قتل ہو گئے۔ زینب و کلثوم نے صدائے گریہ بلند کی۔ حضرت نے پھر سب کو صبر کی ہدایت کی۔ اب ساعت بہ ساعت حالت متغیر ہوتی جاتی ہے۔ بیسویں رمضان کو زہر کا اثر پیروں تک پہنچ گیا جسم مُبارک زہر کے اثر سے سُرخ ہو گیا بیٹیوں کی یہ حالت ہے کہ غذا بالکل ترک ہو گئی۔ نہ افطار کا خیال ہے۔ نہ سحر کا صاحب بیت الاُحزان تحریر فرماتے

ہیں۔ کہ تین شبانہ روز میں صرف ایک سیر نان و خرمہ خانۂ امیرالمومنین میں صرف ہُوا۔ گویا ایک ایک لقمہ پر ہر ایک نے اُس عالم میں بسر کی۔ حضرت کی یہ حالت ہے۔ کہ جب غش سے افاقہ ہوتا ہے۔ کبھی امام حسنؑ کو بُلا کر ابنِ ملجم کی سفارش کرتے ہیں۔ بیٹا اس کو ایک ہی ضرب لگانا۔ کبھی یتیموں اور بیواؤں کی سفارش ہوتی ہے۔ بیٹا ان کی خبر لیتے رہنا۔ کبھی اولاد کی بابت وصیتیں ہوتی رہتی ہیں کبھی حسینؑ کو بُلا کر سینے سے لگا لیتے ہیں۔ آنے والے واقعات تعلیم کئے جاتے ہیں۔ مصائب پر صبر کی ہدایت ہوتی ہے۔ جوشِ گریہ سے جب حسینؑ بے تاب ہو کر روتے ہیں تو اپنے ہاتھ سے آنسو پونچھ کر حسینؑ کو تسکین دی جاتی ہے کبھی اپنے ننھے پوتے کو منگا کر سینہ پر لٹاتے ہیں کبھی گلا چُومتے ہیں۔ کبھی ہاتھ کبھی دہان چُسا کر صبر کی قوت پہنچاتے ہیں۔ اور خود بھی کچھ یاد کر کے رونے لگتے ہیں۔ گویا دیکھ رہے ہیں۔ کہ اِس گلے میں طوق ہوگا۔ اور ان ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں گی۔ بہرحال اسی عالم میں حضرت نے یہ تین روز بسر کئے۔ اکیسویں رمضان کی مصیبت ناک رات تھی اور حالت متغیر ہوئی سب کے سامنے کلمۂ شہادتین پڑھا۔ مُنہ قبلہ کی طرف کر کے پاؤں پھیلا دیئے اُمّ کلثوم نے دیکھا کہ رُوح جانبِ جنّت پرواز کر گئی۔

حسنینؑ و زینب و کلثوم یتیم ہو گئیں۔ شیعہ بے امام ہو گئے۔ اور اسی عالم مدہوشی میں۔

زینبؑ نے مدینہ کی طرف یاس سے دیکھا　　اور پیٹ کے سر کہنے لگی دُخترِ زہرا
بین باپ کے بیٹی ہوئی فریاد ہے نانا　　لو آ کے یتیموں کی خبر سیّدِ والا

صدمہ ہے یتیموں کے دلِ چاک کے اُوپر
بیہوش نواسے ہیں پڑے خاک کے اُوپر

راوی نے ہے لکھا کہ صدا آئی یہ اُس دم　　زینبؑ کئی کوزوں سے ہیں موجود یہاں ہم
کیا مجھ کو نہیں ہے حیدرِ کرار کا کچھ غم!　　واللہ کہ غش مجھ کو چلے آتے ہیں پیہم

مرگِ اسداللہ سے مشغولِ بکا ہُوں
میں لاشہ سے لپٹا ہُوا سر پیٹ رہا ہُوں

شہزادوں نے کہا کہ تُو نے نام بھی اُس جناب کا دریافت کیا تھا۔ اُس نے کہا کہ جب نام پُوچھتا تھا۔ تو وُہ کہتا تھا۔ کہ میرے نام سے تجھے کیا کام ہے میں تیری پرستاری اور اعانت فقط واسطے خوشنودیٔ خُدا کرتا ہوں اور عوض میں اس کے شُکر اور جزا نہیں چاہتا ہُوں۔ پھر دونوں شہزادوں نے فرمایا کہ اے شخص۔ تُو اُن کی صُورت پہچانتا ہے۔ اُس نے کہا۔ کہ میں آنکھوں سے نابینا ہوں۔ مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ پھر شہزادوں نے کہا کہ اے شیخ اگر کچھ کلام اُن کا اور خصائل حمیدہ سے اُن کے تجھے کچھ معلوم ہوں تو بیان کر۔ اُس نے بیان کیا۔ کہ ہر وقت تسبیح و تہلیل زبانِ اقدس پر جاری تھی۔ اور میرے پاس بیٹھتے تھے۔ تو فرماتے تھے۔ کہ مسکین مسکین کے پاس بیٹھا ہے، اور غریب غریب کا ہم نشین ہے۔ اور ماسوائے اِن کے۔ اس شخص کی تقریر۔ تمہاری تقریر سے بہت مشابہ تھی۔ اللہ اللہ، جس وقت یہ کلام دردِ دلِ دلگیر سے حسنینؑ نے سُنی تو دونوں شہزادے دھاڑیں مار کر رونے لگے اور کہتے تھے۔

نوحہ

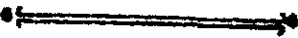
فریاد خُدا را، فریاد خُدا را — اے شخص وُہ آقا تیرا جنّت کو سدھارا
ہم دونوں پسر ہیں اُسی مقتولِ جفا کے — خنجر جسے ملجم کے پسر نے ہائے مارا

آئے ہیں ابھی کر کے دفن شیرِ خُدا کو — آنکھوں میں اندھیرا ہے شہ دُلدُل کو سہارا
بھاتجے ہیں گریبان بکا کرتے ہیں آئے — دُنیا میں رہا کوئی نہ تیرا نہ ہمارا

ماں پہلے دغا دے گئیں جب گزرے تھے نانا
اِک دم تھا پدر کا سو وُہ دُنیا سے سدھارا

اے شخص اب روتے رونے سے جگر میں — ناسُور پڑا جاتا ہے واللہ خُدا را
مانندِ پدر ہونگے تیرے ہم بھی خبر گیرا — رکھوں میں تسلّی دو سویٹ خُدا را

ذاکر پہ بھی ہو نظرِ کرم میرے شہزادو
زیارت مجھے دربار کی ہو جائے خُدا را



چوتھی مجلس

محبت جناب رسولِ خُدا کی فاطمہ زہراؑ سے و فضائلِ جناب سیّدہؑ و وفات آنجناب

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم۔ فاطمۃ بضعۃ منّی
فرمایا جناب رسالت مآبؐ نے کہ فاطمہ میرے جسم کا ایک جُز ہے ٹکڑا ہے۔ سُبحان اللہ، کیسا مرتبہ ہے جناب فاطمہؑ کا۔ حضور انور کے ساتھ گو محبت رکھنے والے کیسی ہی محبت رکھتے ہوں۔ کیسا ہی نزدیک کا رشتہ ہو مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ غیریت ضرور ہوتی ہے۔ مگر جو نسبت جُز کو کُل سے ہوگی وُہ کسی اَور کو نصیب نہیں ہو سکتی کیونکہ جو خاصیتیں کُل میں ہونگی وہی جُز میں ہونگی۔ اگر کوئی تکلیف ہمارے جسم کے چھوٹے سے اعضا میں ہوگی۔ تو وہی تکلیف سارے جسم میں ہوگی۔ اِسی لئے آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ فاطمہ میرا ایک ٹکڑا ہے۔ جس نے اِس کو تکلیف دی اُس نے مجھے تکلیف پہنچائی جس نے فاطمہؑ کو خوش رکھا اُس نے مجھے خوش رکھا۔

کیا پیشِ خدا صاحبِ توقیر ہے زہراؑ — خاتونِ جناں مالکِ تطہیر ہے زہراؑ

اُمّ الحسنؑ مادرِ شبیرؑ ہے زہراؑ — سر تا بہ قدم نُور کی تصویر ہے زہراؑ

شوہر کو جو پُوچھو تو شہنشاہِ عرب ہے
بیٹی ہے نبی کی یہ حسب اور نسب ہے

ماں باپ چچا جب نہیں فرزند کی تکریم — اِس امر میں سب خلق پہ زہراؑ کو ہے تقدیم
لکھا ہے کہ جب آتی تھیں زہراؑ پئے تسلیم — خود اُٹھ کے رسُولِ عربی کرتے تھے تعظیم

وُہ نُوح سے طاہر ہے، تو پاکیزہ ہے جاں سے
کوثر سے وضو کر لے تو نے نام زباں سے

بیٹے ہیں وُہ دونوں کہ شفیعِ دو جہاں ہیں — شوہر ہیں کہ خلقت کو خدائی کے گماں ہیں
فرزند بھی اور خود بھی وُہ سردارِ جناں ہیں — اس طرح کے رُتبے کسی بی بی کے کہاں ہیں

ثانی کوئی زہراؑ کا نہ ہوگا نہ ہُوا ہے
ہاں حضرت زینبؑ کو جو کہئے تو بجا ہے

زہراؑ آپ کا نام اس واسطے تھا کہ جب آپ واسطے نماز کے کھڑی ہوتی تھیں تو چہرہ مُبارک سے ایک ایسا نُور چمکتا تھا کہ کبھی وہ نُور سفید ہوتا تھا۔ اور کبھی نماز میں سُرخ ہوتا تھا اور کبھی زرد ہو جاتا تھا۔ اور فاطمہ اس واسطے آپ کو کہتے ہیں کہ یہ معصومہ اپنے محبّوں کو آتشِ دوزخ سے نجات دلانے والی

ہیں۔ جناب رسولِ خدا کو اپنی بیٹی سے اِس قدر محبت تھی کہ جب آپ سفر کو جاتے تھے تو سب کے بعد میں اپنی بیٹی سے ملنے جاتے تھے۔ اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے جناب سیدہ سے ملتے تھے۔ حضرت کو اپنی بیٹی سے اِس لئے محبت نہیں تھی کہ آپ باپ تھے اور وُہ بیٹی تھیں۔ کیونکہ ایسے تو ہر ایک کو اپنی بیٹی عزیز ہوتی ہے۔ اور وُہ بیٹی سے محبت رکھتا ہے نہیں بلکہ جناب سیدہ میں مخصوص اوصاف ہی ایسے تھے۔ کہ پیغمبرِ خُدا آپ کی تعظیم بھی کرتے تھے۔ بارہا آپ نے بیٹی کا امتحان بھی لیا۔ مگر جناب سیدہ پُوری امتحان میں اُتریں۔ چُنانچہ ایک دِن جناب رسولِ خدا اپنے ایک بُوڑھے اصحابی کو جو کہ آنکھوں سے بالکل نابینا تھے۔ اپنے ساتھ جناب سیدہ کے مکان پر لائے جس وقت جناب سیدہ نے ایک پیر مرد کو بابا کے ساتھ آتے دیکھا۔ تو فوراً اندر پردے میں چلی گئیں۔ کہا حضرتؐ نے کہ اے بیٹی۔ یہ بُوڑھا صحابی تو نابینا تھا۔ اس سے پردہ کی کیا ضرورت تھی۔ تو اُسوقت جناب فاطمہؑ نے کہا۔ کہ اے بابا۔ اگر یہ نابینا تھے میں تو نابینا نہیں تھی۔ یہ کلمہ اپنی بیٹی سے سُن کر حضرتؐ بہت خوش ہوئے۔ جناب سیدہ کو پردہ کا اِس قدر خیال تھا۔ کہ آپ نے ایک دن اسماء بنتِ عمیس سے کہا

کہ اے اسماء جس وقت میت کو کفن دے کر برائے دفن لے جاتے ہیں۔ تو عورت کی میت کے قدوقامت پر لوگوں کی نظر پڑتی ہے۔ اِس کے واسطے کوئی ایسا انتظام نہیں ہو سکتا کہ میت پر کسی کی نظر نہ پڑے۔ تو اسماء بنت عمیس نے عرض کی۔ کہ اے بی بی مُلکِ حبشہ میں لوگ ایک صندُوق تیار کرواتے ہیں جس میں عورت کی میت رکھ کر برائے دفن لے جاتے ہیں۔ جناب سیدہ نے فرمایا۔ کہ اے اسماء مجھے وُہ صندوق ضرور دکھلانا۔ چُنانچہ اسماء نے ویسے ہی نمونہ کا صندُوق اپنی شہزادی کو دکھلایا جس کو دیکھ کر آپ بڑی خوش ہوئیں۔ حالانکہ آپ کو کسی نے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ غرضیکہ جناب سیدہ عورات کے لئے عمل پیرا ہونے کے واسطے ایک نمونہ تھیں۔ ہمارے نبی آخرالزمان قیامت تک آنیوالی نسلوں کے ایک رہبر اور ہادی تھے۔ مگر حضرات عورتوں کے بعض مسائل ایسے ہیں جو عورتوں سے ہی وابستہ ہوتے ہیں اسلئے قدرت نے جناب سیدہ کو عورات کی سردار بنایا۔ اور جناب رسالتمآبؐ کو مردوں کے لئے ہادی بنایا۔ گویا کچھ کام آپ کے جُز یعنی مُکردہ رسالت نے مکمل کئے۔ اور کچھ آپ نے کر دیئے۔ (صلوٰۃ)

جنابِ سیدہؑ نے اپنی حینِ حیات میں ایسے ایسے کام کر کے دکھائے جو ہر ایک کام بجائے خود ہدایت کا سرچشمہ تھا۔ اور ہر عورت کے لئے ایک سبق حالتِ غُربت تنگدستی میں خدمتِ شوہر بجا لانا! ور زبان پر سوائے شُکر کے کوئی حرف شکوہ کا نہ آنا۔ اپنے ہاتھ سے اپنے گھر کا کام کرنا۔ باوجود کنیز ملنے کے ایک دن گھر کا سارا

کام خود کرنا! ور ایک دن کنیز سے کروانا یعنی مساوات کا طریقہ برتنا۔ چُنانچہ جناب سلمان فارسی فرماتے ہیں۔ کہ ایک دن میں نے روزنِ در سے دیکھا۔ کہ جناب سیدہ چکی پیس رہی ہیں۔ اور ہاتھوں سے خُون جاری ہے۔ جس سے چکی کا ہتھا بھی سُرخ ہو رہا ہے۔ میں نے کہا اے بی بی۔ اپنی کنیز فِضّہ کو کیوں حُکم نہیں دیتیں کہ چکی چلائے۔ ارشاد فرمایا۔ کہ آج میری باری ہے۔ فِضہ کی نہیں ہے۔ اِس سے زیادہ مساوات کی اور مثال کیا ہو سکتی ہے۔ دُوسرے فاقہ پر فاقہ اُٹھانا مگر سائل کو اپنے دروازہ سے خالی نہ پھیرنا۔ غرضیکہ جناب سیدہ عورات کے لئے قُدرت نے ایک مکمل نمونہ بنا کر دُنیا میں بھیجا تھا۔ مگر افسوس صد افسوس کہ دُنیا نے اِسکی قدر نہ کی۔ بعد وفاتِ رسُولؐ کے اِس بی بی پر جو اُمت نے ستم ڈھائے اس کا خیال کرنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ واللہ کیا یہ مصیبت کم ہے۔ کہ بعد وفات سرورِ کائناتؐ باغِ فدک جو عطیۂ رسُول تھا۔ اور ساتھ اپنی بیٹی کو ہبہ کر گئے تھے چھین لیا گیا۔ کبھی نے گھر جلانے کی دھمکی دی۔ یہاں تک کہ بے چاری کو باپ کے غم میں رونے سے بھی منع کیا گیا۔ چُنانچہ آپ ارشاد فرماتی ہیں۔ کہ؎

صُبّت علیّ مصائبٌ لو انّھا ۔۔۔ صُبّت علی الایام صِرن لیالیا

یعنی میرے اُوپر ایسے مصائب پڑے ہیں۔ کہ اگر دنوں پر پڑتے تو راتوں کی طرح سیاہ ہو جاتے۔ زمانے میں انقلاب بھی آتا ہے۔ خاندانوں کی کایاں

بھی پلٹتی ہے شخصی چاہتوں کو زوال بھی ہوتا ہے۔ لیکن نہ اِتنی جلدی کہ صبح کو دُنیا کچھ تھی اور شام کو کچھ ہو گئی۔ رسُول کی آنکھ بند ہوتے ہی سینوں میں عداوت کی آگ بھڑک اُٹھی۔ جناب سیدہ کو اپنے باپ کے فراق میں۔ ہر وقت رونے سے کام تھا۔ اور ہر وقت دُعا تھی۔ کہ اے بابا مجھے جلدی اپنے پاس بُلا لیجئے۔ روتے روتے ایک دن خواب میں کیا دیکھتی ہیں کہ جناب رسُولِ خُدا نے فرمایا اے بیٹی اب عنقریب میرے پاس پہنچ جائے گی یہ مُژدہ سُن کر اُٹھیں۔ وضو کیا۔ نمازِ صُبح ادا کی اور بچوں کے کپڑے دھو کر الگنی پر لٹکا دیئے۔ پھر کھانا پکانے لگیں۔ اِتنے میں جنابِ امیرؑ تشریف لائے کہا اے دُخترِ رسُولؐ اے سیدہ میں نے ایک وقت میں دو کام کرتے ہوئے تمہیں نہیں دیکھا۔ آج کیا باعث ہے۔ کہا کہ اے ابوالحسن، اے سرتاج مجھے یقین ہے۔ کہ میں آج دُنیا سے رحلت کر جاؤں گی۔ کھانا اِس لئے پکایا ہے۔ کہ میرے بچے بھُوکے نہ رہیں۔ اور کپڑے اِس واسطے دھوئے ہیں کہ آپ تو میرے غم میں مصروف رہیں گے۔ ان کی کون خبر لے گا۔ جنابِ امیرؑ یہ سُن کر آبدیدہ ہوئے اور کہا کہ اے بنتِ نبی تم بھی داغِ مفارقت دے چلیں اگر کوئی تمہارے حقوق کے متعلق مجھ سے فروگذاشت ہو گئی ہو۔ تو مجھے مُعاف کر دینا۔ جناب سیدہ کی روتے روتے گھگی بندھ گئی۔ کہا کہ یا ابالحسن آپ میرے سرتاج ہیں۔ میری چند وصیتیں ہیں۔ اگر ازرہِ شفقت اِسے قبول فرمائیں تو بھلا کرم نہیں۔ پہلی

میری یہ وصیّت ہے۔ کہ مجھ سے آپ کی خدمت میں اگر کوئی کوتاہی سرزد ہوئی ہو۔ تو معاف فرمائیں۔ دُوسرے میرے بعد یہ میرے بچّے بےماں کے ہوجائیں گے۔ آپ جانتے ہیں۔ کہ میں نے کیسے دُکھ اُٹھا اُٹھا کر ان کو بہلایا ہے۔ چکی ہیں پیس کر ان کی نازبرداری کی ہے۔ آج یہ اپنی ماں سے جُدا ہو رہے ہیں۔ ابھی اِن کی عُمریں ہی کیا ہیں۔ ان کی ضدیں سہنا۔ اِن کا رُوٹھنا برحق میرے بچّوں کو رات کے وقت اپنے ساتھ سُلایا کرنا۔ اور ہر طرح سے دلداری کرنا میری رُوح قبر میں شاد ہوگی تیسرے میرا جنازہ رات کی تاریکی میں اُٹھانا۔ آپ ہی مجھے غسل دینا اور آپ ہی کفن پہنانا میرے جنازہ پر دشمنوں کو ہمراہ نہ لے جانا۔ جناب امیرؑ سُن سن کر آنسُو بہاتے جاتے تھے۔ پس غمگین و ملول مسجد میں تشریف لائے۔ اِدھر جناب سیّدہؑ نے بچّوں کو کہا۔ کہ اے دلدارو جاؤ اپنے نانا کی مزارِ مقدّس کی زیارت کر آؤ۔ یہ سُن کر بچّے نانا کی قبر پر چلے گئے جناب سیّدہؑ نے اُٹھ کر وضو کیا اپنے حجرہ میں نماز گذاری۔ اور عبادت میں مصروف ہوگئیں۔ اور اسماء بنتِ عمیس سے کہا اے اسماء حجرہ کا دروازہ بند کردے۔ جب دیکھنا کہ میری آواز اب بند ہوگئی ہے۔ تو سمجھنا۔ کہ میں اپنے پدرِ عالی مقدار سے ملحق ہوگئی ہوں۔ اسماء ناقل ہیں۔ کہ میں نے حجرہ کا دروازہ بموجب حکم بند کردیا جناب سیّدہ عبادت میں مصروف تھیں۔ کہ ناگاہ آواز آنی بند ہوگئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ آپؑ دنیا سے چلت

کر گئی ہیں میں نے اپنا سر سینہ پیٹ لیا۔ کہ اتنے میں حسنینؑ بھی باہر سے آگئے میں خاموش ہوگئی۔ تاکہ شہزادوں کو یہ علم نہ ہو کہ ہماری مادرِ گرامی دُنیا سے چل بسیں۔ کھانا شہزادوں کے آگے رکھا اور کہا۔ کہ کھانا کھالو۔ مگر حسنینؑ نے کہا۔ کہ اے اسماء ہم تو اپنی مادرِ گرامی کے ہاتھ سے کھانا کھائیں گے ہماری امّاں جان کو آواز دو۔ یہ سُننا تھا۔ کہ میری چیخ نکل گئی۔ کہا کہ اے شہزادو تمہاری امّاں جان اِس دُنیا سے چل بسیں پس یہ سُن کر شہزادے دوڑتے ہوئے حُجرہ میں آئے۔ دیکھا کہ جناب سیّدہ قیامت کی نیند سو رہی ہیں۔ بچّے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے روتے روتے مسجد میں آئے۔ جناب امیرؑ نے پُوچھا۔ کہ اے نورِ چشموں خیر تو ہے جو اس بے قراری سے رو رہے ہو۔ کہا کہ ہماری والدۂ گرامی ہمیں چھوڑ کر ہمارے نانا جان کے پاس چلی گئیں۔ یہ خبرِ وحشت اثر سُن کر آپ گھر میں آئے۔ آنکھیں اشکبار تھیں۔ قدم لڑکھڑانے لگے۔ سیدھے حُجرہ میں پہنچے۔ دیکھا کہ جناب سیّدہ دُنیا سے کُوچ کر گئیں ہیں۔ بچّوں نے رو رو کر اپنی جان ہلاک کی حسینؑ آواز دیتے تھے۔ کہ اے امّاں جان مجھے چھاتی سے لپٹالو۔ حضرت عیسےٰؑ نے گہوارے میں اپنی ماں حضرت مریمؑ کی عصمت کی گواہی دی تھی۔ آپ فخرِ مریمؑ ہیں۔ ہم آپ کے فرزند ہیں ہمیں سینہ سے لپٹالو۔ یہ سُننا تھا۔ خُدا کی قسم لاش حرکت میں آگئی۔ دو بازو نمودار ہوئے۔ شہزادہ ماں سے لپٹ گیا۔ دیکھنے والوں کے دِل پھٹ گئے

آسمان پر ایک تہلکہ مچ گیا۔ رُوح الامین کی صدا آئی کہ اے ابُوتراب بچّوں کو ماں سے علیحدہ کردو۔ آسمان پر فرشتوں میں شور و گریہ برپا ہے فوراً جناب علیؑ نے حسینؑ کو چھاتی سے علیحدہ کیا۔ اور آپ غُسل دینے میں مصروف ہوئے حُجرہ کا دروازہ بند کرلیا۔ جب آپ غُسل دینے لگے تو ایک ہلکی سی آپ کی چیخ برآمد ہوئی۔ اِستفسار پر معلوم ہُوا۔ کہ جس پہلو پر دروازہ گرایا گیا تھا وُہ نیل جسم پر بدستور قائم تھا۔ غرضیکہ آپ نے غسل دے کر کفن سے آراستہ کیا۔ اور آواز دی کہ اے بچو دوڑو اپنی ماں کا آخری دیدار کرلو۔ اِس کے بعد پھر زیارت نصیب نہ ہوگی۔ یہ سُن کر بچوں میں کُہرام بپا ہوگیا۔ سب کو آپ نے صبر کی تلقین کی، اور شب کی تاریکی میں معہ اپنے چند رفقاء کے جنازہ کو لے کر چلے۔ کوئی اہتمام میّت کے ساتھ نہ تھا۔ صرف ایک مشعل روشن تھی۔ اور مشعل والے کو بھی آپ نے آگے دُور بھیج دیا تھا۔ کہ صرف ہمیں راستہ ہی معلوم ہوسکے۔ جنازہ اندھیرے میں نظر نہیں آتا تھا۔ جناب امیرؑ نے دیکھا۔ کہ ایک چھوٹی سی لڑکی بُرقعہ اوڑھے ہوئے بوجہ محبّت مادری پیچھے پیچھے آرہی ہے۔ کہ کوئی دیکھ نہ سکے۔ فرطِ محبت سے ٹپ ٹپ آنسو گرتے جاتے ہیں۔ آپ نے پاس جاکر دیکھا۔ تو وُہ جنابِ زینبؑ تھیں۔ آپ نے دستِ شفقت سر پر پھیرا تسلّی دی اور گھر پر پہنچا دیا۔ پھر آپ نے چند رفقا کی معیت میں جنازہ پڑھا اس کے بعد دفن میں

مشغول ہوئے۔ قبر تیار ہوئی۔ شہزادے قبرِ اطہر سے لپٹ گئے۔ اور ایسے ایسے بَین دلخراش کرتے تھے۔ کہ سُننے والوں کے دِل پاش پاش ہوتے جاتے تھے۔ اور اپنی ماں کو مخاطب کرکے کہتے تھے ؎

نوحہ

ننھے حسینؑ و حسنؑ۔ اماں اُٹھو گور سے — ہم ہیں تمہارے گلبدن۔ اماںؑ اٹھو گور سے
کیا ہُوا ہم سے گناہ۔ چل بسیں ہم سے مُنہ چھپا — ہم ہیں بہت پُرمحن۔ اماںؑ اٹھو گور سے

ہم کو بہلائے گا کون۔ ساتھ سُلائے گا کون
ہیں بہت ہم خستہ تن۔ اماں اُٹھو گور سے

رُوٹھیں گے ہرگز نہ ہم لیجئے اماں قسم — پھاڑ کے کرا اپنا کفن۔ اماںؑ اٹھو گور سے
چکیاں لے کے گھر مرتی ہے وہ نوحہ گر — غمزدہ زینبؑ بہن۔ اماں اُٹھو گور سے

اے غلام حیدری۔ تھی قبر پہ نوحہ گری
فقرہ تھا کیا پُرمحن۔ اماں اُٹھو گور سے

سلام

کربلا میں گلشنِ احمدؐ ہرا نہ ہوگیا — فاطمہؑ کے لال کا دُشمن زمانہ ہوگیا
شاہ فرماتے تھے سر دینے میں عزت ہوتی — بیکسی میں بخشش اُمت بہانہ ہوگیا

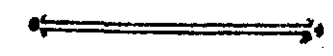
کوفیوں کی خوب عزت ہے بحق اہلبیت
ساتویں سے بند جس پر آب و دانہ ہوگیا

رو کہا بنتِ علیؑ نے حیف اے چرخِ کہن — ایک بھائی تھا میرا وہ بھی یگانہ ہوگیا
تا بہ تاریخ نادیں تک عزیز و اقربا سب ساتھ تھے — اور دسویں کو علی اصغر نشانہ ہوگیا

پوچھا عابد سے کسی نے گھر کہاں ہے آپ کا
رو کے فرمایا کہ اب تو قید خانہ ہوگیا

ہے پرانا وطن یثرب جہاں ہمارے ہیں نبیؐ — چھٹ گیا ہم سے وہ برگشتہ زمانہ ہوگیا
اے فلک انصاف کر بیمار کی ہے یہ دوا — قسمتِ سجادؑ میں کیوں تازیانہ ہوگیا

لطف تو ہے لوگ جب کہنے لگیں ہر طرف سے
الفتِ حیدر میں حیدر ہے دیوانہ ہوگیا



پانچویں مجلس

معاویہ کی وفات اور یزید علیہ اللعن کا تخت پر بیٹھنا اور امام حسین علیہ السّلام سے بیعت طلب کرنا

فرمایا جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام نے "کہ رونا اور واویلا کرنا ہر بلاءِ مصیبت میں مکروہ ہے۔ مگر جناب حسین علیہ السلام کی مصیبت سن کر گریہ کرنا باعث اجرِ عظیم ہے۔ بروز قیامت جب کہ سب آنکھیں ہولِ قیامت کی وجہ سے روتی ہوں گی اُس دن وہ آنکھ جو روئی ہوگی مصیبت جناب سید الشہدا پر خنداں ہوگی"۔

جناب شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے نقل کیا ہے کہ سنہ ۶۰ھ میں جب معاویہ مرا اور یزید پلید نے اپنے نجس قدم سے تخت کو پامال کیا یعنی تخت پر متمکن ہوا۔ تو اُس نے تخت پر بیٹھتے ہی ولید حاکم مدینہ کو خط لکھا۔ کہ جس طرح سے ہوسکے حسینؑ بن علیؑ سے میری بیعت لے لے ورنہ اگر وہ انکار کریں تو اُن کا سر کاٹ کر میرے پاس روانہ کردے۔ پس بمجرد پہنچنے اس حکم کے ولید نے بوقتِ شب حضرت کو اپنے پاس بلایا حضرت فوراً اس کے بلانے کا مطلب سمجھ گئے اور اپنے دوستوں و عزیزوں

کو آپ نے حکم دیا۔ اسوقت جو ولید نے مجھے طلب کیا ہے میں اس کی جانب سے مطمئن نہیں پس تم سب میرے ساتھ رہنا۔ اور جب میں اندر داخل ہوں۔ تو تم سب لوگ دروازے پر کھڑے رہنا۔ لیکن جس وقت میری آواز بلند ہوتے دیکھنا۔ تو بے تامل اندر داخل ہو جانا۔ تاکہ وہ اپنا ارادہ پورا نہ کرسکے۔ یہ سننا تھا۔ کہ بنی ہاشم میں ایک جوش پیدا ہوگیا۔ اور ہتھیاروں سے آراستہ و پیراستہ ہو کر حضرت کے ہمراہ اس طرح سے ہوگئے۔ جیسے کہ چاند کے گرد ستارے ہوں۔ راوی ناقل ہے کہ جب حضرتؑ ولید کے پاس پہنچے۔ تو اُس نے پہلے معاویہ کے مرنے کا حال بیان کیا۔ پھر یزید کا خط پڑھ کر سنایا۔ اور بیعت کے لئے آپ سے کہا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا۔ کہ یہ وقتِ شب ہے۔ صبح کو دیکھا جائے گا۔ ولید نے کہا کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اب آپ تشریف لے جائیں اور صبح آکر سب کے سامنے بیعتِ یزید کا اعلان کردیں۔ اُسوقت دربار میں مروانِ بے ایمان بھی موجود تھا۔ ولید سے کہنے لگا کیا غضب کرتا ہے حسینؑ کو بغیر بیعت لئے نہ جانے دے۔ اگر یہ اِس وقت چلے گئے۔ تو پھر تیرے ہاتھ نہ آئیں گے۔ یا تو اسی وقت بیعت لے لے۔ ورنہ ان کا سر کاٹ کر یزید کے پاس بھیجدے۔ مومنین یہ سُننا تھا۔ کہ امام کو غصہ آگیا۔ آثارِ جلالت چہرے پر نمایاں ہوگئے۔ اور فرمایا کہ اے مروان تیری اور تیرے حاکم کی کیا مجال ہے کہ مجھ سے بیعت یزید سے لے اور بیجا۔ ہم اہلبیتِ نبوت ہیں ہمارے ہی گھر میں ملائکہ آیا کئے ہیں اور ہماری

ہی برکت سے اسلام کو ہمیشہ فتح نصیب ہوئی ہے۔ یزید ایک فاسق و بدکار انسان ہے۔ یہ ہوسکتا ہے۔ کہ ہم اس کی بیعت کریں۔ کتاب مناقب میں ہے کہ یہ سن کر مروان کو غصہ آگیا۔ اِس شقی نے تلوار میان سے نکال لی۔ اور ولید سے کہنے لگا۔ کیا سوچ رہا ہے۔ جلاد کو حکم دے کہ ابھی اُن کا سر تن سے جدا کردے۔ اِن کا خون میری گردن پر ہے۔ حضرت ابھی وہ ملعون یہ کہہ ہی رہا تھا۔ کہ آپ نے ولید کے مکان سے ایک کرسی اُٹھائی اور چاہا کہ مروان کو ماریں۔ جونہی مروان نے دیکھا۔ دبک کر ایک کونے میں چھپ گیا۔ اور یہ شور و غل کی آواز سن کر اُنیس جوانانِ بنی ہاشم ننگی تلواریں ہاتھوں میں لئے ولید کے گھر میں داخل ہوگئے۔ سب سے آگے جناب عباسؑ اور علی اکبرؑ تھے۔ دونوں نے بڑھ کر چاہا۔ کہ اس گستاخی کی سزا اس کو دیں۔ اور قتل کردیں۔ کہ ناگاہ ؎

شہ نے کہا بس شیرو قدم کو نہ بڑھانا — اُمت میرے نانا کی ہے غصہ میں نہ آنا
عباسؑ کہیں زورِ علیؑ کا نہ دکھانا — ہم پہل نہیں کرنے کے ہے حکم یہ نانا

اِن سب کو لئے گھر میں چلے آؤ علمدار
غصہ کو بدل دیجئے نرمی سے اے غمخوار

پس یہ فرمان حضرت کا سن کر تمام بنی ہاشم ولید کے مکان سے گھر میں واپس آئے اور یہاں جب سے حضرت ولید کے پاس گئے تھے۔ جناب زینب و کلثوم و رقیہ و رباب و جناب فاطمہ صغراؑ گھبرائی ہوئی پھر رہی تھیں۔ اور رو رو کر

کہتی تھیں۔ کہ کوئی جا کر خبر لائے۔ کہ فرزندِ رسولؐ کس حال میں ہیں۔ اور کہاں ہیں کچھ دیر بعد جب حضرت معہ رفقاء ولید کے مکان سے گھر پر آئے۔ تو جنابِ زینب گلے میں باہیں ڈال کر زار زار مثلِ ابرِ نوبہار رونے لگیں۔ اور پوچھنے لگیں کہ اے ماں جائے جلدی بتائیے کہ ولید سے اور آپ سے کیا گفتگو ہوئی۔ حضرت نے آبدیدہ ہو کر فرمایا۔ کہ اے بہن اب وہ وقت قریب آگیا ہے کہ مدینہ حسینؑ سے چھوٹ جائے۔ روضۂ رسولؐ اور قبرِ بتولؑ سے جدائی ہو۔ آہ بنی اُمیہ ہمارے درپئے آزار ہیں۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہم مدینۂ رسولؐ میں چین سے زندگی بسر کریں۔ یزید نے ولید کے پاس حکم بھیجا ہے۔ کہ جس طرح ہو سکے حسینؑ سے میری بیعت لو۔ بصورتِ انکار سر جدا کر دو۔ بخدا مجھے قتل ہونا منظور ہے۔ لیکن یزید جیسے بدکار کی بیعت کرنا کسی طرح گوارا نہیں۔ پس حضرت کی یہ تقریر سنتے ہی اہلِ حرم میں ایک کہرام برپا ہو گیا۔ ہر ایک بی بی زار زار رو رہی تھی۔ چھوٹے چھوٹے بچے اپنی ماں کو روتا دیکھ کر بلبلا رہے تھے (کیوں حضرات) اہلِ حرم میں اس خبرِ وحشت اثر سے یہ ہنگامہ برپا ہوا۔ تو اس وقت کیا حال ہوا ہوگا۔ جب حضرت سب اہلِ حرم سے وداعِ آخری کے لئے تشریف لائے ہونگے۔ راوی جو واقعہ کا مبصر ہے۔ وہ بیان کرتا ہے۔ کہ جب جنابِ سید الشہدا واسطے رخصتِ آخری خیمہ میں تشریف لائے۔ تو پہنچ کر درِ خیمہ پر آواز دی۔ کہ اے بہن زینب و کلثوم و اے رقیہ و اے شہربانو و اے فضہ تم سب

پر میرا سلام آخری ہو۔ کہ اب میں تم سب کو سپردِ خدا کر کے جا رہا ہوں۔ آہ یہ صدائے دردناک سن کر سب اہلِ حرم حیران و پریشان حضرت کے گرد آ کھڑی ہوئیں پس آپ ہر ایک سے اس طرح وداع ہوتے تھے جس طرح مرنے والا وقتِ مرگ اہل و عیال سے رخصت ہوتا ہے۔ آہ آہ جب جنابِ زینبؑ سے رخصت کی باری آئی تو بہن نے دونوں باہیں بھائی کے گلے میں ڈال دیں۔ اور ؎

زینب نے رو کے پوچھا کہ یاور کدھر گئے — عباسؑ و قاسمؑ و علی اکبرؑ کدھر گئے
مسلمؑ کے لال دلبرِ حیدرؑ کدھر گئے — میرے پسر عقیلؑ کے دلبر کدھر گئے

کوئی نہیں رکابِ شہِ دیں پناہ میں
رو کر کہا کہ سوتے ہیں سب قتل گاہ میں

ہمشیر سب ہمارے مددگار مر گئے — بھائی بھتیجے بھانجے انصار مر گئے
شانے کٹا کے بھائی علمدار مر گئے — اکبرؑ بھی کھا کے نیزۂ خونخوار مر گئے

رخصت دو جلد فاطمہؑ کے نورِ عین کو
جز مرگ اب کوئی نہیں چارہ حسینؑ کو

پس یہ سن کر اہلِ حرم میں ایک کہرام برپا ہو گیا۔ کہ اتنے میں جنابِ سکینہؑ دوڑ کر اپنے باپ کے دامن سے لپٹ گئی۔ اور بلک بلک کر رونے لگی۔ کہتی تھی کہ اے بابا جان اگر آپ نے ہمیں یہاں اکیلا ہی چھوڑ جانا ہے۔ تو پھر ہمیں اپنے نانا جان کے روضہ پر پہنچا آئیے۔ یہاں ہمیں کون پوچھے گا۔ اور اے بابا جان

مجھے اپنی چھاتی پر رات کو کون سلائے گا۔ یہ باتیں اس نورِ دیدہ کی سن کر آپ زار زار روتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ اے بیٹی اس وقت تمہارا رونا مجھے بہت شاق ہے۔ رو رو کر دل نہ کڑھاؤ۔ میرے جیتے جی اپنے آپ کو تباہ نہ کرو۔ ہاں جس وقت میں گزر جاؤں گا۔ پھر جس قدر جی چاہے رو لینا۔ اے بیٹی تیرے رونے سے مجھے اذیت ہوتی ہے۔ پس آپ نے جب بیٹی کو سینہ سے لپٹا لیا تو وہ معصومہ اور بھی رونے لگی۔ آپ نے ہر طرح سے تشفی و دلاسہ دیا۔ یہ دیکھ کر بی بیاں روتی جاتی تھیں۔ اور ؎

نوحہ

شاہ کہتے تھے بس زیادہ نہ غم کھاؤ سکینہؑ — ماں باپ میری گود سے اب جاؤ سکینہؑ
ماں باپ کبھی کے بھلا بیٹھی ہے میں — اطفال سے دل کھیل کے بہلاؤ سکینہؑ
میں کہتا تھا کہ مجھ سے تو الفت نہ زیادہ — ایسا نہ ہو اک روز کو پچھتاؤ سکینہؑ
رو رو کے کیوں جان کو یوں کھوتی ہے بیٹی — بابا کو دمِ مرگ نہ رلواؤ سکینہؑ
خوش ہے مجھے کانوں کا لے میری پیاری — تو بالیاں تم ہاتھ پہ بڑھاؤ سکینہؑ
شہزادی مری ننھے سے ہاتھوں کو اٹھا کر — ذاکر کو قیامت میں بھی بخشاؤ سکینہؑ

رباعی

باغِ فردوس پہ لم یزلی لکھا ہے — ڈالی ڈالی پہ محمدؐ و علیؑ لکھا ہے
سبز پتوں پہ حسنؑ اور کلی پہ زہراؑ — سرخ پھولوں پہ حسینؑ ابنِ علیؑ لکھا ہے

چھٹی مجلس

معرفتِ امام حق و باطل اور فضائل جنابِ امیرؑ وداع ہونا جنابِ امام حسینؑ کا قبرِ جنابِ رسولِ خدا و فاطمہ زہراؑ و حسنؑ مجتبیٰ سے تیاری سفر

قال اللہ تعالیٰ فی کتابہ المجید و فرقانِ الحمید۔ یوم ندعوا کل اناس بامامہم ارشاد باری ہے۔ کہ بروزِ قیامت کل نفوس اپنے اپنے امام کے ساتھ پکارے جائیں گے یعنی ان کا حشر و نشر اپنے اپنے امام کے ساتھ ہوگا۔ مگر امام دو قسم کے ذاتِ باری نے بتلائے ہیں۔ ایک تو وہ امام ہیں جو لوگوں کو دوزخ میں لیجائیں گے۔ اور ایک وہ ہیں جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں وجعلناھم ائمۃ یدعون علی النار اور وہ امام جنت میں لیجائینگے۔ ہمیں خدا کا ہزار ہزار شکر کرنا چاہیئے کہ ہمیں ایسا امام ملا ہے۔ کہ جس پر عصمت طہارت کو بھی فخر ہے اور جس کا مولد کعبہ و مقتل مسجد دونوں ہی خدا کے گھر کسی شاعر نے جنابِ امیر کے متعلق کیا خوب کہا ہے ؎

لی من اللہ امام قرشی عربی — طیب المولد والنسل کعز النبی

ترجمہ۔ اللہ نے ہمیں ایسا امام قُرشی اور عربی دیا ہے کہ جس کی جائے ولادت پاک اور پاکیزہ اور نقب عزت والا ہے۔

جَمَعَ اللّٰہُ لَہٗ مِنْ شَرَفٍ اَوْ فَضَلاً مَا بِہٖ خَصَّ سِوٰی اَحْمَدَ مِنْ کُلِّ نَبِیٍّ

جمع کیا گیا شرف اور فضائل سے جناب امیرؑ کے لئے جو سب انبیاء کو دیا گیا تھا ماسوائے محمد مصطفےٰؐ کے۔

آدَمُ قَدْ اَکَلَ الْحِنْطَۃَ وَاللّٰہُ نَہٰی وَعَلِیٌّ تَرَکَ الْاَکْلَ لِمَقْصَدِ الْقُرْبِیِّ

حضرتِ آدمؑ سے باوجود منع کرنے کے استعمال گندم ہو ہی گیا اور جناب علی علیہ السلام حالانکہ ممنوع نہ تھے مگر آپ نے واسطے خوشنودیٔ خدا۔ تمام عمر نانِ جویں پر اکتفا و قناعت کی۔

خَافَ مُوْسٰی حِبَالٌ وَعَصًی مِنْہُ قَتَلَ الْحَیَّۃَ یَوْمًا ہُوَ فِی الْمَھْدِ الصَّبِیِّ

خائف ہوئے جناب موسیٰؑ لکڑیوں اور رسیوں سے کہ وہ محض شعبدہ فرعون تھا اور حضرت علیؑ نے گہوارہ میں بچپنی کی حالت میں سانپ کو دو ٹکڑے کر دیا۔

وَسُلَیْمَانُ دَعَی اللّٰہَ لِمُلْکٍ فَانٍ وَعَلِیٌّ طَلَبَ الْفَقْرَ رِضًا بِالْعَیْشِ

جناب سلیمانؑ درگاہِ خدا سے طالب ملکِ فانی ہوئے اور جنابِ علیؑ نے فقر و فاقہ کی طرف خوشی سے رغبت کی۔

فَاِذَا اَیُّوْبُ وَیَعْقُوْبُ بِمَنْ قَائِمُھَا وَنُبُوَّۃٌ فَقَدَ سَلْطَنَۃً لَمْ تُوْہَبْ

جناب ایوبؑ و یعقوبؑ و نوحؑ سے جو چیزیں فوت ہوئی تھیں۔ قدرت

نے انہیں دوبارہ پھیر دیں مگر جنابِ امیر کی سلطنت ایسی میدان کربلا میں لُٹی۔ کہ جس نے پھر رجوع نہ کی۔

دُرِ یگانہ مجمع البحرین بخون طپیدہ کرب و بلا امام حسینؑ

چنانچہ حضرات۔ جب ہمارے آقا امام حسین علیہ السلام ولید کے مکان سے واپس آئے۔ تو آپ نے تہیہ سفر کا کیا۔ اور واسطے رُخصت کے پہلے شب کی تاریکی میں اپنے نانا کی مزارِ مقدس پر تشریف لے گئے۔ تعویذ پر پہنچکر پہلے سلام عرض کیا پھر مزارِ مقدس سے لپٹ کر عرض کرنے لگے۔ کہ اے نانا جان۔ اِس وقت حسینؑ آپ کے دوشِ مُبارک پر سوار ہونے کو نہیں آیا۔ بلکہ اس لئے آیا ہوں۔ کہ آپکے بعد آپ کی اُمت نے ہمیں چھوڑ دیا۔ اور اب حسین سے آپ کی مزارِ مقدس پر بیٹھنے نہیں دیتے۔ اِس لئے آپ مجھے اپنی قبر میں ساتھ لے لیجئے۔ دُنیا سے بہت تنگ ہوں۔ یہ کلمات مزارِ مقدس پر فرما ہی رہے تھے کہ غنودگی آپ پر طاری ہوئی۔ کیا دیکھا کہ جنابِ سالتمآب بچشم پُر آب نانا سے ارشاد کر رہے ہیں۔ کہ اے بیٹا حسینؑ۔ اِن مصیبتوں کو جھیلو اور صبر سے مقابلہ کرو۔ نانا کی رُوح تمہارے ساتھ ساتھ رہے گی۔ اِس کے بعد دائمی راحت ہے۔ الغرض جناب سیّد الشہداء نانا کی مزار سے رُخصت ہوکر اپنی ماں جناب سیدہ فاطمہ زہرا کی قبر مُبارک پر تشریف لائے اور بعد ادبِ سلام عرض پرداز ہوئے۔ کہ اے مادرِ گرامی آج تمہارا لاڈلا حسینؑ جس کو

آپ نے چکیاں پیس پیس کر پالا تھا دُنیا سے تنگ ہوکر عازم سفر ہے۔ آپ کی جُدائی نہایت شاق ہے۔ کیا کروں اِس اُمتِ بے دین نے مجھے بہت تنگ کیا ہُوا ہے۔ یہ کلمات سُن کر مزار سیدہ کانپ اُٹھی اور بیٹے کو دُعائیں دے کر رُخصت کیا۔ اور فرمایا اے حسینؑ جہاں جاؤ گے تُمہاری ماں کی رُوح بھی تُمہارے ساتھ ہوگی۔ گھبرانا نہیں۔ یہ کہہ کر بیٹے کو رُخصت کیا۔ پھر آپ اپنے برادر حسنؑ سبز قبا سے رُخصت ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے کمرِ ہمت مضبوط باندھی حضرت امام حسین علیہ السّلام نے اِسلام پر بہت بڑا احسان کیا۔ اگر حضرت اپنی اور اپنے اعزہ کی گرانقدر قُربانیاں پیش نہ کرتے۔ تو دُنیا بہت جلد دیکھ لیتی کہ دینِ اِسلام کی کیا حالت ہوگئی ہے۔ بلکہ باقی ادیان کے سامنے اِسلام ایک مضحکہ خیز مذہب بن جاتا۔ مگر ہمارے آقا حسینؑ کے دِل میں دینِ خُدا کا ایک سچا درد تھا ان کے نانا نے اِسی دینِ اِسلام کی خاطر تیس برس طرح طرح کی اذیتیں برداشت کیں۔ پس جب آپ نے دیکھا۔ کہ یزید بدکار کی حکومت۔ دینِ الٰہی کو برباد کر رہی ہے۔ اور حلالِ مُحمّدی کو حرام اور حرامِ مُحمّدی کو حلال کیا جا رہا ہے۔ تو آپ سے ضبط نہ ہو سکا اور حمایت دین کے لئے سر پر کفن باندھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور تمام دُنیا کی مصیبتوں کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوگئے۔ کیونکہ آپ جانتے تھے۔ کہ جب تک پُوری طاقت کے ساتھ یزید لعین کا مقابلہ نہ کیا جائے گا۔ اِسلام نہیں بچ سکے گا۔ پس

راویانِ اخبار لکھتے ہیں۔ کہ جب آپ نے مدینہ سے روانگی کا قصد کیا۔ تو بنی ہاشم میں ایک عجب طرح کا کہرام بپا ہوگیا۔ ہر دل اِس درد سے بے چین نظر آتا تھا۔ پس جب حضرت رُخصت آخری کے لئے جنابِ اُم سلمہؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو انہوں نے بے اختیار آپ کے گلے میں باہیں ڈالدیں۔ اور رو رو کر فرمانے لگیں۔ اے فرزند سُنتی ہُوں۔ کہ تمہارا ارادہ عراق کی طرف جانے کا ہے۔ جبسے یہ خبر سُنی ہے کلیجہ مُنہ کو چلا آتا ہے۔ کیونکہ میں تمہارے نانا رسُول خُدا سے سُن چکی ہوں۔ کہ میرا فرزند حسینؑ سرزمین عراق پر قتل کیا جائیگا۔ آنحضرتؐ نے ایک دِن مجھے تھوڑی سی خاک بھی دی تھی اور فرمایا تھا اے اُم سلمہؓ یہ مقتل حسینؑ کی خاک ہے اِس کو بحفاظت تمام اپنے پاس رکھنا جس روز یہ سُرخ ہوجائے سمجھ لینا کہ میرا پارۂ جگر حسینؑ شہید ہوگیا۔ بیٹا میں نے اِس خاک کو بحفاظت ایک شیشہ میں رکھ چھوڑا ہے۔ میں سمجھتی ہُوں آنحضرتؐ کی پیشینگوئی کے پُورا ہونے کا وقت آگیا۔ اے حسین اِس غم میں میرا عجب حال ہے۔ کسی طرح میرا دل تمہاری مفارقت گوارا نہیں کرتا۔ حضرت نے فرمایا۔ اے نانی جان جو خُدا کی مرضی ہے۔ وُہ ہو کر رہے گی میں اِس سفر میں ضرور شہید ہو کر رہوں گا۔ اور میرے اہلبیت در بدر اسیر ہو کر رہیں گے۔ میرا گھر لُوٹا جائے گا میں اور میرے تمام عزیز و انصار مثل گوسفند قُربانی تین دِن کے بھُوکے پیاسے فرات کے کنارے شہید کئے جائیں گے۔ اے نانی جان آئیے میں آپ کو

اپنی قتل گاہ کا منظر دکھاؤں۔ یہ فرما کر حضرت نے اپنی دونوں اُنگلیوں کے درمیان نظر کرنے کو کہا۔ آہ آہ اب کیا تھا۔ جونہیں جنابِ اُمِّ سلمہؓ نے دیکھا۔ تو وہ قیامت کا منظر نظر آیا۔ کہ تابِ ضبط نہ رہی بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ انہوں نے دیکھا کہ جا بجا کچھ شہید سر کٹائے خُون میں نہائے پڑے ہیں۔ اور لاشے اُن کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہو چکے ہیں اور جو خیمے ریتی پہ نصب ہیں۔ ان میں آگ لگی ہوئی ہے۔ کچھ بی بیاں سر برہنہ عالمِ بدحواسی میں ہر طرف کو بھاگ رہی ہیں۔ اور ان بے کسوں کا کوئی پُرسانِ حال نہیں۔ الغرض جب جنابِ اُمِّ سلمہؓ ہوش میں آئیں۔ تو حضرت امام حسینؑ نے وُہ تمام امانتیں اور تبرکات جو جنابِ رسُولِ خداؐ نے جنابِ امیرؑ کے سپرد فرمائے تھے اور ان جناب سے حضرت تک پہنچے تھے۔ سب جنابِ اُمِّ سلمہ کے سپرد کر کے فرمایا۔ کہ بعد میری شہادت کے جب میرے اہلبیت پھر کر مدینہ آئیں تو یہ سب چیزیں میرے فرزند زین العابدینؑ کے سپرد کر دینا۔ کیونکہ میرے بعد وہی میرے وصی اور جانشین ہیں۔ یہ کہہ کر جنابِ سیّد الشہداؑ نے اپنے برادر حق شناس جناب عباسؑ کو اپنی حضوری میں طلب فرمایا۔ اور کہا کہ اے عباسؑ اب سفر کی تیاری میں مصروف ہو جاؤ اور سب سے پہلے ایک فہرست تیار کرو۔ اُن جو جو ہمارے ہمراہ اس سفر میں جانے والے ہیں۔ ان کے نام لکھو۔ تاکہ سواریوں کا انتظام مکمل ہو سکے۔ پس فوراً یہ حکم سُن کر جناب عباسؑ فہرست

تیار کرنے لگے۔ سب سے پہلے آپ نے بسم اللہ لکھ کر نصرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ لکھا۔ جنابِ امام حسینؑ نے جب یہ جملہ پڑھا تو کہا۔ کہ اے عباسؑ تُم نے نصرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ کیوں لکھا یا ہم کوئی مُلک فتح کرنے نہیں جا رہے ہیں۔ بلکہ ہم تو دین اسلام کی خاطر سر کٹانے جا رہے ہیں۔ پس آپ نے وُہ کلمہ کاٹ کر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ لکھا۔ راوی ناقل ہے کہ جب تمام فہرست تیار ہو چکی۔ تو اِس فہرست میں ایک جنابِ فاطمہ صغراؑ جو کہ اُس وقت بیمار تھیں اور دُوسرے جنابِ زینبؑ کا نام بھی درج نہیں تھا۔ جنابِ زینبؑ نے جب سُنا تو روتی ہوئی اپنے ماں جائے کے پاس تشریف لائیں اور کہا۔ کہ اے بھائی آپ مجھے ہمراہ کیوں نہیں لے جاتے۔ فرمایا آپ نے کہ اے زینب جب تک تُم اپنے شوہر جناب عبداللہ سے اجازت حاصل نہ کرو میرے ہمراہ نہیں جا سکتیں۔ حضرت عبداللہ شوہر جنابِ زینب اُن ایام میں بسترِ علالت پر پڑے ہوئے تھے۔ پس جنابِ زینب اُسی حالت میں خدمتِ جنابِ عبداللہ کے حاضر ہوئیں۔ دیکھا۔ کہ حضرت عبداللہ بستر پر لیٹے ہوئے ہیں۔ جنابِ زینب صلوٰۃ اللہ علیہا اپنے شوہر کے پاس آئیں۔ دل بے قرار تھا ؎

جب حضرت عبداللہ نے زینب کو جو دیکھا   تھیں خاک پہ بیٹھی ہوئیں وا حسرتا و دردا
پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے، دُخترِ زہراؑ   آنسو ہیں رواں چہرے پہ کیا غم تمہیں پیدا

زینبؑ نے کہا سفر کو تیار ہیں شبیرؑ
مر جائیگی بے ان کے یہاں زینبؑ دلگیر
سرتاج میرے حال طبیعت کا کیا ہے   بیماری سے کچھ آج افاقہ بھی ہوا ہے
فرمایا یہ عبداللہ نے حالت ہے بدستور
قُدرت کو جو منظور ہو انسان ہے مجبور

پس یہ سُن کر جنابِ زینبؑ نے فرمایا۔ کہ اے والی میرے۔ یہ زینب آج تمہاری بھکاری بن کے آئی ہے۔ اگر ناگوارِ خاطر نہ ہو۔ تو مجھے اجازت دیجئے۔ کہ اپنے ماں جائے کے ہمراہ سفر میں جاتی رہوں ؎

اے والی ہے اِک عرض یہ خدمت میں تمہاری   ہر باپ کو اولاد بہت ہوتی ہے پیاری
اولاد بھی اور مال بھی دے جائیگی زینبؑ
اِک جان فقط صدقے کو لے جائیگی زینبؑ

اللہ اللہ جس وقت حضرتِ عبداللہ نے جنابِ زینبؑ سے یہ کلمات سُنے تو فرمایا۔ کہ اے زینب ایسی باتیں کیوں کرتی ہو۔ میں تو اپنی قسمت پر نالاں ہوں کہ بوجہ بیماری کے۔ اپنے آقا حسینؑ کے ساتھ نہیں جا سکتا۔ اور اِس سعادت سے محروم رہا جا رہا ہوں۔ اے دُخترِ زہراؑ تمہیں ہر طرح سے اجازت ہے۔ بلکہ جس جس چیز کی تمہیں ضرورت ہو۔ اپنے ساتھ لے جاؤ۔ زبانِ حضرت عبداللہ سے یہ سُن کر جنابِ زینبؑ اُٹھیں اور ایک صندوق کھول کر

ایک چادر اپنی ماں جنابِ فاطمہ زہراؑ کی نکالی جس میں جا بجا پیوند لگے ہوئے تھے۔ اور کہا کہ مجھے سفر میں یہی کافی ہے۔ اس کے بعد جنابِ زینب حضرت عبداللہ سے رُخصت ہو کر ہمراہ اپنے بھائی کے جانے کو تیار ہو گئیں ایک روایت میں یوں لکھا ہے۔ کہ جب حضرت نے مدینہ سے روانہ ہو کر ایک منزل پر مقام کیا۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ جنابِ عون و محمد پسرانِ حضرتِ زینبؑ قافلے کے ساتھ نہیں آئے۔ یہ خبر سُن کر جنابِ زینبؑ کے دل پر سخت صدمہ ہوا کہتی تھیں۔ کہ اگر انہیں میری محبت ہوتی تو وُہ ساتھ کیوں نہ آتے ان سے تو غیر اچھے جو میرے بھائی کے ساتھ اِس وقت اپنے اہل و عیال چھوڑ کر آئے ہیں۔ زینبؑ کی تقاریہ جو مرضیٔ داور۔ ابھی جناب زینب اپنے دِل میں یہ کہہ رہی تھیں ؎

گھوڑوں کو نکالے ہوئے پہلے ہوئے لشکر   ہالے میں چمکتے ہوئے دو چاند برابر
پہنچے جو نہیں نزدیک وُہ جوانانِ مہ لقا   تھیں گرد میں غم چہرو نکو دیکھا ہو چکے گھر

حیرت میں نظر سب کی ہوئی عرشِ بریں پر
ہیں شمس و قمر آج فلک پر کہ زمین پر

اُس وقت ہُوا قافلہ میں شور نمودار   ہیں عون و محمد پسرِ زینبؑ غم خوار
اکبر نے کیا جا کے پھوپھی جان سے اظہار   شکوہ نہ کریں آگئے ہیں آپ کے دلدار
غصّہ میں بھری بیٹھی تھی کہنے لگی زینبؑ   ماں آگئی تجلا ہے کہ کہنے لگی زینبؑ

اتنے میں عون و محمد قریب اپنی والدہ ماجدہ کے تشریف لائے اور آداب و سلام بجا لائے۔ جناب زینبؑ نے دونوں کو دیکھ کر مُنہ اپنا غُصّے سے پھرا لیا۔ تب بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی سے کہا۔ کہ اماں جان ہم سے ناراض ہیں۔ انہیں کیا خبر کہ ہمیں کون سی مصیبت درپیش آئی۔ تب ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ کہ اے اماں جان آپ ہم سے ناحق خفا ہیں۔ ہم کیا کرتے بابا جان کو غش پہ غش آتے تھے۔ ہم ان سے اجازت کے طلبگار تھے۔ جب اُن کو کچھ افاقہ ہُوا۔ تو ہم نے وُہ کاغذ جس پر ہمیں ماموں جان کے قدوم میمنت لزوم پر نثار ہونے کی خوشی تھی پیش کیا۔ اِس لئے ہمیں آنے میں دیر ہوئی۔ پس وُہ کاغذ جناب عون و محمد نے اپنی مادرِ گرامی کے پیش کیا۔ جس کو حضرتِ زینبؑ پڑھنے لگیں ؎

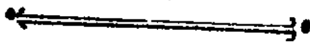
تھی لکھی ہوئی کانپتے ہاتھوں کی یہ تحریر　　بیماری سے مجبور رہے وابستۂ تقدیر
ورنہ میں فدا آپ پہ ہوتا شدہ دلگیر　　بیٹے میرے آتے ہیں فدا ہونے کو شبیرؑ

جو دِل میں تمنّا تھی انہوں نے وُہ بڑھا دی
زینبؑ کی رضا چاہیئے ہم نے تو رضا دی

اللہ اللہ! جس وقت حضرتِ زینبؑ نے یہ تحریر دیکھی تو جوشِ مہرِ مادری سے اُچھل پڑیں اور اِس وقت اپنے ماں جائے جناب امام حسینؑ کو آواز دی۔ کہ اے بھیّا ؎

اِس وقت رفیق آپ کے ہو جائیں کنارے　　زینبؑ کو پیار آیا غُلاموں پہ تمہارے
گُلپوش ہوئے سُن کے صدا سارے کے سارے　　گودی میں لیا زینبؑ مغموم نے بارے

دیکھی یہ وِلا بیٹیوں پہ شہ نے یہ بہن کی
لیتی تھیں بلائیں اِدھر اِنکی اُدھر اُن کی



ساتویں مجلس

ثواب پانی پلانے کا اور روانگی امام حسینؑ از مدینہ منوّرہ و جُدائی فاطمہ صُغرا دُخترِ آنجناب

فرمایا جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے۔ کہ پانی پلانا کسی بندۂ مومن کو حالتِ تشنگی میں ثوابِ عظیم رکھتا ہے۔ اور بروزِ قیامت جب ہر ایک نفوس شدتِ پیاس سے جاں بلب ہوگا۔ تو وُہ شخص جس نے کسی پیاسے جگر کو سیراب کیا ہوگا۔ وُہ حوضِ کوثر سے سیراب ہوگا۔ اور خنداں ہوگا۔ مگر افسوس کہ کیسے تھے وُہ کلمہ گو۔ کہ جنھوں نے اپنے نبی کے نواسے کو عین موسمِ گرما میں جب کہ پرندے بھی اپنا آشیانہ نہیں چھوڑتے۔ بی بیوں اور بچوں سمیت آوارہ وطن کیا۔ جس وقت حضرت نے مدینہ سے کوُچ کیا۔ تو ان دنوں میں جناب فاطمہ صغرا دُخترِ امام حسین علیہ السلام نہایت علیل تھیں اور سفر کے قابل نہ تھیں۔ بُخار سے کسی وقت اس کو فراغت نہ ہوتی تھی۔ بہت نحیف و نزار ہو چکی تھی۔ جناب سیّد الشہدا نے اس کو اپنے ہمراہ اِتنے دُور و دراز سفر میں ساتھ لے جانا مناسب نہ سمجھا۔ مگر تمام مخدّراتِ

عصمت و طہارت فراقِ فاطمہ صغرا سے بیتاب تھیں۔ خصوصاً جناب شہربانو کو چین نہ آتا تھا۔ کہ ناگاہ سواریاں درِ خیمہ پر حاضر ہوگئیں۔ جناب سکینہ نے کہا کہ اے اماں جان۔ اب میرے چچا عباسؑ محمل و ہودج لے کر حاضر ہوگئے ہیں ؎

سُن کر یہ سخن بانوئے ناشاد پکاری　　میں لُٹتی ہوں کیسا یہ سفر کیسی سواری
غش ہوگئی ہے فاطمہ صغرا میری پیاری　　بیکس کے لئے کرتے ہیں سب گریہ و زاری

اب کس پہ میں اِس صاحبِ آزار کو چھوڑوں
اِس حال میں کس طرح میں بیمار کو چھوڑوں

سُن کر یہ سخن شاہ کے آنسو نکل آئے　　بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے
مُنہ دیکھ کے بانو کا سُخن لب پہ یہ لائے　　کیا ضُعف و نقاہت ہے خُدا اسکو بچائے

جس صاحبِ آزار کا یہ حال ہو گھر میں
واللہ میں کیوں کر اُسے لیجاؤں سفر میں

پس یہ کہہ کر بیمار کے سرہانے بیٹھ گئے۔ اور سورۂ الحمد پڑھ کر دم کرنے لگے۔ کہ ناگاہ بیمار صغرا کی آنکھ کھُلی۔ تو اپنے سرہانے اپنے پدرِ بزرگوار کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ مگر حضرت سیّد الشہدا کے آنسو بہ فرطِ محبت گر پڑے۔ اِتنے میں جناب بانو سے فاطمہ صغرا نے کہا۔ کہ اے مادرِ مہربان بابا جان کس وجہ اشکبار ہیں۔ ماں نے کہا۔ کہ اے بیٹی اب تم سے

جُدائی کا وقت عنقریب آگیا۔ ہم تمہیں سپُردِ خُدا کر کے جاتے ہیں۔ جونہیں بیمار نے یہ سُنا۔ تو ایک تیرِ غم دِل پر لگا۔ جس سے فاطمہ صغرا بے ہوش ہو گئیں۔ یہ حالت دیکھ کر زینبؑ و کلثومؑ بھی بے تاب ہو کر رونے لگیں۔ پس فاطمہ صغرا کو جب غش سے کچھ آفاقہ ہوا۔ تو اپنے بابا سے کہنے لگیں۔ کہ اے مسیحائے زماں مجھے اکیلے اس گھر میں کیسے چین آئیگا۔ فرمایا سید الشہداء نے کہ اے بیٹی صغرا میں مجبور ہوں۔ دُور و دراز کا سفر ہے جنگل میں کہیں کھانے کا انتظام نہ پانی کی امید ہے۔ اور تمہاری یہ حالت ہے۔ اس لئے تمہیں میں کس طرح ساتھ لے جاؤں یہ سُن کر ؎

صغرا نے کہا کھانے سے خود ہے مجھے انکار | پانی جو کہیں راہ میں مانگوں تو گنہگار
کچھ بھوک کا شکوہ نہیں کرنے کی میں زنہار | کافی ہے فقط آپکا ہی شربتِ دیدار

گرمی میں بھی راحت سے گزر جائے گی بابا
آئے گا پسینہ تب اُتر جائے گی بابا

اے بابا کسی کی دِل آزاری نہ کروں گی اور خود ہی اپنی دوا بنا کر پی لونگی اور دن بھر میرا ننھا بھیا علی اصغر میری گود میں رہے گا۔ میرا دِل بہل جائیگا۔ ماسوا اس کے ؎

میں یہ نہیں کہتی کہ عماری میں بٹھا دو
بابا مجھے فضہ کی سواری میں بٹھا دو

یہ سُن کر آپ نے فرمایا۔ کہ اے بیٹی تم اس راز سے آگاہ نہیں ہو مصلحت حق یہی ہے۔ تم گھبراؤ نہیں۔ تمہاری نانی جان اور مادرِ عباسؑ سر پر ہیں جب میں وہاں امن دیکھوں گا۔ تو تمہارے بھیا علی اکبر کو بھیج کر تمہیں منگوا لونگا۔ پس یہ کلمات زبانِ امام سے سُن کر وہ بیمار اپنی ماں کا مُنہ تکنے لگیں۔ فرمایا مادرِ غم خوار نے کہ اے صغرا تمہاری ماں مجبور ہے۔ تمہارے بابا جان ہی مختار ہیں اے بیٹی تقدیر سے کسی کا زور نہیں چلتا۔ تیری جدائی سے دِل نہایت بے چین ہے ؎

صغرا نے کہا کوئی کسی کا نہیں زنہار | سب کی یہی مرضی ہے کہ مر جائے یہ بیمار
اللہ وہ آنکھ کسی کی ہے نہ وہ پیار | اک ہم ہیں کہ ہیں سب پہ فدا سب کے ہیں غمخوار

بیزار ہیں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا
سچ ہے کوئی مُردہ سے مروت نہیں کرتا

آہ آہ جب بی بیوں کے سوار ہونے کا وقت آیا۔ تو پھر اہلِ حرم میں ایک کہرام بپا ہوا محلّہ اور کنبہ کی ایک ایک بی بی جناب زینبؑ و اُمِ کلثومؑ و رباب و رقیہ و سکینہ وغیرہ سے گلے مِل مِل کر اس کرب سے روتی تھیں۔ کہ دیکھنے والوں کا کلیجہ مُنہ کو آتا تھا۔ خاص کر جب اہلِ حرم فاطمہ صغرا کو رخصت کرنے لگے۔ اس وقت ایک ایک بی بی کی بے چینی کا عجب حال تھا ہر ایک دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی جناب فاطمہ صغرا ہر ایک بی بی کے

گلے میں بانہیں ڈال کر انتہائی منت و سماجت سے کہتی تھی خُدا کے لئے۔ اگر کوئی صورت ہو سکے۔ تو بابا جان سے سفارش کر کے مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو اس سُونے گھر میں تم لوگوں کی جُدائی سے میں بے موت مر جاؤں گی۔ سب بی بیاں دلاسہ دیتی تھیں۔ اور یہ آہ و زاری رخصت ہوتی جاتی تھیں۔ یہ جُدائی کوئی معمولی جُدائی نہ تھی۔ سب کے دِل ماہیِ بے آب کی طرح سینوں میں تڑپ رہے تھے۔ جب جنابِ صغرا اپنے ننھے بھائی شیر خوار علی اصغر سے وداع ہونے لگی۔ تو عجب قیامت خیز سماں تھا۔ اپنے ننھے بھائی کے مُنہ پہ مُنہ ملتی تھیں اور دھاڑیں مار مار کر روتی تھیں۔ اس کی یہ بے چینی کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ آخر کار سب بی بیاں رخصت ہو کر گھر سے نکلیں۔ جنابِ فاطمہ صغرا بھی عصا کے سہارے ان کے ساتھ ساتھ کنبہ کی روانگی دیکھنے کے لئے دروازہ تک پہنچیں۔ جناب عباسؑ اور جنابِ علی اکبرؑ نے ایک ایک بی بی کا بازو پکڑ کر بڑے اہتمام سے سوار کیا اور تاکید تھی۔ کہ کوئی نامحرم قریب نہ آنے پائے لوگوں نے اپنی اپنی دُکانیں بند کر دی تھیں۔ راہگیروں نے راستہ چھوڑ دیا تھا۔ چاروں طرف قناتیں کھنچی ہوئی تھیں۔ محملوں پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ آہ آہ مجھے یاد آگیا کہ ایک دن بعد شہادت مظلوم کربلا یہی بی بیاں ننگے سر باحالِ پریشان بے کجاوہ اونٹوں پر سوار بازار کوفہ و شام میں پھرائی

جا رہی تھیں۔ الغرض جب سب بی بیاں سوار ہو چکیں اور یہ قافلہ وہاں سے چلا تو لوگوں نے دیکھا۔ کہ بیمار صغرا نہایت بے چینی کے ساتھ پیچھے پیچھے چلی آ رہی ہے۔ اور فریاد کر رہی ہے۔ بابا جان خدا کے واسطے ذرا دیر اور ٹھہر و کہ میں ایک بار اپنے چھوٹے بھیا علی اصغر کو رخصت کر لوں۔ مجھے اپنی زندگی کی اُمید نہیں۔ خدا جانے پھر ان کا دیدار نصیب ہو گا یا نہ ہو گا۔ امام حسین علیہ السلام نے حکم دیا کہ اونٹوں کو روک دو۔ جب بی بیوں کو معلوم ہوا۔ کہ فاطمہ صغرا پیچھے پیچھے چلی آ رہی ہے۔ تو سب بے تابانہ اونٹوں سے اُتر پڑیں۔ اور پھر ہر ایک بی بی نے گلے مِل مِل کر تسلی دی۔ لکھا ہے۔ کہ جب فاطمہ صغرا علی اصغر سے رخصت ہونے کو آئیں۔ تو جناب رباب کی گود سے ان کو لے کر کہنے لگیں۔ اچھا بی بی اب آپ شوق سے تشریف لے جاویں میں اپنا دل اس سنسان گھر میں اپنے اس ننھے منھے بھیا سے بہلاؤں گی، یہ میرا مونس تنہائی ہو گا۔ اس سے میرا دِل ہجراں رسیدہ تسلی پائے گا۔ یہ سُن کر جناب رباب نے فرمایا۔ بیٹی یہ شیر خوار بچہ بغیر ماں کے کیونکر رہ سکتا ہے۔ عرض کی فاطمہ صغرا نے اماں جان آپ اس کی فکر نہ کریں۔ میں زنانِ بنی ہاشم کا دودھ پلوا کر پرورش کر لونگی۔ یہ سُن کر سب بی بیاں فاطمہ صغرا کو سمجھانے لگیں لیکن وہ کسی طرح حضرت علی اصغر کو اپنی گود سے جُدا نہ کرتی تھیں آخر جب زیادہ زور دیا گیا۔ تو کہنے لگیں۔ اچھا بی بیو مجھ سے میرے ننھے بھیا

کو جبراً نہ لو اگر وہ کسی کی گود میں خوشی سے چلا جائے۔ تو پھر میں کچھ نہ کہونگی۔ یہ سن کر ہر ایک بی بی علی اصغر کو لینے کے لئے بڑھی۔ لیکن علی اصغر نے کسی کی طرف رُخ نہ کیا۔ اور بدستور اپنی بیمار بہن سے لپٹے رہے۔ آہ آہ علی اصغر کیوں کر اپنی بیمار بہن سے لپٹے نہ رہتے۔ جبکہ انہیں دوبارہ ملنے کی آس نہ تھی آخر کار جب ہر ایک بی بی اپنی اپنی کوشش سے ناکامیاب ہوئی تو امام حسین علیہ السلام آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے خود علی اصغر کے پاس تشریف لائے۔ اور جھک کر کچھ اس معصوم کے کان میں کہا۔ کہ فوراً علی اصغر فاطمہ صغرا کو چھوڑ کر اپنی ماں کی گود میں آگئے۔ غالباً آپ نے یہی کہا ہوگا۔ کہ اے بیٹا یا تو اپنی بیمار بہن کے پاس رہو۔ یا میدانِ کربلا میں شہید ہوکر شہادت کا درجہ حاصل کرو۔ یہ کلمات سن کر علی اصغر شوقِ شہادت میں گود کر اپنی ماں کی گود میں آگئے۔ اب فاطمہ صغرا کا رہا سہا سہارا ٹوٹ گیا اور ناامید ہو کر رہ گئیں۔ پس اتنے میں قافلہ رخصت ہوگیا۔ اور بیمار فاطمہ صغرا اپنے کنبہ کو جب تک نظر سے اوجھل نہ ہوا۔ دیکھتیں رہیں اسکے بعد غش کھا کر زمین پر گر پڑیں ؎

اے حیدری اب ختم کرو غم کی کہانی — مرجانے کو صغرا کے کہتی تھی یہ نانی
تو صابرہ کی پوتی ہے، صابر کی نشانی — حل مشکلیں سب صبر سے ہو جائیں گی میری جانی
ہے ضعف و نقاہت چلو گھر فاطمہ صغرا — کیا دخل کسی بشر کا جو مرضی اللہ

آٹھویں مجلس

مکہ معظمہ سے جناب سید الشہدا کی روانگی و داخلہ کربلائے معلےٰ

قال اللہ تعالیٰ فی کتابہ المجید و فرقان الحمید ولا تحسبن اللہ غافلا عما یعمل الظالمون۔ انما یؤخرھم لیوم تشخص فیہ الابصار (ترجمہ) حق سبحانہ و تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ کہ جو لوگ ظلم کرتے ہیں ان کے ظلم سے خدا کو غافل نہ سمجھو۔ بتحقیق کہ خداوند عالم ان کو عذاب سے دنیا میں مہلت دیتا ہے۔ اور موخر کرتا ہے۔ اس روز کے لئے جس روز آنکھیں ہول قیامت سے کھلی ہوں گی۔ اور پھر ارشاد فرماتا ہے وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون اور قریب ہے۔ کہ جو لوگ ظلم کرتے ہیں۔ وہ جان لینگے۔ اس بات کو۔ کہ آخرت میں کس کس عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ کافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آں حضرت نے فرمایا ظلم کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ ہے۔ جسے خداوند عالم بخش دیتا ہے۔ اور دوسرے وہ ہے جسے نہیں بخشتا۔ اور تیسری قسم وہ ہے جسے نہیں چھوڑتا اور اس کا مواخذہ کرتا ہے۔ لیکن وہ ظلم جسے نہیں بخشتا وہ شرک ہے۔ اور وہ ظلم جسے بخش دیتا ہے وہ ہے جو ما بین خود و خدا گناہ کرے

اور اپنے نفس پر ظلم کرے۔ اور تیسری قسم ظلم کی جس کے مواخذہ کو خدا ترک نہیں کرتا۔ وہ بندوں کا ایک دوسرے پر ظلم کرنا ہے۔ اور حقوقِ عباد کا مظلمہ اپنے ذمہ میں رکھنا ہے۔ پھر اسی کتاب میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ کہ رسولِ خدا نے فرمایا۔ کہ تم لوگ پرہیز کرو ظلم کرنے سے کیونکہ ظلم ظلمات ہے روزِ قیامت میں یعنی ظالم کے لئے عرصاتِ محشر میں تاریکیاں پیدا ہو جائیں گی۔ اللہ اکبر کسی پر ظلم کرنے سے باز رکھنے کے لئے کس قدر تہدید فرمائی ہے۔ مگر مومنین وہ لوگ کیسے مسلمان تھے۔ جنھوں نے اپنے نبی کے نواسے مظلوم کربلا پر ظلم کئے۔ گھر میں چین سے رہنے نہ دیا۔ گرمی کے دنوں میں جبکہ جانور بھی اپنا آشیانہ نہیں چھوڑتے حضرت کو آوارہ وطن کیا۔ فوادِ حسینیہ میں لکھا ہے۔ کہ جب جناب حسین علیہ السلام نے بطلبِ اہلِ کوفہ چاہا کہ کوفہ کی طرف روانہ ہوں تو اس وقت عبداللہ ابن عباس حاضر ہوئے۔ اور اس طرح سے عرض کرنے لگے۔ کہ یا ابن رسول اللہ کہاں کا قصد ہے۔ زمانہ خاندانِ رسالت سے برگشتہ ہو چکا ہے۔ کوئی بھی دوست نہیں معلوم ہوتا۔ حضرت کیوں عازمِ سفر ہوتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے کہا کہ اے عبداللہ کیا کرے وہ شخص جسکا کوئی ناصر مددگار نہ ہو۔ دوسرے اپنے نانا کے حکم کی کس طرح خلاف ورزی کر سکتا ہوں۔ یہ سن کر عبداللہ نے کہا۔ اگر یہی مرضی آپ کی ہے۔ تو ان بی بیوں اور بچوں کو ایسی گرمی میں ساتھ نہ لے جائیے۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا۔

کہ میں اپنے نانا جان کے حکم سے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ اور دوسرے یہ سب کے سب رسولِ خدا کی امانت ہیں۔ کسی کو ایسا میں نہیں پاتا ہوں کہ جس کے پاس انہیں چھوڑ جاؤں۔ اور تیسرے میرے اہلبیت بھی مجھ سے ایسے مانوس ہیں کہ جب تک میں زندہ ہوں کسی جگہ۔ کسی حال میں۔ کسی طرح جدا ہونا گوارا نہ کریں گے۔ ابھی حضرت ابن عباس سے یہ فرما رہے تھے ؎

اتنے میں پسِ خیمہ سے آواز یہ آئی ! — کیا مشورہ دیتے ہو انہیں شہ کے فدائی
زینب نہیں بن بھائی کے رہنے کی روائی — اماں کی وصیت ہے نہیں اس سے جدائی
اک بھائی ہے اور سر پہ نہیں سایہ پدر ہے
کیا جانتے ہیں آپ کہ یہ اور سفر ہے

یہ کلمات سن کر حضرت عبداللہ ابن عباس خاموش ہوگئے۔ بروایت سجاد اٹھائیسویں رجب کو حضرت معہ اہلبیت مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے۔ اور ماہ شعبان رمضان اور شوال اور ذیقعد تک مکہ میں رہے۔ مگر کبھی ایک دن بھی چین نہ پایا برابر خوفناک رہے۔ کہ اعدا کہیں خانہ خدا ہی میں شہید نہ کر دیں۔ چنانچہ جب یزید کو معلوم ہوا کہ امام حسین مدینہ سے مکہ میں آگئے ہیں۔ تو اس ملعون نے تیس آدمی حاجیوں کے لباس میں بھیجے۔ کہ حج کے بہانہ سے حالتِ طواف میں حضرت کو گرفتار کرلیں یا قتل کر ڈالیں۔ فرزند رسول نے خبر ہونے پر ارادہ حج ملتوی کر کے بغیر حج کے سفر عراق کیا۔ اور

کو جبراً نہ لو اگر وہ کسی کی گود میں خوشی سے چلا جائے۔ تو پھر میں کچھ نہ کہوں گی۔ یہ سن کر ہر ایک بی بی علی اصغر کو لینے کے لیے بڑھی۔ لیکن علی اصغر نے کسی کی طرف رخ نہ کیا۔ اور بدستور اپنی بیمار بہن سے پیٹے رہے۔ آہ آہ علی اصغر کیوں کر اپنی بیمار بہن سے پیٹے نہ رہتے۔ جبکہ انہیں دوبارہ ملنے کی آس نہ تھی آخر کار جب ہر ایک بی بی اپنی اپنی کوشش سے کامیاب نہ ہوئی تو امام حسین علیہ السلام آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے خود علی اصغر کے پاس تشریف لائے۔ اور جھک کر کچھ اس معصوم کے کان میں کہا۔ کہ فوراً علی اصغر فاطمہ صغرا کو چھوڑ کر اپنی ماں کی گود میں آگئے۔ غالباً آپ نے یہی کہا ہوگا۔ کہ اے بیٹا یا تو اپنی بیمار بہن کے پاس رہو۔ یا میدانِ کربلا میں شہید ہو کر شہادت کا درجہ حاصل کرو۔ یہ کلمات سن کر علی اصغر شوقِ شہادت میں کود کر اپنی ماں کی گود میں آگئے۔ اب فاطمہ صغرا کا رہا سہا سہارا ٹوٹ گیا اور نا امید ہو کر رہ گئیں۔ بس اتنے میں قافلہ رخصت ہوگیا۔ اور بیمار فاطمہ صغرا اپنے کنبہ کو جب تک نظر سے اوجھل نہ ہوا۔ دیکھتی رہیں اسکے بعد غش کھا کر زمین پر گر پڑیں ؎

اے حیدری اب ختم کرو غم کی کہانی	سر ہانے کھڑی صغرا کے کہتی تھی یہ نانی
تو صابرہ کی پوتی ہے، صابر کی نشانی	حل مشکلیں سب ہونگی بتا ہو گی مری جانی
ہے ضعف و نقاہت چلو گھر فاطمہ صغرا	کیا دخل کسی بشر کا جو مرضی اللہ

آٹھویں مجلس

مکۂ معظمہ سے جناب سید الشہدا کی روانگی و داخلہ کربلائے معلّےٰ

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ فی کتابہ المجید و فرقانِ الحمید وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ (ترجمہ) حق سبحانہ و تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ کہ جو لوگ ظلم کرتے ہیں ان کے ظلم سے خدا کو غافل نہ سمجھو۔ بتحقیق کہ خداوند عالم ان کو عذاب سے دنیا میں مہلت دیتا ہے۔ اور موخر کرتا ہے۔ اس روز کے لیے جس روز آنکھیں ہول قیامت سے کھلی ہوں گی۔ اور پھر ارشاد فرماتا ہے وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ اور قریب ہے۔ کہ جو لوگ ظلم کرتے ہیں۔ وہ جان لینگے۔ اس بات کو۔ کہ آخرت میں کس کس عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ کافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آں حضرت نے فرمایا ظلم کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ ہے۔ جسے خداوند عالم بخش دیتا ہے۔ اور دوسرے وہ ہے جسے نہیں بخشتا۔ اور تیسری قسم وہ ہے جسے نہیں چھوڑتا اور اس کا مواخذہ کرتا ہے۔ لیکن وہ ظلم جسے نہیں بخشتا وہ شرک ہے۔ اور وہ ظلم جسے بخش دیتا ہے وہ یہ ہے جو مابین خود و خدا گناہ کرے

اور اپنے نفس پر ظلم کرے۔ اور تیسری قسم ظلم کی جس کے مواخذہ کو خدا ترک نہیں کرتا۔ وہ بندوں کا ایک دوسرے پر ظلم کرنا ہے۔ اور حقوقِ عباد کا مظلمہ اپنے ذمہ میں رکھنا ہے۔ پھر اسی کتاب میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ کہ رسولِ خدا نے فرمایا۔ کہ تم لوگ پرہیز کرو۔ ظلم کرنے سے کیونکہ ظلم ظلمات ہے۔ روزِ قیامت میں یعنی ظالم کے لئے عرصاتِ محشر میں تاریکیاں پیدا ہو جائیں گی۔ اللہ اکبر کسی پر ظلم کرنے سے باز رکھنے کے لئے کس قدر تاکید فرمائی ہے۔ مگر مومنین وہ لوگ کیسے مسلمان تھے۔ جنھوں نے اپنے نبی کے نواسے مظلوم کربلا پر ظلم کئے۔ گھر میں چین سے رہنے نہ دیا۔ گرمی کے دنوں میں جبکہ جانور بھی اپنا آشیانہ نہیں چھوڑتے حضرت کو آوارہ وطن کیا۔ فوادِ حسینیہ میں لکھا ہے۔ کہ جب جناب حسین علیہ السلام نے بطلب اہل کوفہ چاہا کہ کوفہ کی طرف روانہ ہوں تو اس وقت عبداللہ ابن عباس حاضر ہوئے۔ اور اس طرح سے عرض کرنے لگے۔ کہ یا ابن رسول اللہ کہاں کا قصد ہے۔ زمانہ خاندانِ رسالت سے برگشتہ ہو چکا ہے۔ کوئی بھی دوست نہیں معلوم ہوتا۔ حضرت کیوں عازمِ سفر ہوتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے کہا کہ اے عبداللہ کیا کروں ایسے شخص جس کا کوئی ناصر مددگار نہ ہو۔ دوسرے اپنے نانا کے ظلم کی کس طرح خلافت رزی کر سکتا ہوں۔ یہ سن کر عبداللہ نے کہا۔ اگر یہی مرضی آپ کی ہے۔ تو ان بی بیوں اور بچوں کو ایسی گرمی میں ساتھ نہ لے جائیے۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا۔

کہ میں اپنے نانا جان کے حکم سے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ اور دوسرے یہ سب کے سب رسول خدا کی امانت ہیں۔ کسی کو ایسا امین نہیں پاتا ہوں کہ جس کے پاس انہیں چھوڑ جاؤں۔ اور تیسرے میرے اہلبیت بھی مجھ سے ایسے مانوس ہیں کہ جب تک میں زندہ ہوں کسی جگہ۔ کسی حال میں۔ کسی طرح جدا ہونا گوارا نہ کریں گے۔ ابھی حضرت ابن عباس سے یہ فرما رہے تھے ؎

اتنے میں پسِ خیمہ سے آواز یہ آئی !	کیا مشورہ دیتے ہو انہیں شوقِ فدائی
زینب نہیں رہ بھائی کے رہنے کی روادار	اماں کی وصیت کو نہیں ہے بھلائی

اک بھائی ہے اور سر پہ نہیں سایہ پدر ہے

کیا جانتے ہیں آپ کہ یہ اور سفر ہے

یہ کلمات سن کر حضرت عبداللہ ابن عباس خاموش ہو گئے۔ بروایت سجاد اٹھائیسویں رجب کو حضرت مع اہلبیت مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے۔ اور ماہِ شعبان و رمضان اور شوال اور ذیقعد تک مکہ میں رہے۔ مگر کبھی ایک دن بھی چین نہ پایا برابر خوفناک رہے۔ کہ اعدا کہیں خانہ خدا میں ہی شہید نہ کر دیں۔ چنانچہ جب یزید کو معلوم ہوا کہ امام حسین مدینہ سے مکہ میں آگئے ہیں۔ تو اس ملعون نے تیس آدمی حاجیوں کے لباس میں بھیجے۔ کہ حج کے بہانہ سے حالتِ طواف میں حضرت کو گرفتار کر لیں یا قتل کر ڈالیں۔ فرزندِ رسول نے خبر ہونے پر ارادہ حج ملتوی کر کے بغیر حج کے سفر عراق کیا۔ اور

آٹھویں ذوالحجہ کو جو روز ترویہ تھا محمد حنفیہ نے بوقت شب آن کر اہل کوفہ کی غداری بیان کی۔ مگر جناب سید الشہدا عازم سفر ہوئے اور چل پڑے۔ راوی کہتا ہے۔ کہ چلتے چلتے حضرت کا گھوڑا ایک مقام پر رک گیا۔ ہر چند آپ نے کوشش کی۔ مگر راہوار نے ذرا جنبش نہ کی۔ بلکہ ایک روایت میں اس طرح لکھا ہے۔ کہ آپ نے اس مقام پر چھ گھوڑے تبدیل کئے۔ مگر ایک نے بھی قدم نہ اُٹھایا۔ تب حضرت اِس مقام پر اُتر پڑے اور وہاں کے لوگوں کو بُلا کر پُوچھا گیا۔ کہ اِس جگہ کا کیا نام ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ یا حضرت اِسے ماریہ کہتے ہیں۔ پھر آپ نے کہا۔ کہ اِس کا کوئی اور نام بھی ہے کہا کہ اِسے ناضریہ بھی کہتے ہیں۔ پھر تیسری دفعہ آپ نے کہا ھَلْ لَھَا اِسْمٌ کیا کوئی اور نام بھی اِس کا ہے۔ فَیُقَالُ لَھَا الکربلا۔ انہوں نے کہا۔ کہ اسے کربلا بھی کہتے ہیں۔ پس یہ نام سُن کر آپ نے اِسی جگہ اپنے تمام اہل و عیال اور اسباب کو اُتار لیا۔ اور کہا کہ یہ وہی زمین ہے۔ جس کی خبر میرے نانا جان نے دی ہے۔ پس وہاں کی تھوڑی سی مٹی اُٹھا کر آپ نے سُونگھی اور پھر وہی مٹی اپنی بہن جناب زینبؑ کو سُونگھائی۔ جناب زینبؑ نے فرمایا۔ کہ اے بھیّا اِس کو پھینک دو۔ اِس میں تو آپ کے خُون کی بُو آ رہی ہے۔ میری جان پھٹی جاتی ہے۔ پس وہ مٹی پھینک دی گئی۔ آپ نے وہاں استقامت اختیار کر کے وہاں کے زمینداروں سے کہا۔ کہ تم اپنی زمین

ہمارے ہاتھ فروخت کر دو۔ ہم یہاں زمین پہ ایک بستی بسائیں گے یہ سُن کر وہ ؎

کہنے لگے کہ عرض ہماری ہے یا امام — دینے میں اس زمین کے نہیں ہم ہمیں کلام

حاضر غریب خانے ہیں و ان کیجئے مقام — لیکن یہ سرزمین ہے پُر آشوب اک مقام

رنج و غم و الم میں سبھی یہاں لرز گئے

اور انبیا بھی ٹھوکریں کھا کھا گزر گئے

یہ کلمات اُن لوگوں سے سُن کر آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ اے زمیندارو تُم نے ازراہِ محبت حق الخدمت ادا کر دیا۔ مگر ؎

مُقدر میں جو لکھا ہے نہیں فرق ہووے گا

اِس جا جہازِ آلِ نبی غرق ہووے گا

زبانِ امامِ خیر الانام سے سُن کر وہاں کے تمام باشندے۔ زار زار رونے لگے۔ الغرض آپ نے وُہ زمین ساٹھ ہزار دینار کے عوض خرید کی اور قبالہ تحریر ہونے لگا۔ ناگاہ ایک بُرقعہ پوش بی بی نے حضرت کے کان میں جُھک کر کچھ کلمات کہے۔ جس سے آپ تڑپ اُٹھے۔ پس پُوچھا جناب عباسؑ علمدار نے۔ کہ یا مولا جنابِ زینبؑ نے آپ سے کیا کہا۔ جس سے آپ بے قرار ہیں۔ فرمایا آپ نے کہ اے عباسؑ ؎

تھی گفتگو یہ زینبِ عالی مقام کی — بستی بناؤں گی یہ میں اکبرؑ کے نام کی

اے بھائی عباسؑ میری جانب سے اُن کو پیغام دیدو ؎

بستی ہے کس کی خُون میں اپنے نہائیں گے

اِک قبر کی جگہ علی اکبرؑ بھی پائیں گے

الغرض جب قبالہ تحریر ہو چکا اور وہاں کے زمیندار قیمت اِس زمین کی لے چکے تو آپ نے اُٹھ کر اس جگہ کی چار حدیں مقرر کیں۔ اور اُن زمینداروں کو ارشاد فرمایا آپ نے۔ کہ میں نے یہ سب زمینیں تمہیں دے دی مگر دو شرطوں پر جن میں سے ایک تو یہ ہے۔ کہ یہاں چند قبریں ہماری ہونگی۔ ان پر زراعت نہ کرنا۔ اور دُوسرے ؎

آئیں میرے محبّ تو انہیں چین دیجئو — مہمان تین دن میرے شیعوں کو کیجئو

گر کچھ قصور ان سے ہو بدلا نہ لیجئو — پیاسوں کو میرے دیکھو جب پانی پیجئو

پانی ابھی تو ملتا ہے، زہراؑ کے جانی کو

پر ساتویں سے ترسیں گے سادات پانی کو

بعد اس کے کیا شاہ نے مردوں کو علیحدہ — اِک صف میں کھڑے ہو گئے وہ عاشقِ شیدا

اور دُوسری صف میں ہوا عورات کا مجمع — پھر تیسری صف بچوں کی اس جا ہوئی برپا

کہنے لگے تب مردوں سے وُہ عاشقِ باری

کر دینا یہاں دفن جو لاشیں ہوں ہماری

پھر مجمع عورات کو شہ نے یہ سُنایا — مردوں نے اگر دفن سے مُنہ اپنا چھپایا

لاشوں کو تمہیں گاڑنا پھر بہرِ خدایا — اللہ کی رحمت کا ہے جو تمہیں سایا

اے بی بیو حق فاطمہؑ زہرا کا ہے تُم پر

جنت میں وُہ خوش ہووے گی واللہ وُہ تم پر

حضرات، جب عورات بنی اسد اور ان کے مردوں کو آپ وصیت کر چکے تو پھر آپ نے اپنا رُخ مُبارک ان معصوم بچوں کی جانب پھرایا۔ اور پیار کر کے کہنے لگے کہ اے بچو یہاں چند لاشیں جو ہماری ہوں گی۔ اگر تمہارے ماں باپ بخوفِ حاکم انہیں زیرِ زمیں دفن نہ کر سکیں۔ تو تُم ایک ایک مُٹھی لا کر ہماری لاشوں کو دفن کر دینا۔ یہ سُن کر اس مجمع میں شورِ گریہ برپا ہو گیا ۔

نویں مجلس

شہادتِ حضرتِ مُسلم علیہ السّلام

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ
سب سے پہلا گھر مکہ میں لوگوں کے واسطے بنایا گیا۔ وُہ مبارک اور
تمام عالموں کے لئے باعثِ ہدایت ہے۔ منجملہ ان کے ایک مقام ابراہیمؑ ہے۔
جو اس میں داخل ہوگیا وُہ امن میں ہوگیا (حضرات) اس میں کیا شک
ہے۔ کہ جب تک دار السلطنت نہ ہو امورِ سلطنت چل نہیں سکتے۔ اور
کوئی قانون مُرتب نہیں ہوسکتا۔ اِس واسطے سب سے پہلا گھر جو خُدا کا ہدایت
عالم کے لئے بناوہ کعبہ ہے۔ سُبحان اللہ کیا کہنا اس گھر کا۔ کہ جس کے معمار
ابراہیمؑ خلیل اللہ و حضرتِ اسماعیل جیسے برگزیدہ تھے۔ مگر خدائے کائنات کو
جو جسم و جسمانیات و مکان و مکانیات سے مُبرّہ ہے۔ مکان کی کیا ضرورت مگر
برائے عبادت ایک چیز مرکزِ توجہ ہونی لازم۔ کیونکہ جب تک کوئی چیز توجہ
کے واسطے نہ ہو خشوع و خضوع ہونا محال۔ اس لئے مکہ نماز گذاروں کا
قیامت تک کے لئے قبلہ قرار پایا گیا۔ اور جو اُس میں داخل ہوگیا وہ امن
میں ہوگیا۔ خانۂ کعبہ میں اور تو اور پشہ تک مارنے کا حکم نہیں۔ مگر کس قدر

افسوس کی بات ہے۔ کہ جو گھر مسلمانوں کے لئے امن و امان قرار پائے۔ وہاں
نبی کا نواسہ رہنے نہ پائے۔ اور پھر اس وقت جناب سید الشہدا مکہ سے کوچ
کرتے ہیں۔ جبکہ عین حج کا موقعہ تھا۔ کسی مومن کے دِل سے پُوچھئے۔ کہ اُس کو
کس قدر قلق ہوتا ہے۔ جب امام حسین دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنے
کے لئے مکہ تشریف لائے۔ اور یزید پلید کو معلوم ہوا کہ آپ مکہ میں پہنچ
گئے ہیں۔ تو اس دشمنِ خُدا نے چالیس آدمی حاجیوں کے لباس میں اس لئے
روانہ کئے۔ کہ عین حج کے موقعہ پر حضرت کو حرم کے اندر ہی قتل کر دیا جائے
جب حضرت کو اِس ظالم کے اِس ارادہ کا حال معلوم ہوا۔ تو پھر آپ نے مکہ
میں قیام مناسب نہ سمجھا۔ کہ کہیں میرے قتل سے حُرمت خانہ کعبہ زائل نہ ہو۔
چنانچہ آپ بغیر حج کئے جانب عراق روانہ ہوگئے ۔

لکھا ہے کہ جس زمانہ میں حضرت مکہ میں قیام پذیر تھے۔ اہل کوفہ نے آپ کو
خط پر خط اِس مضمون کے لکھنے شروع کئے۔ کہ ہم یزید پلید جیسے فاجر و فاسق
انسان کو کسی حالت میں بھی اپنا دینی پیشوا ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ ہم کو ہدایت
کے لئے ایک امام کی ضرورت ہے۔ لہٰذا آپ جلد از جلد تشریف لائیں
تاکہ ہم آپ کی بیعت کریں۔ اے فرزند رسُول اگر آپ نے ہماری درخواست
کو قبول نہ کیا۔ تو ہم بروز حشر خُدائے تعالیٰ اور آپ کے نانا کے
پاس شکایت کریں گے۔ جب اِس قسم کے بے شمار خطوط حضرت

کے پاس آئے۔ تو آپ نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت مُسلم بن عقیل سے فرمایا۔
کہ اے بھائی تم کوفہ چلے جاؤ۔ اور وہاں کے حالات کو دیکھو۔ اگر وُہ واقعی
سچے دل سے طالبِ ہدایت ہیں۔ اور میرے آنے کی انہیں ضرورت
ہے۔ اور ان کی نیت بخیر ہے۔ تو مجھے وہاں سے لکھنا۔ میں سب کو لے کر
تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ یہ حکم سُن کر جناب مُسلم جانب کوفہ روانہ
ہوئے۔ اور اپنے ساتھ دو فرزند جو ابھی کم سن تھے۔ جن کا نام کتُب میں
محمدؑ و ابراہیم لکھا ہے۔ ہمراہ لے گئے۔ کیونکہ وہ دو نو بچے آپ سے
نہایت ہی مانوس تھے۔ جب آپ کوفہ پہنچے۔ تو اہل کوفہ نے آپ کا
پُرجوش استقبال کیا۔ اور آپ کے آنے سے نہایت خوش و خرم
ہوئے۔ تھوڑے ایام میں ہزاروں آدمیوں نے آپ سے بیعت کی۔
حضرت مُسلم کو یقین ہوگیا۔ کہ یہ لوگ سچے دل سے امام علیہ السلام کے
خواستگار ہیں۔ اور اپنی نجات اُخروی کے لئے دینی معاملات میں
رہنمائی چاہتے ہیں۔ تو آپ نے ایک خط بخدمت امام حسینؑ لکھا۔ کہ
یہاں کے حالات تسلی بخش ہیں۔ آپ بہت جلد تشریف لاویں ۔

راوی لکھتا ہے۔ کہ کوفہ کے بعض شرارت پسندوں نے خفیہ طور پر یزید
کو مطلع کیا۔ کہ تو کیا بے خبر بیٹھا ہے۔ مُسلم بن عقیل جب سے کوفہ میں آئے ہیں
سب لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی ہے۔ موجودہ حاکم کمزور

اور بزدل ہے۔ جب تک کوئی سخت ظالم جابر حاکم نہ آئیگا۔ کوفہ تیرے حق میں
نہیں رہ سکتا۔ پس جلدی کوئی انتظام کر۔ پس اِس ملعون کو جب یہ علم
ہُوا۔ تو اس نے ابنِ زیاد کو۔ جو نہایت ہی سنگ دل اور جفا پسند
تھا۔ کوفہ کا حاکم بنا کر بھیجا۔ اور تاکید کر دی کہ مُسلم بن عقیل کو
جس طرح بنے قتل کر ڈالے۔ اور جو لوگ ان کے حامی ہوں۔ سب کو
سخت سزائیں دے۔ چُونکہ اہل کوفہ امام حسین علیہ السلام کے منتظر ہی
تھے۔ پس ابن زیاد وہاں پہنچا۔ اور اس نے اہلِ کوفہ پر سختی شروع
کر دی۔ بہت شخصوں کو اپنے سامنے بُلوا کر پٹوایا۔ اور کئی آدمیوں کو
قید کر دیا۔ اِس ظالم کی سخت گیری سے لوگ گھبرا گئے۔ کئی تو کوفہ چھوڑ کر
بھاگ گئے۔ اور بہت سے لوگ بخوفِ ابن زیاد حضرت مُسلم کا ساتھ
چھوڑ گئے۔ یہاں تک کہ آپ تنِ تنہا رہ گئے۔ اور اپنے بچے ہمراہ خواہ
حضرت ہانی کے مکان پر چلے گئے۔ مگر ان بے حیاؤں نے حضرتِ ہانی کو بھی
کوڑے مار مار کر شہید کر دیا۔ اب آپ بالکل بے پناہ ہوگئے۔ آہ یہ وقت
جناب مُسلم پر بڑا سخت مصیبت کا تھا۔ نہ کوئی مُونس نہ کوئی غم خوار نہ مددگار۔
پردیس۔ اور پھر یکہ و تنہا۔ کوئی امان دیتا تھا اہل کوفہ پر ابن زیاد کا خوف
اِس قدر غالب آچکا تھا۔ کہ کوئی شخص اپنے گھر میں چھپانے کے لئے
تیار نہیں تھا۔ آپ کے دونوں بچے قاضی شریح کے گھر میں تھے۔ خود

ہر طرف پریشان پھر رہے تھے۔ اور اِس بات پر کفِ افسوس مل رہے تھے۔ کہ میں نے فرزندِ رسُول کو اِس طرف آنے کے لئے کیوں لکھا۔ اِسی خیال میں محو ہوئے چلے جا رہے تھے۔ کہ ایک عورت اپنے دروازے پر کھڑی نظر آئی۔ جنابِ مُسلم پر پیاس کا غلبہ تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا۔ کہ اے کنیزِ خُدا۔ مَیں پیاسا ہُوں۔ تھوڑا پانی مجھے پلا دے کہ مجھ پر پیاس کا بڑا غلبہ ہے۔ پس وُہ عورت جس کا نام طوعہ تھا فوراً روانہ ہو گئی ؎

لے آئی بس اِک پانی کا جام اتنے میں طوعہ
دیکر یہ کہی حضرت سے وُہ اِس طرح سے گویا

اے شخص پیاس اپنی بجھا کر ہو روانہ
معلوم نہیں تجھ کو پُر آشوب زمانہ

حاکم کا ہے یہ حکم ہر اک فردِ بشر سے
پائے گا سزا غیر جو نکلا کِسی گھر سے

پس یہ سُن کر حضرت نے پانی پی کر شُکرِ خُدا کیا اور اُس عورت کے دروازے پر بیٹھ کر دم لینے لگے۔ تب طوعہ نے کہا۔ اے مردِ خُدا اب تو پانی سے سیر ہو چکا ہے۔ اِس واسطے اپنے گھر کا راستہ لے۔ یہ سُن کر جنابِ مُسلم کی آنکھوں سے آنسُو گرنے لگے۔ اور فرمایا ؎

مَیں ایک مُسافر ہوں غریب الغربا ہوں
بیکس ہوں کوئی گھر نہیں بندۂ خُدا ہوں

تکلیف مجھے دیتے ہیں اعدا بھی بر رضا ہوں
ہاں فخر ہے یہ قاصدِ شاہ شہیداں ہوں میں

سُن کر طوعہ نے یہ کیا نام تمہارا
کہنے لگے بیکس سے ہے کیا کام تمہارا

پس طوعہ نے کہا اور تو کچھ نہیں مگر یزیدِ دُشمنِ خاندانِ رسُول ہے کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ تم بھی خاندانِ رسُول سے ہو۔ یہ سُن کر جنابِ مُسلم آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہا کہ اے عورت مَیں مُسلم بِن عقیل ہُوں۔ اہلِ کوفہ نے مجھ سے دغا کی۔ اور میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ عورت مومنہ تھی! اور دوست دار اہلبیت تھی۔ جونہیں اُس نے جنابِ مُسلم کا نام سُنا۔ تو ؎

قدموں پہ گر کے رونے لگی تب وہ نیک نام
کہتی تھی گھر ہے آپ کا یہ کیجئے مقام

کیجئے مُعاف آپکے گھر کی ہُوں مَیں غلام
غلطی ہوئی ہے مجھ سے بڑی اے شہ انام

غارت کرے خُدا انہیں کیسے جہُول ہیں
سمجھے نہ آپ کو کہ یہ آلِ رسُول ہیں

پس یہ کہکر وہ آپ کو گھر کے اندر لے گئی۔ اور خاطر و مدارات میں مشغول ہوئی لیکن حضرتِ مُسلم کو اِس عالمِ پریشانی میں نہ کھانے پینے کا خیال تھا و آرام و آسائش کا طرح طرح کے رنج و غم آپ کو گھیرے ہوئے تھے ابھی تھوڑی دیر بھی آپ کو وہاں نہ گزری تھی۔ کہ ابنِ زیاد کی فوج جستجو کرتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔ جنابِ مُسلم بڑے بہادر تھے۔ آپ فوراً تلوار لے کر باہر نکل آئے اور ان ظالموں سے لڑنا شروع کیا۔ اور تھوڑی

ہی دیر میں بہت سے اشقیا کو مار کر زمین پر گرا دیا۔ یہ حال دیکھ کر محمد بن اشعث جو اِس فوج کا سردار تھا گھبرا گیا۔ اور اس نے ابنِ زیاد سے اور کمک طلب کی۔ ابنِ زیاد نے کہا۔ ایک تنِ تنہا کو گرفتار کرنے کے لئے فوج کا ایک دستہ کافی نہ ہُوا۔ اس نے کہا اے پسرِ زیاد کیا یہ معمولی انسان کا مقابلہ ہے ارے یہ جوانِ ہاشمی ہے۔ اِس خاندان کی شجاعت کا تمام عرب لوہا مانے ہوئے ہے۔ الغرض پانچسو اور سوار ابنِ زیاد نے بھیج دیا۔ پس دشمنوں نے چاروں طرف سے حضرت کو گھیر لیا۔ اکیلے کہاں تک لڑتے آخر تمام بدن زخموں سے چُور چُور ہو گیا۔ اور آپ بے دم ہو کر ایک جگہ پر بیٹھ گئے۔ اِن نامردوں میں اِتنی تاب نہ تھی۔ کہ شیرِ مجروح کے پاس آتے۔ دُور ہی سے تیر اور نیزے مارتے رہے۔ پس حضرت مُسلم کو پیاس کا غلبہ ہُوا۔ آپ نے ان ظالموں سے فرمایا۔ کہ تھوڑا سا پانی دو۔ مگر کسی نے توجہ نہ کی۔ آخر ایک سپاہی نے کہا۔ کیا غضب ہے۔ کہ کوئی زخمی کو پانی نہیں دیتا۔ کیا یہ مسلمان نہیں ہے۔ سردارِ لشکر نے کہا۔ کہ تُو ہی جا کر پانی پلا دے۔ وہ شخص کوزۂ آب لے کر جنابِ مُسلم کے پاس آیا۔ آپنے جب پینا چاہا تو مُنہ کا خون پیالہ میں ایسا گرا۔ آپ نے وُہ پانی زمین پر پھینک دیا۔ آہ آہ حضرتِ مُسلم کو پانی پینا کیونکر نصیب ہوتا۔ جب کہ ان کے آقا و مولا حضرت امام حسینؑ کربلا میں پیاسے شہید ہونے والے تھے۔ الغرض ان ظالموں

نے جنابِ مُسلم کو گرفتار کر لیا۔ اور کشاں کشاں دربارِ ابنِ زیاد میں لائے جب آپ اِس ظالم کے سامنے پہنچے تو اس کو سلام نہ کیا۔ اسکے ایک درباری نے کہا۔ کہ اے مُسلم امیر کو تم نے سلام نہ کیا۔ فرمایا آپنے میرا امیر فرزندِ رسول ہے اِس کو امیر کیوں کر کہوں۔ یہ سُن کر ابنِ زیاد کو غصّہ آ گیا اسنے کہا سلام کرو یا کہ قتل کئے جاؤ گے۔ آپنے فرمایا۔ کہ او دشمنِ خُدا تُو مجھے قتل سے ڈراتا ہے۔ واللہ راہِ خُدا میں قتل ہونا سعادتِ ابدی ہے۔ اس کے بعد ابنِ زیاد نے ایک غلام سے کہا کہ مُسلم کو کوٹھے کے اُوپر لے جا کر قتل کر دو اور لاش نیچے پھینک دو تب حضرتِ مُسلم نے فرمایا۔ کہ اگر میرا قتل کرنا ہی منظور ہے تو مجھے اتنی اجازت دے کہ میں کسی سے کچھ وصیت کر لوں۔ اس نے اجازت دی۔ پسرِ سعد دربار میں حاضر تھا آپ نے اس سے فرمایا۔ کہ اے پسرِ سعد میری پہلی وصیت یہ ہے کہ میرے اُوپر فلاں شخص کے چند دینار قرض ہیں میری زرہ بیچ کر میرا قرضہ ادا کر دینا۔ اس نے کہا ضرور ایسا کر دونگا ؎

پھر دُوسری اک میری وصیت کو نباہنا
دو بیٹے ہیں یہاں میرے چھُپا انکا لگانا!

شفقت سے محبت سے انہیں پاس بٹھانا
بچوں کو خبرِ قتل کی ہرگز نہ سُنانا

رُتبے جو بڑے ہوتے ہیں فریاد رسی کے
پہنچانا مدینہ میں انہیں ساتھ کسی کے

ہے ان سے سوا تیسری اِک میری وصیت
شبیرؑ جو آتے ہیں انہیں کہنا یہ عجلت

رکھنا نہ قدم کوفہ میں ہے میری نصیحت   بدعہد ہیں یاور بُری انکی ہے طینت

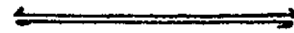
سَو جان سے مَیں آپ پہ قربان ہُوں آقا
خط لکھ کے مَیں حضرت کو پشیمان ہُوں آقا

پسرِ سعد نے کہا۔ کہ اِس وصیت کو پُورا کرنا میرے امکان سے باہر ہے چُونکہ بادشاہ وقت ان کے خلاف ہے۔ اِس لئے مَیں ایسا کر ہی نہیں سکتا۔ حضرت مُسلم نے فرمایا کہ او دشمنِ خُدا لعنت ہو تجھ پر۔ بادشاہ کی خوشنودی کا خیال ہے۔ مگر خدا و رسُول کی خوشنودی کا کچھ خیال نہیں کرتا۔ المختصر ابنِ زیاد کے غلام جناب مُسلم کو پکڑ کر کوٹھے پر لے گئے اور حسینؑ مظلوم کے بہادر ایلچی کو بر لبِ بام قتل کر دیا۔ اور لاشِ حضرت مُسلم کو نیچے گرا دیا۔ آہ آہ غریب مُسلم کو گور و کفن بھی میسر نہ ہُوا۔ ہائے افسوس بعد شہادت ؎

باندھا قدم لاش میں اعدا نے رسن کو   کوچوں میں پھرے کھینچتے آوارہ وطن کو
افسوس لاٹھا لائیو نہیں پاک بدن کو   یا رب نہ خزاں لُوٹے کسی کے بھی چمن کو

یہ لاش پھرے کھینچتے کوفہ میں ہیں غدّار
گہ کُوچوں میں لاتے تھے کبھی جانب بازار

قصہ ہو ختم حیدری کس طرح الم کا   غم دل میں رہے ایلچی شاہ اُمم کا



دسویں مجلس

شہادت فرزندانِ حضرت مُسلم علیہ السّلام

قَالَ اللہُ تبارکَ وَتعالیٰ فِی کِتَابِ المجید وفُرقانِ الحمید اَمّا الیتیمَ فلا تقہر

ارشاد ہے خُداوندِ عالم کا۔ کہ یتیم کے قہر و غضب سے ڈرو۔ کیونکہ جس وقت یتیم فریاد کرتا ہے۔ تو اس کی فریاد سے عرشِ عظیم کانپتا ہے۔ جناب رسُولِ خُدا نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ اپنے بچوں کا مُنہ کسی یتیم کے سامنے نہ چُومو۔ کیونکہ اس یتیم کو اپنے ماں باپ یاد آتے ہیں۔ اور روایت میں وارد ہے کہ جب کوئی کسی یتیم کے سر پر دستِ شفقت پھیرتا ہے۔ تو جس قدر بال سر کے اس شخص کے ہاتھ کے نیچے آجائیں۔ خداوندِ کریم بہ تعداد ان بالوں کے فرشتوں کو حکم دیتا ہے۔ کہ اِس شخص کے لئے دُعائے مغفرت کرو۔ جس نے کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا ہے۔ کیوں حضرات یتیم کے ساتھ محبت و شفقت کا کس قدر درجہ ہے۔ منقول ہے۔ کہ جنابِ سرورِ کائنات نے ایک شوخ اور شریر لڑکے کی پرورش کی۔ اور اس کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے تھے اور ہر طرح کی خبر گیری مثل اس کے باپ کے کرتے تھے۔ قضائے الٰہی سے اس لڑکے نے قضا کی۔ پس جنابِ رسُولِ خدا نے کھانا نہ کھایا۔ اور وہی پانی بھی۔

عرض کی اصحاب نے۔ کہ یا حضرت آپ اِس قدر رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ ہم کوئی اور یتیم لڑکا حاضر کر دینگے۔ فرمایا جنابِ رسالت مآب نے کہ تمہیں کیا معلُوم وُہ لڑکا شوخ اور شریر تھا۔ جب مَیں اس کی ناز برداری کرتا تھا۔ تو پروردگار میرا مجھ سے بڑا خوش ہوتا تھا۔ کیوں حضرات سُنا آپ نے۔ کہ جنابِ رسولِ خدا کا یتیموں کے ساتھ کیسا سلوک تھا۔ اور جنابِ امیر علیہ السّلام بھی۔ اپنی دوشِ مُبارک پر روٹیاں رکھ کر پردۂ شب میں یتیموں کے گھر کھانا پہنچایا کرتے تھے۔ مگر افسوس صد افسوس۔ کہ اُسی شہر کوفہ میں فرزندانِ حضرت مُسلم کے ساتھ کوفیوں نے کیا سلوک کیا۔ حالانکہ جناب مُسلم کو اپنے ہاتھ سے خود شہید کر چکے تھے۔ اور وُہ بچے یتیم ہر طرح سے قابلِ رحم تھے۔ مگر وہ فسقی کیسے سنگدل تھے۔ کہ بعد شہادت حضرت مُسلم کوئی اُن بچوں کو اپنے گھر میں پناہ بھی نہیں دیتا تھا! در ابنِ زیاد ملعون نے منادی کرا دی تھی۔ کوئی فرزندانِ مُسلم کو گھر میں نہ چھپائے ورنہ سزا پائے گا۔ ؎

معصُوم سمجھ کر کوئی رحم اُنپہ نہ کھائے   ہاتھ آئیں تو پکڑے ہوئے دربار میں لائے
مجرم کے کوئی شیون و زاری پہ نہ جائے   دانا ہے وُہ جو گوہرِ عزت کو بچائے

جس نے انہیں پنہاں کیا گھر اس کا لُٹے گا
مر جائے گا پر قید سے کنبہ نہ چھُٹے گا

آہ آہ آوارہ وطن بچوں اور کُملائی ہوئی صُورتوں پر گرد و غبار پڑا ہُوا تھا۔ ہر طرف مارے مارے پھرتے تھے۔ کس سے فریاد کرتے کہاں جاتے ؎

پردیس میں معصُوموں کا دشمن تھا زمانہ   نہ بیٹھنے کی جا تھی نہ رہنے کا ٹھکانا
بن باپ کئی روزوں سے کھایا نہ تھا کھانا   تقدیر میں غم کھانا تھا یا اشک بہانا

سہمے ہوئے آپس میں یہی کہتے تھے رو کر
ساتھ آئے تھے افسوس چلے باپ کو کھو کر

اگر ہم باپ کے پاس ہوتے تو نشانۂ تیر بنتے اور دمِ مرگ اپنے باپ کے مُنہ میں پانی ڈالتے۔ اور باپ کا لاشہ کندھوں پر اُٹھا کر دفن کرتے خُدا جانے کہ ہمارے شفیق باپ ابھی دفن بھی ہوئے یا نہیں ہوئے۔ افسوس کہ ہمیں تُربت کا بھی پتہ نہیں۔ کیا کریں۔ ہم فاتحہ سے بھی محروم رہے۔

تقدیر نے اماں کی اگر شکل دکھائی   اور قتل کی بابا کے خبر ان کو سنائی
پوچھیں گی جو سر پیٹ کے وہ دیکھو دہائی   بچو کہو بابا کی کہاں قبر بنائی

گردن کو جھکائے ہوئے خاموش رہیں گے
تُربت بھی تو دیکھی نہیں کیا ماں سے کہیں گے

یہ کہہ کر وہ دونوں بچے زار زار روتے تھے۔ اور عالمِ غربت و بے کسی میں مارے مارے پھرتے تھے۔ جہاں جاتے تھے موت دامنگیر تھی ؎

پھرتی تھی اجل ساتھ جدھر جاتے تھے دونو   جنّت بھی گھر اُن کا تھا تو ڈر جاتے تھے دونو

اسی عالمِ پریشانی میں ایک نالہ کے قریب جانکلے۔ ایک سپاہی نے للکار کر کہا۔ بس آگے قدم نہ رکھنا۔ کہاں بھاگ کر جاؤ گے۔ ہم تو تمہاری تلاش میں ہیں۔ یہ سُن کر دونوں بید کی طرح کانپنے لگے۔ بھائی سے بھائی نے کہا۔ اب کیا کریں یہ دُشمن نہیں ہیں بلکہ موت ہے۔ اب زندہ رہنا محال ہے۔ یہ ظالم ہماری فریاد بھی نہیں سُنیں گے۔ ابھی یہ دونوں گفتگو کر ہی رہے تھے۔ کہ ان ملعونوں نے معصوم بچوں کو پکڑ لیا اور طمانچے مار مار کر رخسار ان کے سُرخ کر دیئے۔ اس کے بعد رسی میں جکڑ کر کشاں کشاں دربارِ ابنِ زیاد میں لے آئے۔ ابنِ زیاد ملعون تختِ مرصع پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس کے آس پاس کرسیوں پر اس کے درباری بیٹھے تھے ناگاہ جب فرزندانِ مسلم اس کے پیش ہوئے تو وہ ملعون ؎

معصوموں سے یوں کہنے لگا حاکمِ ملعون — اِن بھاگنے کی اب کہو کیا تم کو سزا دوں
صدمے سے یتیموں کا ہوا حال دگرگوں — تھرا کے یہ کہنے لگے وہ بیکس و محزون

ہاں قتل ہی کرنے کے سزاوار ہیں ہم بھی
بابا تھا گنہگار، گنہگار ہیں ہم بھی

آخرالامر ابن زیاد بدنہاد نے ان کو قید کا حکم دیا اور زندان بان کو بلا کر تاکید کی۔ کہ خبردار ان کو اچھا کھانا اور پانی نہ دینا یہ دشمن کے بچے ہیں۔

اس نے کہا اسی طرح تعمیلِ حکم ہوگی۔ غرضیکہ اس ظالم نے ایک اندھیری کوٹھڑی میں جس میں ایک بھائی دُوسرے بھائی کی شکل نہ دیکھ سکتا تھا۔ قید کر دیا اور دن میں ایک بار قفلِ زندان کھلتا۔ اور دو روٹیاں جَو کی اور ایک کوزہ آب دے کر زندان بان چلا جاتا۔ اسی طرح عرصہ بعید گزر گیا۔ اور وہ معصوم بچے گھل گھل کر ناتواں ہو گئے۔ اُٹھنا بیٹھنا بھی دوبھر ہونے لگا۔ پس ایک دن تنگ آکر داروغہ زندان سے کہنے لگے۔ کہ اے بھائی زندان بان تو مسلمان ہے۔ اس نے کہا بحمد للہ۔ بچوں نے کہا۔ کہ جناب محمد مصطفیٰؐ کو جانتا ہے۔ اس نے کہا۔ جو شخص اُن کو نہ جانے وہ مسلمان کیسا۔ پھر بچوں نے کہا۔ کہ اے بھائی حضرت علی مرتضیٰؑ کو بھی جانتا ہے۔ اس نے کہا۔ کہ وہ تو میرے آقا اور امام ہیں۔ یہ سُن کر بچوں کی جان میں جان آئی اور کہنے لگے کہ اے شخص ہم مسلم بن عقیلؑ کے فرزند ہیں ؎

تو کہتا ہے احمدؐ کو پیمبر ہے ہمارا
جو گھر ہے محمدؐ کا وہی گھر ہے ہمارا

یہ سُنتے ہی وہ خوش اطوار گھبرا گیا۔ اور ساتھ کر ان معصوم بچوں کے قدموں پہ گر پڑا۔ اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ اے بچو مجھے معاف کرنا میں تمہارے حال سے قطعاً ناواقف تھا۔ مجھے بخشدو میں نے کئی بار تم پہ سختی کی ہے ؎

میں تم پہ فدا اے اسد اللہ کے پیارو — کُرتے میں نئے لا دوں یہ ملبوس اُتارو

بندہ میں تمہارا ہوں مجھے قدموں پہ مارو — لو زادِ سفر مجھ سے جدھر چاہو سدھارو

شکوہ میرا اللہ، پیغمبر سے نہ کیجو!
جنت میں شکایت میری حیدرؑ سے نہ کیجو!

بچوں نے کہا۔ کہ اے مردِ خدا تمہیں اللہ کریم اس کا اجر دے۔ انشا اللہ بروزِ حشر ہمارے جد تیرے شفیع ہوں گے۔ مگر اے شخص ہم چونکہ راہ سے واقف نہیں ہیں۔ جائیں تو کدھر جائیں۔ اگر تجھے معلوم ہے کہ فرزند رسول الثقلین حضرت امام حسینؑ آج کل کہاں ہیں تاکہ ان کی خدمت میں چلے جائیں۔ جو راستہ سب سے زیادہ نزدیک ہو وہ ہمیں بتا دے۔ یہ سُنتے ہی وہ تڑپ گیا اور کہنے لگا کہ اے بچو ؎

عاشور کے دن ذبح ہوئے سبطِ پیغمبر — خیمے بھی جلائے گئے تاراج ہوا گھر
رانڈوں کا ستمگاروں نے لوٹا زر و زیور — افسوس کہ زینبؑ کی بھی چھینی گئی چادر

دیکھا حرمِ شاہ نے دربار دمشقی کا
کوفہ میں سر آیا تھا حسینؑ ابن علیؑ کا

اور اے بچو سوائے زین العابدینؑ کے کوئی مَردوں میں فاتحہ خواں بھی نہیں ہے۔ یہ سُن کر ان بچوں پر رقت طاری ہو گئی۔ اور مرغِ بسمل کی طرح زمین پر تڑپنے لگے۔ اُس نے کہا اے شاہزادو زور سے نہ چیخو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی تمہارا دشمن آواز سُن لے۔ ابن زیاد بڑا ظالم ہے۔ وہ محبانِ

علیؑ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کرا رہا ہے۔ میری رائے میں اب تم کو زندان سے جلدی نکل جانا چاہیئے۔ جو مجھ پر گزرے گی۔ اس کو جھیل لوں گا۔ پس وہ دونوں معصوم ایک سال کی قید کے بعد زندان سے تھرتھراتے ہوئے نکلے اور گھبرائے ہوئے چاروں طرف تکتے تھے ناگاہ ایک پیرزن۔ جو اپنے داماد کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ دروازے پر کھڑی نظر آئی۔ بچوں نے عاجزی سے کہا کہ اے مادرِ مہربان خدا و رسولؐ کا واسطہ تھوڑی دیر کے لئے ہمیں اپنے گھر میں پناہ دے۔ اس نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ بچوں نے کہا ؎

رکھتے ہیں قرابت تو رسولِ عربیؐ سے
مسلمؑ کے پسر ہیں یہ نہ کہیو کسی سے

یہ سُن کر وہ مومنہ تڑپ اُٹھی اور کہنے لگی اے بچو۔ میں تمہاری دادی کی کنیز ہوں۔ میرا گھر تمہارا گھر ہے۔ مگر میرا داماد حاکم کا دوست ہے اگرچہ کچھ خوف ہے۔ تو اسی کی طرف سے ہے۔ بچوں نے کہا اب رات زیادہ گئی ہے ممکن ہے وہ نہ آئے۔ ہم صبح ہوتے ہی تیرے گھر سے نکل جائیں گے۔ آخرکار وہ دونوں بچوں کو گھر میں لے آئی اور ایک حجرہ میں لے جا کر ان کو بٹھلایا۔ کھانا اور پانی حاضر کیا۔ بچوں نے کہا۔ کہ اے مادرِ مہربان ہم کو نہ کھانے کی خواہش ہے نہ پینے کی کچھ کیونکہ ہم بہت تھک گئے ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ

تھوڑی دیر آرام کریں۔ پس اس مومنہ نے فوراً بستر بچھا دیا۔ اور بچے لیٹ کر سو رہے۔ ذرا دیر نہ گزری تھی۔ کہ حارث ملعون گھر میں داخل ہوا۔ پوچھا اس مومنہ نے کہ تمہارے اس قدر دیر سے آنے کا کیا باعث ہے۔ کہنے لگا۔ کہ تمام دن مسلم کے بچوں کی تلاش میں پھرتا رہا۔ چنانچہ اسی تگ و دو میں میرا گھوڑا بھی ہلاک ہو گیا۔ مگر وہ ہاتھ نہیں لگے۔ پس یہ کہہ کر وہ ملعون کھانا کھا کر سو گیا۔ اچانک ان صاحبزادوں کو ایک خواب ہولناک آئی۔ بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی سے کہا۔ کہ مجھے خواب میں بابا جان ملے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اے بیٹو فکر نہ کرو۔ اب تم میرے پاس جلدی پہنچ جاؤ گے۔ تب یہ سن کر چھوٹے بھائی نے کہا۔ کہ میں نے بھی یہی خواب دیکھی ہے۔ یہ کہہ کر دونوں بھائی رونے لگے۔ ناگاہ حارث ملعون کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے کان میں جب بچوں کے رونے کی صدا آئی تو اندھیرے میں دیوار پکڑتا ہوا اس حجرے میں آیا۔ ناگاہ اس کا ہاتھ بڑے بھائی پر پڑا اور پوچھا۔ کہ تم کون ہو۔ بچے سہمے ہوئے بولے۔ کہ ہم فرزندانِ حضرت مسلم ہیں۔ اس گھر میں پناہ لے کر آئے ہیں۔ یہ سننا تھا۔ کہ وہ ملعون بڑا خوش ہو کر بولا۔ کہ مجھے کیا معلوم تھا۔ کہ تم میرے گھر میں ہو۔ میں تمام دن تمہاری تلاش میں پھرتا رہا۔ پس ان معصوموں کو اس ملعون نے رسی میں کس لیا وہ دونو یتیم کہنے لگے کہ اے ظالم ہم سے قسم لے لے۔ کہ اب تیرے گھر میں نہیں

آئیں گے پاس جلاد نے اُن کی آہ و زاری پر کچھ توجہ نہ کی بلکہ ؎

دکھلاتا تھا غم انہیں جب کرتے تھے فریاد بچوں پہ کیے کہ ہائے یتیموں پہ یہ بیداد
دروازے تلک کھینچتا لایا ستم ایجاد کمزور تھے یا در زبردست تھا جلاد

کرتے تھے چھٹے ٹوپیاں بھی گر گئیں سر سے
مجرم کی طرح باندھ دیا دونو کو ڈر سے

الغرض جب صبح نمودار ہوئی۔ تو وہ ظالم دونوں کو پکڑ کر دریا کی طرف لے جانے لگا۔ وہ زن مومنہ رونے پیٹنے لگی اور بہ منت کہنے لگی ؎

کیوں فاطمہ زہرا کو رُلاتا ہے کفن میں
دو پھول تو رہنے دے محمدؐ کے چمن میں

وہ مومنہ بچوں سے لپٹ گئی۔ وہ ظالم اس کو منع کرتا تھا۔ مگر وہ دیندار نہ ہٹتی تھی۔ آخر کار اس ملعون نے جھنجلا کر ایک تلوار کا وار اس پہ کیا جس کے صدمے سے وہ مومنہ بیہوش ہو کر گر پڑی۔ پس وہ دونوں بچوں کو لے کر نہر پہ پہنچا۔ بچوں نے ہر چند منت و سماجت کی اور کہا کہ اے شخص ہمیں زندہ ابن زیاد کے پاس لے چل۔ مگر وہ شقی نہ مانا! ؎

نامرد نے حملہ کیا تلوار اٹھا کر سر رکھ دیا چھوٹے نے ہیں جلد شتاب کر
تب ہاتھ سے چھوٹے کو بڑا بھائی ہٹا کر جا بیٹھا تہِ تیغ دو دم سر کو جھکا کر
تلوار جھکتی تھی تو ہٹ جاتا تھا بھائی پھر دوڑ کے بھائی سے لپٹ جاتا تھا بھائی

ناگاہ چلی ظالم کی تلوار بڑے پر بالائے زمیں کٹ کے ستارا سا گرا سر
دریا میں ستمگار نے پھینکا تنِ اطہر چلا کے یہ چھوٹے نے کہا ہائے برادر

دیکھا جو بڑے بھائی کا سر دستِ عدو میں
وہ گر کے تڑپنے لگا بھائی کے لہو میں

آیا جو شقی تیغ علم کر کے دوبارہ چلانے لگا بھائی کو وہ بھائی کا پیارا
مادر کو پکارا کبھی بھائی کو پکارا جلاد نے تن پر سے سر اس کا بھی اُتارا

دھبہ بھی نہ خوں کا لگا شمشیرِ عدو میں
بھائی کا لہو مل گیا بھائی کے لہو میں

گیارھویں مجلس

درفضائلِ اہلبیت و جریر ہمدانی کا پانی لانا و شہادت پانا

خدا نے مرتبہ کیا آلِ مصطفےٰ کو دیا دیا وہ سب انہیں جو سید الوریٰ کو دیا
علی الخصوص شرف جو کہ مرتضےٰ کو دیا نہ انبیا کو دیا اور نہ اوصیا کو دیا

جہاں پناہ ہوئے عرشِ بارگاہ ہوئے
نبیؐ کی طرح علیؑ کل کے بادشاہ ہوئے

حضرات اہلبیت کی مساوات بہت سے امور میں حضرت رسولِ خداؐ کے ساتھ ثابت ہوئے ۔

اوّل۔ سلام میں نبی کے لئے ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ اور اہلبیت کے لئے ہے۔ سَلَامٌ عَلٰی آلِ یٰسِیْن۔

دوسرے صلوٰۃ میں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ۔

تیسرے طہارت میں نبی کے لئے ہے طٰہٰ اور اہلبیت کے لئے ہے یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔

چوتھے تحریم صدقہ میں۔ یعنی جس طرح صدقہ محمدؐ پر حرام اسی طرح آلِ محمدؐ پر حرام ہے ۔

پانچویں (وجوب مودّت) رسُول کے لئے ہے فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ اور اہل بیت کے لئے ہے قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی۔

چھٹے۔ رسُول اور اہل بیتِ رسُول امان ہیں اُمّت کے لئے عذاب الٰہی سے مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہُمْ وَاَنْتَ فِیْہِمْ اللہ نہیں عذاب کرے گا اُن پر جب تک تم ان میں ہو۔ اور اہلبیت کی شان میں حضرت رسول خدا نے فرمایا۔ اَلنُّجُوْمُ اَمَانٌ لِاَہْلِ السَّمَاءِ وَاَہْلُ بَیْتِیْ اَمَانٌ لِاُمَّتِیْ۔ ستارے اہل آسمان کے لئے امان ہیں۔ اور میری اہلبیتؑ میری اُمّت کے لئے امان ہے ۔

ساتویں بحالتِ جنابت مسجدِ نبوی میں جانا ۔

آٹھویں۔ حضرت علیؑ کا دروازہ مسجد کی طرف کھلے رہنا۔ چنانچہ ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ کہ حضرت رسُولؐ خدا نے اُن تمام اصحاب کو جن کے دروازے مسجد کی طرف کھلے ہوئے تھے بند کرنے کا حکم دیا پس علیؑ کے دروازے کے سوا اور سب کے دروازے بند ہو گئے۔ اِس پر لوگ ناخوش ہوئے۔ اور حضرت سے شکایتاً کہا۔ آپ نے اپنے اصحاب و اعمام کو تمام دروازے تو بند کرا دیئے لیکن علیؑ کا دروازہ کھلا رکھا ہے بجواب ان کے آپؐ نے فرمایا۔ کہ نہ میں نے علی کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔

اور نہ بند رکھا ہے۔ بلکہ جو کچھ ہُوا ہے۔ بحکمِ خدا سے ہُوا ہے ۔

علیؑ کا دروازہ خانۂ خدا کی طرف کھلا رہا پس اُن کا طریقہ خدا کی طرف منتہی ہُوا۔ پس وُہ اِس بات کے لائق ہیں کہ ان کی اقتدا کی جائے۔ نہ وُہ لوگ جن کا دروازہ بند ہوا۔ اور جو راہِ خدا سے مطرود ہوئے پس خوشخبری ہو ان لوگوں کو جنھوں نے حضرتِ رسول خُدا کے بعد ایسے گھر کی طرف رجوع کی جس کے دو دروازے ہیں ایک دروازہ وُہ جو مدینۃ العلم کی طرف پہنچاتا ہے۔ اور دُوسرا وُہ دروازہ جو بیت اللہ کی طرف کھلا ہے اور کیا ہی اچھا تھا اِس گھر کا مالک جو بیت اللہ میں پیدا ہُوا۔ اور بیت اللہ ہی میں شہادت پائی ؎

شُد فیضیاب ہر دُوسرا از درِ علیؑ   بے بہرہ آنکہ گشت جُدا از درِ علیؑ

بکشود مصطفٰے درِ حیدر ز مسجدش

یعنی کہ میرسی بخدا از درِ علیؑ

حضرات بہت سے اُمور ہیں جن میں اہلبیتِ رسُول کی مساوات ہے کہاں تک بیان کی جائے اَولیّت میں مساوات، سیادت میں مساوات اصل ہیں۔ مقارنت علی القرآن میں۔ موافات ہیں۔ درجاتِ آخرت میں۔ حضرات سُنے آپ نے فضائل و مناقب اپنے سیّد و مولا امیر المومنین علیہ السّلام کے۔ جب اتنے اُمور میں ان کو حضرت رسول خدا سے مساوات

حاصل تھی۔ تو پھر بعد رسول ان سے بہتر خلیفۂ رسُول کون ہو سکتا تھا افسوس ہے۔ کہ بعد رحلتِ رسُول مُسلمانوں نے اِن فضائل کا ذرا لحاظ نہ کیا۔ اور امیر المومنین علیہ السّلام کو وُہ وُہ اذیتیں پہنچائیں۔ کہ ان کے تصوّر سے کلیجہ لرزتا ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے۔ کہ وُہ علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ جن کو حضرت رسول خُدا روزِ مباہلہ اپنی نبوّت کی تصدیق کے لئے لے کر نکلے تھے اور جو بنصِ قرآنی صادقین میں تھے فدک کے بارے میں سب کی گواہی ردّ کر دی گئی۔ اور حکومت کرنے والوں نے اپنی طرح ان کو بھی جھوٹا سمجھا ۔

صواعق محرقہ میں ہے۔ کہ روزِ شوریٰ امیر المومنین علیہ السّلام نے اپنے استحقاق کے اثبات میں آیۂ مباہلہ کو پیش کر کے اصحاب شوریٰ سے فرمایا تھا۔ میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا تم میں کوئی حضرت رسول خداؐ سے بلحاظِ قربت مجھ سے زیادہ ہے۔ میں وہ شخص ہوں جس کو حضرت رسولؐ خدا نے اپنا نفس قرار دیا اور جس کے بیٹوں کو اپنا بیٹا اور جس کی مستورات کو اپنی مستورات کہا۔ ان سب نے کہا۔ آپ بجا فرما رہے ہیں، ہم میں کسی کو یہ قربت حاصل نہیں۔ افسوس کہ زبان سے اقرار کرتے تھے۔ اور عملاً حضرت کو ان کے حقوق سے محروم کر لینے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔ ان کی لگاتار کوشش ہی کا یہ نتیجہ ہُوا۔

کہ دن بدن اہلبیت کا وقار کم ہوتا گیا۔ یہانتک کہ کربلا میں بالکل خاتمہ ہو گیا۔ منقول ہے۔ کہ جناب بُریر نے روزِ عاشورہ اُس قوم بدشعار کے مقابل جو تقریر فرمائی تھی۔ اس میں یہی کہا تھا۔ کہ اے قوم یہ وہی حسینؑ ہے۔ جو روزِ مُباہلہ خُدا کی وحدانیت اور رسُول کی رسالت کا گواہ بن کر نکلا تھا۔ آج تُم نے اس کا رُتبہ اتنا پست کر دیا۔ کہ اب اُس کی بات بھی کان دھر کر نہیں سُنتے۔ یہ سُن کر لشکرِ پسر سعد سے ایک شقی نکلا اور کہنے لگا۔ اے بُریر تُم کیا کہہ رہے ہو۔ ہم کچھ نہیں جانتے۔ کہ حسینؑ کون ہیں۔ چونکہ اس شخص نے امیر المومنین یزید بن معاویہ کے خلاف بغاوت اختیار کی ہے۔ لہٰذا اس کا قتل ہم پر واجب ہے۔ یہ سُن کر جناب بُریر کو غصّہ آگیا ؎

مہمیز کر کے گھوڑے کو نیزہ چلا دیا   ایسا لگایا وار جہنم پہنچا دیا!

اسوقت میں جو زورِ یداللہ دکھا دیا   کہتے تھے بڑھ کے حضرت عباسؑ واہ واہ!

اِک وار میں گرا دیا کس آن بان سے

آتی تھی مرحبا کی صدا آسمان سے

مومنین جناب بُریر ہمدانی بڑے مومن مُتّقی و پرہیزگار تھے اصحاب امام حسینؑ میں اُن کا ایک خاص مرتبہ ہے۔ لکھا ہے۔ کہ شبِ عاشور چھوٹے چھوٹے بچے مثلِ سکینہؑ و علی اصغرؑ در خیمہ پر خالی کوزے ہاتھوں لئے وا ازالعطش العطش بلند کر رہے تھے۔ تو جناب بُریر اپنے خیمہ میں مشغولِ عبادت

تھے۔ بچوں کی یہ فریاد سُن کر ان کا دِل لرز گیا خیمہ سے بے تابانہ نکلے اور اصحاب امام حسینؑ کو جمع کر کے کہنے لگے دوستو وائے ہو تم پر اور تمہاری اِس حالت پر کہ اولادِ رسُولؐ پیاس کی شدت سے تڑپ رہی ہے اور ہم اپنے کانوں سے ان کی فریاد سُن رہے ہیں۔ سب نے کہا اے بُریر بے شک ان کی فریادوں سے کلیجہ مُنہ کو آتا ہے۔ زندگی وبالِ جان ہو رہی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اِن معصوم بچوں کی تکلیف کیوں کر دُور کریں۔ جناب بُریر نے فرمایا۔ یہ وقتِ شب ہے۔ نہر کے پہرہ دار سو رہے ہوں گے۔ گھوڑوں پر سوار ہو کر چلو اور جس طرح بنے مشکیزوں میں پانی بھر لاؤ ؎

بچوں کو ہم پہ یار بھروسا ہے کس قدر   روتے ہیں بار بار ہمیں دیکھ دیکھ کر

یاورہیں شہ کے کیسے نہ کام آئے آج گر   بچہ کوئی پیاس سے مر جائیگا اگر

کیا پھر جواب دیں گے علیؑ و بتولؑ کو

کس طرح مُنہ دکھائینگے پھر ہم رسُول کو

پس یہ کہہ کر جناب بُریر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ساتھ ان کے دو اور شخص بھی ہمراہ ہوئے۔ بُریر نے ایک سُوکھا ہوا مشکیزہ اُٹھا لیا پہلے دَرِ خیمہ پر تشریف لائے۔ اور بچوں کو پیار کر کے کہنے لگے۔ اے بچو گھبرانا نہیں ہم تمہارے واسطے پانی لینے جا رہے ہیں۔ یا تو پانی لے کر آئیں گے ورنہ تمہیں زندہ صُورت نہیں دکھائیں گے۔ تم اپنے ننھے ننھے ہاتھ درگاہ

الٰہی میں اُٹھا کر دُعا کرنا۔ کہ ہم کو خدا اِس کوشش میں کامیاب کرے۔ یہ کہہ کر جناب بُریر۔ اور ان کے ساتھی گھوڑوں پر سوار ہو کر نہرِ فرات کی طرف روانہ ہوئے۔ جب وہاں پہنچے۔ تو فوج کے ایک سوار نے ٹوک کر کہا۔ کون آتا ہے جناب بُریر نے اس کی آواز کی پہچان کر لی۔ اور کہا۔ کہ اے عبداللہ میں ہُوں بُریر ابن خضیر ہمدانی۔ اِس لئے آیا ہُوں کہ نہر سے اپنی پیاس بُجھا لُوں اس نے کہا۔ اے بُریر چُونکہ تم میرے ہم قبیلہ ہو۔ لہٰذا اِتنی اجازت دے سکتا ہُوں۔ کہ تم اور تمہارے ساتھی نہر سے اپنی پیاس بُجھا لیں مشکیزوں میں پانی بھر کر نہ لے جانے دُوں گا۔ جناب بُریر نے فرمایا۔ اے عبداللہ وائے ہو تم پر میرے اُوپر تو تجھے رحم آتا ہے۔ مگر اولادِ رسُولؐ پر رحم نہیں آتا۔ آہ چھوٹے چھوٹے بچے پیاس سے اِس طرح تڑپ رہے ہیں کہ اُن کی فریادوں سے دِل ہِلے جاتے ہیں۔ یہ سُن کر عبداللہ کے دل پر اثر ہُوا۔ اور کہنے لگا اچھا اے بُریر اِس وقت بہت سے پہرہ دار سو رہے ہیں خاموشی سے اپنی مشکوں کو بھر کر جلد از جلد واپس ہو جاؤ ۔

پس یہ جواب سُن کر حضرت بُریر نہر میں داخل ہوئے۔ پانی کو دیکھتے ہی دِل پر ایک چُھری سی چل گئی۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کی پیاس کا تصوّر

کر کے زار زار رونے لگے اور اپنے دِل میں کہا۔ اگرچہ شدّتِ پیاس سے میرا جگر بھی کباب ہو رہا ہے۔ مگر یہ مروّت سے دُور ہے۔ کہ میں پانی پی لُوں۔ اور بچے پیاسے ہوں۔ جب تک اولادِ رسُول کے بچے سیراب نہ ہونگے پانی پینا مجھ پر حرام ہے۔ یہ کہہ کر جناب بُریر نے پانی کا مشکیزہ بھرا اور خوشی خوشی وہاں سے نکلے۔ آہ آہ مومنین۔ ایک سپاہی نے ان کو پہچان کر شور مچایا۔ کہ اے پہرہ دارو کیا بے خبر پڑے سوتے ہو۔ بُریر ہمدانی لشکرِ حسینؑ کی طرف پانی لے جا رہا ہے۔ جلد انہیں گھیر کر پانی چھین لو۔ پس یہ آواز اس شقی کی سُن کر تمام پہرہ دار چونک پڑے اور چاروں طرف سے جناب بُریر اور ان کے ساتھیوں کو گھیر لیا۔ سُبحان اللہ، اصحاب حسینؑ کیسے بہادر جانباز تھے کہ تینوں دینداروں نے تلواریں نیام سے کھینچ لیں۔ اور ان اشقیا سے لڑنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ بہت سے ناریوں کو واصلِ جہنّم کیا! ان کی بے پناہ تیغ زنی دیکھ کر وہ روباہ صفت بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور جناب بُریر صحیح وسلامت مشکیزہ لئے ہوئے خیمہ گاہ حسینؑ میں داخل ہو گئے۔ مومنین اِس وقت بُریر کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ دُور ہی سے ؎

آواز دی بچوں کو جلدی اِدھر آؤ   اور کُوزے جو خالی ہیں سبھی ساتھ لے آؤ

سُنتے ہی صدا بچوں کا اِک غول جو آیا   ہر ایک نے پانی کے لئے ہاتھ بڑھایا

گرتے ہی گئے سارے وُہ مشکیزہ کے اُوپر

تب کھل گیا مشکیزہ کا مُنہ وائے مقدّر

پس جتنا پانی تھا وُہ زمین پر بہ گیا۔ حضرتِ بُریر کی محنت سب خاک میں مِل گئی۔ بچے یہ دیکھ کر رونے لگے۔ اللہ اللہ کس قدر پیاس کا غلبہ ان بچوں پر تھا۔ کئی بچے اِس زمین پر جہاں پانی بہ گیا تھا۔ لیٹ گئے تاکہ زمین کی نمی سے دِل کو کچھ تسکین ہو۔ یہ حضرتِ بُریر سے دیکھا نہ گیا۔ پس حضرت سے میدانِ کارزار کی اجازت لے کر ان نامردوں پر جھپٹ پڑا۔ راوی لکھتا ہے کہ حضرتِ بُریر نے تھوڑے عرصہ میں ان ملاعین کے کُشتوں کے پُشتے لگا دیئے۔ اور کسی کو مقابلہ کی جُرأت نہ ہوتی تھی۔ پس بحکم عُمرِ سعد سب نے ایک بار اس شیرِ دلیر پر حملہ کیا۔ اور چاروں طرف سے گھیر کر اس شیرِ دلیر پر وار کرنے لگے۔ یہاں تک کہ حضرت بُریر سر سے پا تک زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑے اور گرتے ہی آواز دی یابن الرسول اللہ اور کہا۔ اے فرزندِ رسول میری مدد کو آئیے۔ کہ میں نے اپنی جان آپ پر سے نثار کی۔ یہ سُن کر امام حسین علیہ السلام معہ چند رُفقا کے بُریر کے پاس پہنچے۔ لیکن

آہ، آہ حضرت کے پہنچنے سے پہلے جناب بُریر راہی جنت ہو چکے تھے۔ حضرتِ سید الشہدا بُریر کی لاش لے کر خیمہ میں آئے۔ لکھا ہے کہ جب بچوں کو معلوم ہُوا۔ کہ بُریر کی لاش آئی ہے۔ تو سب حلقہ باندھ کر گردِ لاش جمع ہو گئے۔ اور بے اختیار کہا ؎

بچوں کی تھی یہ صدا۔ یادرِ شہ واہ واہ ؟ دِل پہ ہے صدمہ بڑا۔ یادرِ شاہ واہ واہ
اے بُریر خیرخواہ، تھا جو صلہ تیرا بڑا کون ہے تجھ سے بھلا۔ یادرِ شاہ واہ واہ

پانی تھا تیرے مُنہ کے پاس۔ کیوں نہ بُجھائی پیاس
خیال ہمارا رہا۔ یادرِ شہ واہ واہ

جب تک تھی جان میں جاں۔ ہمارا رہا تجھکو دھیان پانی تُو لاکر رہا۔ یادرِ شہ واہ واہ
مَر گیا تُو اچھے لیے ہماری ہے قسمت کا پھیر ہے غم سے کلیجہ بھرا، یادرِ شاہ واہ واہ

خوش بخت تھا کیا وُہ جری اے غلام حیدری
بچوں کا تھا ماتم بپا۔ یادرِ شاہ واہ واہ

بارھویں مجلس

درحالات شبِ عاشور

حضرات بیہقی نے مشاہیرِ صحابہ سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ کہ حضرت رسُول خدؐا نے فرمایا۔ مَنْ اَمَرَدَہٗ اَنْ یَنظُرَ اٰدَمَ فِیْ عِلْمِہٖ وَ اِلٰی نُوحٍ فِیْ تَقْوَاہُ وَ اِلٰی اِبْرَاھِیْمَ فِیْ حِلْمِہٖ وَ اِلٰی مُوسٰی فِیْ ھَیْبَتِہٖ وَ اِلٰی عِیْسٰی فِیْ عِبَادَتِہٖ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی وَجْہِ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِب یعنی جو شخص یہ چاہتا ہے۔ کہ آدمؑ کو علم میں۔ نوحؑ کو اُن کے تقویٰ میں۔ ابراہیمؑ کو ان کے حلم میں۔ موسیٰؑ کو ان کی ہیبت میں اور عیسیٰؑ کو اُن کی عبادت میں دیکھے۔ پس اس کو چاہیئے۔ کہ علیؑ کے چہرے کی طرف نظر کرے یعنی یہ سب کمالات ان کے اندر اس کو مِل جائیں گے۔ حضرات قُدرت نے جب خلافت کی بُنیاد رکھی۔ تو حکم ہُوا۔ کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً یعنی مَیں زمین کے بیچ میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ یعنی کہ قُدرت ایک قصرِ نبوت تیار کر رہی ہے۔ تو آپ جانتے ہیں۔ کہ جب مکان بنایا جاتا ہے

تو پہلے مکان کی بُنیاد رکھی جاتی ہے۔ پس حضرتِ آدم صفی اللہ سے قصرِ نبوت کی بُنیاد رکھی گئی۔ اور پھر یکے بعد دیگرے قصرِ نبوت تیار ہوتے چلے آئے۔ تا آنکہ جناب محمد مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر ختم نبوت ہوئی۔ اور یہ آخری قصرِ نبوت تھا۔ مگر اِس شان کا۔ کہ تمام کمالاتِ انبیاء کا مجموعہ کیونکہ ان کے بعد دورِ نبوت ختم تھا۔ اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے یہ ہادی و رہبر تھے۔ اِسی لئے قُدرت نے تمام شرف و فضل اِس قصرِ نبوت پر تمام کر دیئے۔ چونکہ مکان کے واسطے دروازہ باعثِ فضیلت شمار ہوتا ہے۔ کیونکہ دروازہ دیکھ کر ہی مکان کی شان کا پتہ چلتا ہے۔ اِس لئے اِس آخری نبوت کا دروازہ اِس شان کا تھا کہ اِس دروازے سے ہر ایک نبی کے قصر میں جانے کا راستہ مِل جائے۔ بلکہ دروازہ ہی میں وہ خصوصیات ہوں کہ تمام انبیا کی یاد تازہ ہو جائے۔ اِسی لئے حضرت ختمی مرتبت نے فرمایا تھا کہ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا میں علم کا شہر ہوں۔ اور علی اس کا دروازہ ہے۔ حضرات یہی کمالات اُن میں تھے۔ جن کو دیکھ کر لوگوں کے دِل میں شک و حسد کی آگ بھڑک اُٹھی۔ چونکہ وُہ اِن صفات میں حضرت کا مقابلہ تو نہ کر سکتے تھے۔ لہٰذا دُنیوی حیثیت سے ان کے مدارج گھٹانے

کی کوشش کرتے تھے۔ ان کا یہ رُوحانی اقتدار آنکھوں میں خار کی طرح سے کھٹکتا تھا۔ وہ سمجھے ہوئے تھے۔ کہ ان کی موجودگی میں ہم کو دینی پیشوائی میں فروغ حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ یزید امام حسینؑ کے درپے قتل ہوا وہ جانتا تھا اور اچھی طرح جانتا تھا۔ کہ جب تک حسینؑ دُنیا میں موجود ہیں وہ خلیفۂ رسُول کی حیثیت اختیار نہیں کر سکتا۔ افسوس صد افسوس بجائے اِس کے کہ مُسلمان اہل بیت علیہم السلام کے علم و فضل سے رُوحانی برکات حاصل کرتے۔ ان کے ایسے جانی دُشمن ہوئے کہ جب تک کربلا میں اس گھر کو اچھی طرح تباہ و برباد نہ کر لیا چین نہ آیا۔ آہ آہ کونسی تکلیف تھی جو دُشمنانِ دین نے ان پاک ہستیوں کو نہیں پہنچائیں خاص کر کربلا میں تو وہ وحشیانہ مظالم ہوئے۔ کہ جن کے تصوّر سے کلیجہ لرزتا ہے۔ بہتر بیکسوں کو لاکھوں خونخوار درندے گھیرے ہوئے تھے۔ دُوسری محرم سے نبیؐ کے نواسے پر چڑھائی شروع ہوئی اور دسویں محرم کو پنجتن پاک کا خاتمہ ہو گیا۔

مومنین، روزِ عاشور کی صُبح وُہ صُبح تھی۔ کہ آسمانِ ہدایت کے تابندہ ستارے زمینِ نینوا میں غروب ہو گئے۔ اور دُرجِ رسالت کے آبدار موتی

خاکِ ماریہ میں بکھر گئے۔ شب عاشور کے واقعات کے متعلق لکھا ہے۔ کہ یہ رات اہلبیت طاہرین کو بصد مشکل ملی تھی۔ کیونکہ ملاعین اجازت مہلت کی نہ دیتے تھے۔ اہل بیت طاہرین نے محض یہ رات آخری عبادت کے لئے مخصوص کر لی تھی۔ راوی لکھتا ہے۔ کہ تمام رات کیا مرد کیا بوڑھے۔ کیا جوان اور کیا بچے اِس طرح سے عبادت میں مصروف تھے کہ آوازان کی شہد کی مکھیوں کی طرح آرہی تھی۔ اِن نفوس میں کوئی سویا نہیں۔ بلکہ عبادت الہٰی میں ہی رات گزار دی۔ یہ رات ایسی ہولناک تھی کہ چرند۔ پرند بدحواس جنگل سنسان۔ اہلبیت کی یہ آخری رات دُنیا میں تھی۔ راوی کہتا ہے کہ جناب سیدالشہداء عبادت میں مصروف ہی تھے۔ کہ ان کی لاڈلی بیٹی جناب سکینہ۔ حضرت کی گود میں آبیٹھی۔ آپ اس کو سینے سے لپٹا کر پیار کرنے لگے۔ یُوں تو حضرت کو اپنے سب بچوں سے ویسی ہی محبت تھی۔ مگر یہ بچی ہمیشہ باپ کے سینے پر سونے کی عادی تھی۔ شب عاشور کی رات۔ حضرت کے سینے سے لپٹی ہوئی۔ یکدم خواب سے چونک پڑی اور رو تی جاتی تھی۔ حضرت نے پُوچھا۔ کہ اے بیٹی تیرے رونے کا کیا باعث ہے۔ فرمایا اِس معصوم نے۔ کہ اے بابا مَیں نے ایک

ہولناک خواب دیکھی ہے۔ کہ جب سے پریشان ہُوں۔ آپ نے پُوچھا۔ کہ اے سکینہ وُہ کیا خواب ہے۔ مجھ سے بھی بیان کرو۔ فرمایا اِس معصوم نے کہ اے بابا مَیں خواب میں دیکھتی ہُوں کہ ایک لشکر بیکراں لے جن کے ہاتھوں میں برچھیاں اور نیزے ہیں۔ ہمارے خیموں کے اندر چلے آئے ہیں۔ اور ؎

لیتا ہے کوئی زینبؑ و کلثوم کی چادر عابد کو جگاتا ہے۔ کوئی مار کے ٹھوکر
ہے چھینتا کانوں سے بالے کوئی گوہر آتش سے جلاتا ہے۔ کوئی آپ کا بستر

سر ننگے حرم آپکے چلاتے ہیں بابا
اور کوئی حمایت کو نہیں آتے ہیں بابا

بعد اسکے میں کیا دیکھتی ہُوں اے شہ مضطر یاں آئے ہیں بے سوج و محمل کئی اُشتر
پھوپھیاں ہیں میری اُنپہ چڑھی کھولے ہوئے سر ہیں زینبؑ و کلثوم بھی بے مقنعہ و چادر

لُو چلتی ہے آتش سے ہُوا گرم زمیں ہے
اور پاؤں میں سجادؑ کے نعلین نہیں ہے

آغشتہ بخوں سر ہیں کئی نیزوں کے اُوپر کمسن کا کوئی سر ہے جوانوں کے کئی سر
کوئی تو ہے مہتاب، کوئی مہر منوّر اِک سر ہے کہ مگر اشتر زینبؑ کے برابر

نیزے پہ عجب شان سے وُہ جلوہ نما ہے
اُلفت کی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا ہے

پس سکینہ سے یہ خواب سُن کر آپ بہت روئے۔ اور فرمایا۔ کہ اے جانِ پدر اِس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تُو بے پدر ہوگی۔ اور مَیں بے سر ہوں گا۔ صبر کرو خُدا صابروں کے ساتھ ہے۔ اور اے میری پیاری ؎

سر خواب میں دیکھے ہیں جو ہیں نیزوں کے اُوپر اے جانِ پدر فوجِ حُسینی کے ہیں وُہ سر
کھاتا ہُوں قسم سر کی تیرے اے میری دُختر کٹ جائینگے پیاسوں کے گلے رن میں مکرر

جس سر کی تیرے چہرے پہ اُلفت کی نظر ہے
اے باپ کی پیاری وُہ تیرے باپ کا سر ہے

یہ کلمات اپنے پدر عالی مقدار سے سُن کر وُہ معصوم اپنی ماں کی گود میں چلی آئی۔ مگر روتی جاتی تھی۔ اپنی ماں سے مل کر سب حال بیان کیا اور یہ بھی کہا۔ کہ اے امّاں جان میرے بابا فرماتے تھے۔ کہ اے سکینہ کل تُم پر کوہِ یتیمی گر پڑے گا۔ پیاری امّاں مجھے بتلائیے کہ کوہ یتیمی کیا ہوتا ہے۔ یہ سُن کر ؎

ناداں کی باتوں پہ وُہ رونے لگی ناچار چھاتی سے لگا کر وُہ پکاری بدلِ زار

صدقے گئی چل جائے گی جب شاہ پہ تلوار اور آلِ نبی ہوئیگی آفت میں گرفتار

ننھا سا گلا جب تیرا رسّی میں بندھے گا
تب حال یتیمی کا میری جان کھُلے گا

حضرات راوی جو واقعہ کا مُبصر ہے۔ وُہ بیان کرتا ہے۔ کہ جناب سیدالشہداء شبِ عاشور کو تھوڑی دیر کے لئے اپنے خیمہ سے برآمد ہوئے تاکہ اپنے عزیز و انصار کی حالت کو ملاحظہ فرمائیں۔ آپ انصاروں کے خیمے دیکھنے کے بعد اپنے عزیزوں کے خیمے کی طرف آئے۔ تو کیا دیکھا کہ سب بی بیاں اپنے اپنے بچوں کو واسطے جنگ کے تیار کر رہی ہیں اور ساتھ نصیحت آمیز کلمات بھی کہتی جاتی ہیں۔ سب سے پہلے آپ اپنی ماں جائی بہن جناب زینبؑ کے خیمے میں آئے۔ اور باہر کھڑے اپنی ہمشیر کی گفتگو سُننے لگے۔ تو دیکھا کہ عون و محمد ماں کے پاس بیٹھے ہیں۔ اور جناب زینبؑ بچوں سے کہتی ہیں کہ اے جگر گوشو کل ماموں جان پر نثار ہونے کا وقت ہے۔ امتحان کارِ زار میں کہیں زینب کو شرمندہ نہ کرنا تم جعفر طیار کے پوتے ہو اور علی مُرتضٰی کے نواسے ہو۔ ایسی جنگ کرنا۔ کہ دُشمن پناہ مانگتے پھریں اے پیارو اپنی جان کو عزیز

نہ کرنا۔ دیکھو غیر تو اس طرح اپنی جانیں قربان کریں اور تم بھا نجے ہو کر اگر اپنے خون میں نہ نہاؤ۔ تو تمہاری زندگی کس کام کی ۔ یہ سُن کر جناب سیدالشہدا دیر تک روتے رہے۔ پھر دُوسرے خیمہ میں پونچے۔ تو کیا دیکھا۔ کہ جناب اُم لیلیٰ کا چشم و چراغ ۔ ہمشکل پیمبر۔ اٹھارہ برس کا کڑیل جوان سویا ہوا ہے۔ اور ماں علی اکبرؑ کے چہرے پر ٹکٹکی باندھے خاموش دیکھ رہی ہے اور کہتی ہے۔ کہ کل کو یہ تصویر پیغمبر خاک میں مل جائے گی ہاں کی کُوکھ اُجڑ جائے گی۔ یہ سُن کر حضرت رُومال سے آنسو پونچھتے ہوئے چل پڑے۔ تو کیا دیکھا کہ ایک خیمہ سے رونے کی آواز آ رہی ہے جب آپ وہاں پونچے۔ تو حضرت نے عجیب و غریب منظر دیکھا۔ کہ جناب اُم کلثوم تو رو رہی ہیں۔ اور حضرت عباسؑ ایک گوشے میں بیٹھے اپنی تلوار صیقل کر رہے اور جناب اُم کلثوم روتی جاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ کل تمام بی بیاں اپنے اپنے بچوں کو جناب سیدالشہدا پر قربان کریں گی میں اپنے ماں جائے بھائی پر کیا قربان کروں گی۔ اگر آج یہ موقعہ نہ ہوتا۔ تو میں لاولدی کی کبھی شکایت نہ کرتی۔ یہ سُن کر جناب عباسؑ علمدار فوراً اُٹھے اور اُم کلثوم کے قدموں پر سر جھکا دیا کہا

کہ اے بہن۔ مجھے اپنی طرف سے شہ پر قربان کرنا۔ اُٹھو اپنے ہاتھ سے میری کمر میں تلوار باندھو میں آپ کی طرف سے فدیہ ہونگا۔ یہ سُن کر جناب سیدالشہدا کا حال بہت ابتر ہوا روتے روتے ہچکی بندھ گئی اور آپ اپنے خیمہ میں چلے گئے۔ اتنے میں جناب زینبؑ کی نظر جو آسمان پر گئی۔ تو کیا دیکھا۔ کہ سپیدہ صُبح نمودار ہے آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے۔ کہ ناگاہ علی اکبر ہمشکل پیغمبر نے اذان کہی۔ پیاسوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں نکلیں۔ سب کہتے تھے۔ کہ یہ آخری اذان ہے بالخصوص مادر علی اکبر و جناب زینبؑ کو تاب نہ تھی۔ عالم بیہوشی میں تھیں۔ کہ فضہ نے کہا۔ بی بی صبر کرو۔ اُٹھو وقت نماز ہے۔ ان کی سلامتی کی دُعا مانگو۔ یہ سُن کر وُہ غم کی ماریاں اُٹھیں وضو کیا۔ نماز گزاری۔ ادھر جناب سیدالشہدا کی اقتدا میں سب غازیوں نے نماز پڑھی۔ ابھی حق و صداقت کے مجسمے نماز خُدا ہی میں مصروف تھے۔ کہ فرقہ ناہنجار کی طرف سے تیروں کی بوچھاڑ شروع ہوئی۔ بہت سے اصحاب باوفا شہید راہِ خُدا ہوئے۔ باقی جو بچے وُہ باری باری بعد حصول اجازت امام عالی مقام میدانِ کارزار میں آ آ کر شہید ہونے لگے حضرت سیدالشہدا ہر ایک کی لاش پر جاتے تھے۔ اور ان کو خیمہ تک لاتے تھے۔ تا آنکہ آپ کے عزیزوں کی باری آئی۔ وہ بھی باری باری تھوڑے

ہی عرصہ میں اپنی جانِ عزیز سیدالشہدا پر قربان کر گئے۔ اس کے بعد حضرت نے اپنی موت پر کمر باندھی۔ اور واسطے رُخصت کے خیمۂ اہل حرم میں داخل ہوئے۔ اور پہنچکر در خیمہ پر آواز دی۔ کہ یا زینب و یا اُم کلثوم و یا سکینہ و یا رباب علیکن منی السلام پھر فرمایا السلام علیک یا فضہ جاریۃ اُمی فاطمۃ الزہرا اور سلام ہو میرا فضہ میری ماں فاطمہ زہرا کی کنیز پر۔ حضرت کی آواز سُنتے ہی تمام بی بیاں آپ کے گرد جمع ہو گئیں اور رو رو کر پُوچھنے لگیں۔ اے فرزند رسُول کس ارادہ سے آپ تشریف لائے ہیں۔ فرمایا۔ الوداع ۔الوداع ۔الفراق۔ الفراق۔ یہ سُنتے ہی ان بے کسوں کے دِل سینوں میں ہِل گئے۔ اور خیمے کے اندر ایک کہرام بپا ہو گیا۔ چاروں طرف سے دُکھیا سیدانیاں حسینؑ کو اپنے حلقہ میں لئے ہوئے تھیں۔ جناب زینب عاشق زار بہن ۔چادر سر سے ڈھلکی ہوئی۔ بال کھُلے ہوئے۔ بھائی کے گلے میں باہیں ڈال کر

زینب نے رو کے پُوچھا کہ یاور کدھر گئے — عباسؑ و قاسمؑ علی اکبرؑ کدھر گئے
میرے پسر عقیل کے دلبر کدھر گئے — مسلمؑ کے لال دلبر حیدرؑ کدھر گئے
کوئی نہیں رکاب شہ دیں پناہ میں — رو کر کہا۔ کہ سوتے ہیں سب قتل گاہ میں

ہمشیر سب ہمارے مددگار مر گئے — بھائی بھتیجے بھانجے انصار مر گئے
شانے کٹا کے بھائی علمدار مر گئے — اکبر بھی کھا کے نیزۂ خونخوار مر گئے

رُخصت دو جلد فاطمہ کے نورِ عین کو
جُز مرگ اب کوئی نہیں چارہ حسینؑ کو

ابھی آپ یہ کہہ ہی رہے تھے۔ کہ ایک چہار سالہ بچی نے آکر امام مظلوم کا دامن تھام لیا۔ اور پُوچھنے لگی۔ کیوں بابا جان آپ نے مرنے پر کمر باندھی فرمایا اے بیٹی کیونکر موت کو وُہ قبول نہ کرے جس کا کوئی مُعین و ناصر نہ ہو۔ یہ سُن کر بچی نے حسرت بھری نظر سے باپ کے چہرے کو دیکھا اور کہنے لگی یَا اَبَتِ رُدَّنَا اِلیٰ قَبرِ جَدِّنَا ۔ اے بابا اگر یہ بات ہے تو پھر ہم کو ہمارے جد کی قبر پر پہنچا دیجئے۔ امام مظلوم نے ایک آہِ سرد بھر کر فرمایا۔ یا بُنَیّتِی لَو تُرِکَ القَطَا لَنَامَ ۔ اے نُورِ دیدہ اگر میرے امکان میں ہوتا۔ تو تم کو اس مصیبت میں کیوں چھوڑتا۔ آہ یہ سُن کر بالی سکینہ بلبلا کر رونے لگی۔ امام علیہ السلام نے بچی کو سینہ سے لگایا اور دیر تک پیار کرتے رہے۔ اور فرمانے لگے کہ اے بیٹی اب میرے سینہ سے سر اُٹھا لو اور صبر کرو میری رُوح کو زیادہ نہ تڑپاؤ۔ اے بیٹی تیرے رونے سے مجھے

سخت اذیت ہوتی ہے جس وقت میں دُنیا سے گزر جاؤں گا۔ تو پھر چتنا جی چاہے رو لینا۔ میں تمہیں منع کرنے نہیں آؤں گا۔ بلکہ تو سب سے زیادہ حقدار ہے۔ کہ میری لاش پر روئے اور اے پیاری بیٹی اب صبر کر دیگر وُہ بچی کسی طرح سے سینۂ مُبارک سے جُدا نہ ہوتی تھی ۔

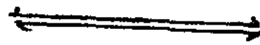
نوحہ

شاہ کہتے تھے بس زیادہ و غم کھاؤ سکینہ — ماں پاس میری گونت بس جاؤ سکینہ
ماں باپ الگ کے بھلا بیٹی جیتے ہیں — اطفال سے دل کھیل کے بہلاؤ سکینہ

میں کہتا تھا رکھو مجھ سے تو اُلفت نہ زیادہ
ایسا نہ ہو اِک روز کو پچھتاؤ سکینہ

رو رو کے کیوں جان کو کیوں کھوتی ہے بیٹی — بابا کو دمِ مرگ نہ رُلواؤ سکینہ
خدشہ ہے مجھے کانوں کا اے میری پیاری — خود بالیاں تم کانوں سے اُترواؤ سکینہ

شہزادی مری ننھے سے ہاتھوں کو اُٹھا کر
ذاکر کو قیامت میں بھی بخشاؤ سکینہ



تیرھویں مجلس

در شہادت حضرت عون و محمد فرزندانِ حضرت زینبؑ

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ فِی کتابِ المجید و فرقانِ الحمید، یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْن۔ حکم ربانی ہے۔ ایمان والوں سے خطاب ہو رہا ہے۔ کہ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو۔ اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ اوّل شرط ہے۔ کہ خُدا سے ڈرنا یعنی خوفِ خُدا دِل میں رکھنا کسی یتیم کو کسی فریب کر ستایا نہ جائے۔ کسی کا مال خورد بُرد نہ کیا جائے حُدودِ الٰہی سے تجاوز نہ کیا جائے۔ پھر بعد میں سچوں کے ساتھ ہونا۔ ساتھ ہونا اور چیز ہے۔ اور ساتھی بننا اور چیز ہے یعنی اِس طرح کا ساتھ دو۔ کہ اُن سچوں کے ہر ایک حکم کی پُوری پُوری تعمیل کرو۔ اور اگر ان کو پابندِ کلفت مُصیبت دیکھو۔ تو اپنی جان تک دینے میں فرق نہ کرو۔ میدانِ کربلا میں حق و باطل کی میزان نصب تھی۔ کیونکہ جناب امام حسین علیہ السلام نے جب دیکھا کہ اب دین اسلام جو میرے نانا جان نے بہ ہزار مشقت قائم کیا تھا۔ اب

یزیدی خونخوار بھیڑیئے۔ اس کو نیست و نابود کر رہے ہیں۔ تو ایک تڑپ آپ کے دِل میں پیدا ہوئی اور دین اِسلام کو باقی رکھنے کے لئے مستقل تہیہ کر کے اپنی کل بضاعت کو لا کے میدان میں لا کر رکھ دی۔ اور کہا کہ خواہ حسینؑ کے گھر کا بچہ بچہ تک دینِ اِسلام پر قربان ہو جائے۔ مگر اسلام کو زندہ کر کے چھوڑوں گا۔ حضرات یہی میدانِ حق و باطل تھی۔ کیا بوڑھے کیا نوجوان۔ کیا بچے اپنی جان کو بڑی خوشی سے حفاظتِ اسلام کے لئے وقف کئے ہوئے تھے چنانچہ راوی جو واقعہ کا منصر ہے۔ لکھتا ہے۔ کہ جب آپ کے انصار حضرت پر سے اپنی جانیں قربان کر چکے! اور حضرت مُسلم کے نونہال بھی شہید ہو چکے۔ تو جناب زینبؑ ہمشیرِ دلگیر جناب شبیر بڑی بے قرار تھیں۔ اور کہتی تھیں کہ حضرت کے اُوپر غیر تو اپنی جانیں قربان کر دیں۔ اور زینب کے بیٹے جیتے جاگتے پھریں یکدم اُٹھیں۔ بیٹوں کو سامنے بلایا۔ عون و محمد حاضر ہوئے۔ ماں کو ادب و سلام بجا لائے۔ ماں نے بیٹوں کو غیظ و غضب کی نظر سے دیکھا اور کچھ عرصہ خاموش رہیں۔ بیٹوں نے کہا۔ کہ اے اماں جان آپ غلاموں سے کیوں ناراض ہیں۔ ماں نے غصے سے کہا کیا مجھ سے پوچھتے تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے ماموں جان پر غیر تو اپنی جانیں فدا کریں۔ اور تم بھانجے ہو کر

مُنہ چھپائے پھرو۔ عرض کی شہزادوں نے۔ کہ اے اماں جان آپ کو کیا معلوم کہ ہم نے دل میں کیا ٹھان رکھی ہے۔ مگر کیا کریں۔ مجبور ہیں ماموں جان ہمیں اجازت نہیں دیتے۔ آپ حضرت عباسؑ چھوٹے ماموں جان سے پُوچھ لیں۔ ہم نے ان کی خدمت میں بھی رُخصت کے لئے عرض کیا ہے۔ یہ سُن کر جناب زینبؑ کو تسکین ہوئی۔ سمجھیں کہ میرے بیٹے مجھے سُرخرو کریں گے۔ کہنے لگیں مجھے تو کچھ پتہ نہیں کیا ہو گا۔ مگر اے نورِ چشموں۔ تُمہیں خود تو تمہارے ماموں جان اجازت دینے نہیں آئیں گے۔ جاؤ جس طرح سے بن پڑے منت سے سماجت سے اجازت حاصل کر لو۔ فرمایا عون و محمد نے کہ اے اماں جان آپ ہی چل کر ہمیں اجازت دلوا دیجئے۔ یہ سُن کر حضرت زینبؑ نے اپنے پھُول سے بچوں ساری عمر کی کمائی کو ساتھ لیا۔ اپنے بھائی کے خیمے کے گرد چکر کاٹنے لگیں۔ حسینؑ کی نظر پڑ گئی۔ دیکھا کہ ماں جائی زینب چھوٹے سے دو پھُول ساتھ لئے ہوئے کھڑی ہیں۔ پُوچھا کہ اے بہن خیر تو ہے۔ آج ان دونوں گلعذاروں کو کیوں ساتھ لائیں۔ کہا کہ اے ماں جائے۔ میں کوئی مرد نہیں ہوں۔ کہ تمہارے دُشمنوں کو تم سے دفع کر دوں۔ کوئی فوج نہیں رکھتی۔ صرف

یہی میری کائنات دو بچے ہیں۔ ان کو اجازت دو۔ کیونکہ میں نے سنا ہے۔ کہ کربلا کے لئے فدیہ دیا جاتا ہے۔ میرے بچوں کو اجازت دے کر زینب کو جلالو۔ بروز حشر اماں کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ جب وہ پوچھیں گی کہ اے زینب تم نے بھائی کی کیا امداد کی۔ تو شرمندہ ہو کر رہ جاؤں گی۔ آج زینب کی لاج رکھ لو اور ان کو اجازت دو۔ یہ سن کر حضرت آبدیدہ ہو گئے۔ اور کہا اے بہن زینب یہ تم نے کیا کہا۔ تمہارے کارنامے دنیا سر آنکھوں پر رکھے گی۔ کیا یہ دو بچے اس ٹڈی دل لشکر کو مٹالیں گے۔ کیوں ان کو ضائع کرتی ہو ابھی انہوں نے دنیا کا دیکھا ہی کیا ہے۔ ماموں کے پاس آکر جو جو بھوک پیاس کی شدت انہوں نے دیکھی ہے ان کے لئے وہی کیا کم ہے حسینؑ کا دل گوارا نہیں کرتا۔ کہ اپنے منہ سے مرنے کی اجازت دوں

اے زینب ضد نہ کرو۔ ان کو واپس لے جاؤ ؎

ہیں یہ گل تر جیبؑ جعفرؑ کے چمن کے

کھو یا کسی بھائی نے بیٹوں کو بہن کے

یہ کہہ کر آپ روتے ہوئے باہر تشریف لے گئے۔ دل میں خیال آیا۔ کہ اگر خیمہ میں ہونگا تو زینب بہ ضد ہو کر بچوں کو اجازت کارزار دلا دے گی۔

جب آپ باہر چلے گئے تو جناب زینب نے اپنے خیمے میں پہنچکر تبرکات نکالے اور دونوں بچوں کو آراستہ کرنے لگیں۔ پٹکوں سے کمریں کسیں پشت پہ ڈھال لگائی۔ سر پر عمامے باندھے۔ اور چھوٹی چھوٹی تلواریں کمر میں لگائیں اور ہلکی ہلکی زرہیں بدن میں پہنائیں پھر پیار سے دونوں کا منہ چوما چھاتی سے لگایا۔ اور فرمانے لگیں ؎

اے موت انہیں قبر کے رستہ پہ لگا دے | گھر کی طرح پردیسیوں کو راہ بتا دے
تلوار کا پانی میرے پیاسوں کو پلا دے | زینب کی مرادوں کے چراغ آج بجھا دے

دربار خدا میں انہیں جانا ہو مبارک

جیتے ہوئے پھر گھر میں نہ آنا ہو مبارک

یہ کہہ کر فضہ کو اپنے ماں جائے بھائی کے بلانے کے واسطے بھیجا مگر حضرت نے کہا کہ اے فضہ میں جانتا ہوں جس واسطے زینب مجھے بلاتی ہے۔ میں خیمہ میں نہیں آؤں گا۔ یہ سن کر فضہ واپس آگئیں۔ اور کہا۔ کہ اے بی بی حضرت تشریف نہیں لاتے، میں نے ہر چند کہا مگر وہ نہیں مانتے۔ یہ سن کر جناب زینبؑ یاس سے دونوں بچوں کا منہ تکنے لگیں اور حالت پریشانی میں ؎

تب رو کے صدا دینے لگیں شاہ نجف کو | اے بابا ذرا آؤ غریبوں کی مدد کو
سر نذر دیا حرؑ نے بھی زہرا کے خلف کو | محتاج ہوا سے ہیں شہادت کے شرف کو

مقتل میں قضا لوٹتی ہے سب کی کمائی

اب تک نہ ٹھکانے لگی زینب کی کمائی

پس یہ کلمات کہہ کر شہزادوں سے فرمانے لگیں اے فرزندو مت گھبراؤ ابھی مشکل آسان ہو گی۔ فوراً آپ نے اپنے بھائی عباسؑ علمدار کو بلایا جب وہ حاضر ہوئے۔ تو کہا کہ اے بھیا عباسؑ میں اپنے بچوں کو اپنے بھائی پہ قربان کرنے کے لیے بیٹھی ہوں مگر وہ تشریف نہیں لاتے۔ میری بے قراری کا انہیں خیال نہیں۔ اے عباسؑ یہ صیبتیں فدیہ دینے سے رد ہوتی ہیں زینب کے پاس سوا ان دونوں بچوں کے اور کیا رکھا ہے۔ جو بھائی پہ صدقے کروں۔ اے عباسؑ آپ ان بچوں کو ساتھ لے جائیے۔ اور آقا سے سفارش کر کے اتنا کہہ دیجئے ؎

گھر میں دو قدم رنجہ کیا شاہ زمن نے

بھجوایا ہے صدقہ انہیں ناشاد بہن نے

الغرض حضرت عباسؑ ان دو نونہال گلستان جعفری کو ساتھ لئے

خدمت امام مظلوم میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی۔ کہ میرے آقا۔ شاہزادی کسی طرح نہیں مانتی۔ حضور کو اذن دیئے بغیر چارہ کار نہیں معلوم ہوتا۔ آپ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ ایک تیر غم دل پر لگا اشکوں کی جھڑی لگا دی۔ پس جناب زینبؑ پس در سے کہنے لگیں ماں جائے زینب آپ پر نثار ہو۔ ان اپنے غلاموں کو نہ روکئے۔ اور اجازت کارزار عنایت فرمائیے مجھے کنبہ کی عورتوں سے ندامت ہو گی۔ بہن کی یہ تقریر سن کر فرمایا آپ نے کہ افسوس خدا کسی پہ یہ وقت نہ ڈالے۔ کہ گودوں کے پالے بھی مرنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ اور حسینؑ بے کس انہیں روک نہیں سکتا۔ اچھا فرزندو جاؤ۔ اور دشمنوں کے تیغ و تبر کھاؤ تمہارا داغ بھی میری قسمت میں لکھا ہے۔ یہ سن کر زینبؑ نے بچوں کو کہا ؎

زینبؑ پکاری مل گئے لو خلعت وقار | مجرے کرو دعائیں دو صدقے ہو بار بار
کیوں اب تو سر فراز ہوئے تم پہ میں نثار | دیکھوں تو کیسے کرتے ہو میدان میں کارزار

بولے پسر کریم کا افضال چاہیے

شہ کی دعا۔ حضور کا اقبال چاہیے

الغرض دونوں شیر گھوڑوں پہ سوار ہو کر میدان کی طرف روانہ ہوئے

اور رجز پڑھنے کے بعد فوجِ مخالف پر ایسا شدید حملہ کیا۔ کہ دشمنوں کے غول کے غول بھاگتے چلے جاتے تھے۔ وہ شہزادے لڑتے لڑتے خیمۂ عمر سعد تک پہنچ گئے وہ ملعون خوف زدہ ہو کر پشتِ خیمہ سے نکل بھاگا اگر وہ کچھ دیر خیمہ میں رہتا۔ تو اس کا کام تمام ہو چکا تھا۔ پس اس ملعون نے نکل کر اپنی فوج کو ڈانٹا۔ کہ کیسے تم بزدل ہو۔ دو بچوں کو نہیں گھیر سکتے۔ ابو خالد بزدی پہلو میں تھا۔ اس نے کہا۔ کہ اے عمر سعد انہیں بچہ نہ سمجھنا۔ یہ جعفرؑ کے پوتے اور علیؑ کے نواسے ہیں۔ ان سے مقابلہ کرنا آسان نہیں ہے ذرا آگے بڑھ کر دیکھ۔ کہ کس طرح دونوں نے خون سے زمین رنگین کر دی ہے۔ اور میدانِ کربلا کو کشتوں سے بھر دیا ہے۔

راوی کہتا ہے۔ کہ وہ جعفرؑ کے دونوں شیر دشمنوں کو خاک پر گراتے اور زور حیدری دکھاتے نہر کے کنارے پر جا پہنچے۔ آہ جب پیاسوں نے نہر کے ٹھنڈے ٹھنڈے پانی کو موجیں مارتے دیکھا۔ تو بدن میں سنسنی پڑ گئی۔ چاہتے تو نہر میں داخل ہو کر پیاس بجھا سکتے تھے۔ لیکن سبحان اللہ کیسے وفادار و حق شناس تھے۔ کہنے لگے۔ کہ ہم سے چھوٹے چھوٹے بچے تو خیموں میں

پیاسے ہوں۔ اور ہم پانی پی لیں۔ پس پانی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ کتبِ مقاتل میں ہے۔ کہ جب یہ دونوں شیر فرات کی طرف سے واپس آ رہے تھے۔ تو ملاعین نے چار طرف سے گھیر کر وار پر وار کرنے شروع کر دیئے۔ زخمی تو تھے ہی۔ کہاں تک ٹڈی دَل فوج کا مقابلہ کرتے آخر جب زخموں سے چور چور ہو کر گھوڑوں سے گرنے لگے۔ تو آواز دی یَا بْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ اَدْرِکْنِیْ۔ حضرت یہ صدا سنتے ہی مقتل کی طرف روانہ ہوئے۔ آہ آہ جب وہاں پہنچے۔ تو دونوں کو خاک پر ایڑیاں رگڑتے پایا۔ غم کی چھری کلیجہ پر چل گئی۔ دل سینہ میں تڑپ گیا۔ حضرت علی اکبرؑ و عباسؑ حضرت کے ساتھ تھے۔ دونوں نے لاشے گود میں اٹھائے اور امام مظلوم نے غلم کے پھریرے سے ان پر سایہ کر لیا۔ غرضیکہ اس طرح سے خیمہ گاہ کی طرف چلے۔ آہ جب سیدانیوں کو معلوم ہوا۔ کہ عون و محمد آ رہے ہیں۔ تو سب خیمۂ جنابِ زینبؑ میں جمع ہو گئیں۔ اُس وقت کا حال کیا بیان کروں۔ کہ جب بچے یعنی زینب کے جگر گوشے خون میں نہائے۔ زخموں سے چور چور جان کنی کے عالم میں خیمے کے اندر لائے گئے۔ ہر ایک بی بی ان کی حالت دیکھ کر ماہیِ

بے آب کی طرح تڑپتی تھی۔ پس جب مادر کی نظر بچوں پر پڑی۔ تو بیتابی سے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ بچوں نے ہاتھ اُٹھا کر ماں کو سلام کیا اور ہلکی آواز میں کہا۔ کہ اماں جان اب تو آپ خوش ہیں۔ خدا گواہ ہے۔ ہم نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ پانی منہ کے پاس تھا اگر قطرہ پیا ہو تو گنہ گار۔ اور اے اماں جان ظالم ہر چند پوچھتے رہے کہ تم کس ماں کے دو نہال ہو۔ مگر ہم نے نہیں بتایا۔ یہ باتیں سن کر جناب زینب بے تاب ہو گئیں۔ دونوں کے منہ چوم کر فرمانے لگیں۔ کہ اے بچو یہ تمہاری ماں تم پر سو جان سے فدا۔ تم نے میری لاج رکھ لی تو میں نے دودھ بھی بخشا۔ مجھ پر تمہارا بڑا احسان ہے۔ ابھی آپ یہ کہہ رہی تھیں ؎

ناگاہ نہیں موت کی ہچکی ہوئی آغاز اور سینہ سے بھی آنے لگی موت کی آواز
زینب کی طرف نرگسی آنکھوں کو کیا باز کی عرض اٹھا لیجئے اب آخری اِک ناز
رکھ دیجئے ملتے قدمِ شاہِ اُمم پر
عسرت ہے کہ دم نکلے تو ماموں کے قدم پر

یہ سن کر جناب زینبؑ کے دل میں مہرِ مادری کا ایک جوش پیدا ہوا

چاہا۔ کہ اپنے جگر گوشوں سے لپٹ جائے۔ مگر حیا نے سیدانی کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی۔ بانوئے امام نے جنابِ سید الشہدا سے فرمایا۔ کہ اے والی میرے۔ اس وقت اِن بچوں کا وقتِ اخیر ہے۔ آپ ذرا باہر تشریف لے جاویں۔ کیونکہ کوکھ اُجڑی ماں اپنے بیٹوں سے آخری گفتگو کرے۔ یہ سن کر جناب سید الشہدا خیمہ سے باہر چلے گئے۔ جناب زینبؑ نے جب دیکھا بچوں کی حالت نازک ہے۔ سانس کی آخری گھڑیاں ہیں۔ تو دونوں بیٹوں کے درمیان لیٹ گئیں۔ داہنا ہاتھ بڑے کے سینہ پر اور اُلٹا ہاتھ چھوٹے کے سینہ پر رکھ کر فرمانے لگیں۔ کہ اے میرے نونہالو۔ میں تمہاری ماں نہیں ہوں۔ اس وقت تمہاری کنیز ہوں۔ یہ اللہ نے تمہیں شرف دیا۔ اے میرے لاڈلو ماں کو سرخرو کرنے والو۔ جنت میں اپنی تشنہ لبی کی شکایت نہ کرنا۔ اے عون بیٹا۔ اپنے چھوٹے برادر کا خیال رکھنا۔ اندھیری رات میں کہیں ڈر نہ جائے۔ ابھی یہ کہہ رہی تھیں۔ کہ ان بچوں کو ایک ہچکی آئی۔ اور دونوں کی روحیں جنت کو پرواز کر گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

چودھویں مجلس

شہادتِ حضرت قاسم علیہ السلام

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ ۔ فرمایا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ حسینؑ مجھ سے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ مومنین۔ یہ تو ظاہر ہے۔ کہ جناب امام حسینؑ رسول اللہ کی پیاری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اور آیۂ مباہلہ میں ابنائنا کے خطاب سے ابن رسول اللہ ہیں۔ مگر آپ کا یہ فرمانا۔ کہ میں بھی حسین علیہ السلام سے ہوں۔ اس میں جو لوگ کوتاہ بین ہیں غلطی کھا جاتے ہیں۔ کہ جناب رسول اللہ حسینؑ سے کیسے ہیں۔ ذرا عقل کی روشنی میں دماغ سے کام لیں۔ اور یاد کریں واقعہ حضرتِ ابراہیمؑ کا۔ کہ جب جناب خلیلؑ اپنے ہاتھ سے اپنے فرزند اسماعیل کو راہِ خدا میں ذبح کر چکے۔ اور آنکھوں سے پٹی اُتاری تو کیا دیکھا۔ کہ جناب اسماعیل تو صحیح و سالم باپ کے پاس کھڑے ہیں۔ مگر دُنبۂ جنت ذبح کیا پڑا ہے۔ بہت گھبرائے۔ دستِ دعا

میں رعشہ تھا۔ دعا مانگی۔ بارِ الٰہا۔ کیا میری قربانی قبول ہوئی۔ ندا آئی۔ کہ اے ابراہیمؑ یہاں نیت کا امتحان تھا۔ فدیت کو دیکھ کر جسم بچا لیا گیا۔ اسی جسم سے ایک روز بڑی قربانی لی جائے گی۔ اس لیے جناب رسالت مآبؐ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ اگر خدا کو حسینؑ کی قربانی میدانِ کربلا میں منظور نہ ہوتی۔ تو جناب اسماعیل میرے جد ذبح ہو جاتے۔ اور میرا وجود دُنیا میں نہ آتا۔ چونکہ جناب اسماعیلؑ بخاطر قربانی جناب حسینؑ زندہ رہے اس لئے میں بھی حسینؑ سے ہوں۔ دوسرے چونکہ شجرِ اسلام کو جو بعد جناب رسالت مآبؐ خشک و پژمردہ ہو گیا تھا حسینؑ نے اپنے خون سے آبیاری کی۔ لہٰذا۔ رسول بھی حسینؑ سے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ ہم اہلبیت اولنا محمدٌ واوسطنا محمدٌ واٰخرنا محمدٌ وکلنا محمدٌ یعنی ہمارا اوّل بھی محمد اور اوسط بھی محمد اور آخر بھی محمد اور ہم کل کے کل محمد ہیں یہی تو وجہ تھی۔ کہ جب جناب سید الشہدا نے دیکھا۔ کہ میرے نانا کے دین کو بادۂ مخالف کے جھونکے برباد کر رہے ہیں۔ اور لوگوں کو صحیح و غلط رستہ کا امتیاز مشکل ہو گیا ہے۔ تو آپ کے دل میں ناقابلِ برداشت تڑپ پیدا ہوئی۔ اور آپ پورے جوش کے ساتھ اُٹھے اور اپنی کل بضاعت کربلا کے

میدان میں لا کر ڈال دی۔ اور روزِ عاشورہ اپنے اور اپنے احباب کے خون سے حق و باطل کے راستوں کے درمیان ایک ایسا نمایاں خط کھینچ دیا۔ کہ قیامت تک دنیا کی کوئی طاقت اس کو مٹا نہیں سکتی حقیقت یہ ہے۔ کہ دینِ خدا کو بدعات سے بچانے کے لئے جس حوصلہ مندی اور غیر معمولی شجاعت سے کربلا والوں نے کام لیا۔ اور اپنے کمال ایمان اور توکل علی اللہ کا بہترین مظاہرہ کرایا دُنیا کی تاریخ میں اس کی مثال ڈھونڈے سے نہیں ملتی زن و مرد۔ جوان و پیر۔ بچہ اور بوڑھا۔ سب کے سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ موت کا وہ تلخ جام جس کے تصور سے لوگوں کے بدن میں رعشہ پڑ جاتا ہے۔ وہ نصرتِ دین کے جوش میں اس ذوق و شوق سے پی رہے تھے۔ گویا دودھ اور شہد کے پیالے۔ ان کے منہ سے لگا دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ منقول ہے۔ کہ جب امام مظلوم کے تمام انصار میدان جنگ میں کام آ چکے۔ اور عزیز بھی درجہ بدرجہ شہادت پانے لگے۔ تو جناب قاسم ابن حسنؑ حاضرِ خدمت ہوئے۔ اور بعد سلام اذنِ کارزار اپنے چچا سے طلب کیا۔ تو جناب سید الشہدا اپنے یتیم بھتیجے کو چھاتی سے لگا کر بہت روئے اور فرمایا اے فرزند قاسم میں تجھے کیونکر اجازت دوں۔ تو میرے بڑے بھائی

کی نشانی ہے۔ تجھے دیکھ کر مجھے اپنی بھائی کی یاد تازہ ہوتی ہے اے فرزند تو ابھی کم سن ہے۔ میرا دل اس پر آمادہ نہیں ہوتا۔ کہ تجھے جیسا زندہ دل کہ ہالے۔ خوش رُو فرزند کو ان خونخوار درندوں میں تیغ و تبر کھانے کے لئے بھیج دوں۔ بیٹا تیری جدائی سے تیری دُکھیا ماں کا کلیجہ شق ہو جائے گا آمان کے دل میں ابھی بہت سے ارمان ہیں۔ ابھی تو ان بے چاری نے تیری جوانی کی بہار بھی نہیں دیکھی۔ یہ سُن کر جناب قاسمؑ آبدیدہ ہوئے اور خدمت امام میں عرض کی کہ اے چچا جان۔ میں آپ کو اپنے پدر بزرگوار کی روح کا واسطہ دیتا ہوں۔ کہ مجھ کو شرفِ شہادت سے محروم نہ رکھئے یہ ضرور ہے کہ میں ابھی کم سن ہوں۔ لیکن مجھ کو بحمد اللہ یہ فخر حاصل ہے کہ علیؑ جیسے شجاع کا پوتا اور عباسؑ جیسے غازی کا بھتیجا ہوں۔ میدان میں جا کر ہاشمی شجاعت کے وہ جوہر دکھاؤں گا۔ کہ یہ نابکار سکتے میں آ جائیں گے

ابھی چچا اور بھتیجے میں یہ باتیں ہو رہی تھیں ؎

کہ ناگاہ ہوئی اک رونے کی آواز جو پیدا	تب دوڑ کے خیمے میں گئے سید والا
پوچھا کہ ہوا کیا تو یہ زینب نے بتایا	بیٹے مادرِ قاسم نے عجب حال بنایا
رخصت کے نہ ملنے کا گلہ کرتی ہیں بھاوج	کیوں جنگ کے قابل نہیں کیا میرا کمائی

چودھویں مجلس

شہادتِ حضرت قاسم علیہ السلام

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ ۔ فرمایا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ حسینؑ مجھ سے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ مومنین۔ یہ تو ظاہر ہے۔ کہ جناب امام حسینؑ رسول اللہ کی پیاری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اور آیہ مباہلہ میں ابناءنا کے خطاب سے ابن رسول اللہ ہیں۔ مگر آپ کا یہ فرمانا۔ کہ میں بھی حسین علیہ السلام سے ہوں۔ اس میں جو لوگ کوتاہ بین ہیں غلطی کھا جاتے ہیں۔ کہ جناب رسول اللہ حسینؑ سے کیسے ہیں۔ ذرا عقل کی روشنی میں دماغ سے کام لیں۔ اور یاد کریں واقعہ حضرتِ ابراہیمؑ کا۔ کہ جب جناب خلیل اپنے ہاتھ سے اپنے فرزند اسماعیل کو راہِ خدا میں ذبح کر چکے اور آنکھوں سے پٹی اُتاری تو کیا دیکھا۔ کہ جناب اسماعیل تو صحیح و سالم باپ کے پاس کھڑے ہیں۔ مگر دُنبۂ جنت ذبح کیا پڑا ہے۔ بہت گھبرائے۔ دست و پا

میں رعشہ ہوا۔ دُعا مانگی۔ بارِ الٰہا۔ کیا میری قربانی قبول نہ ہوئی۔ ندا آئی۔ کہ اے ابراہیمؑ یہاں نیت کا امتحان تھا۔ نیت کو دیکھ کر جسم بچا لیا گیا۔ اسی جسم سے ایک روز بڑی قربانی لی جائے گی۔ اِس لئے جناب رسالت مآبؐ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ اگر خدا کو حسینؑ کی قربانی میدانِ کربلا میں مقصود نہ ہوتی۔ تو جناب اسماعیل میرے جدّ ذبح ہو جاتے۔ اور میرا وجود دُنیا میں نہ آتا۔ چونکہ جناب اسماعیلؑ بخاطرِ قربانی جناب حسینؑ زندہ رہے اس لئے میں بھی حسینؑ سے ہوں۔ دُوسرے چونکہ شجرِ اسلام کو جو بعد جناب رسالت مآبؐ خشک و پژمردہ ہو گیا تھا حسینؑ نے اپنے خون سے آبیاری کی۔ لہٰذا۔ رسُول بھی حسینؑ سے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ ہم اہلبیت اولنا محمدٌ واوسطنا محمدٌ واٰخرنا محمدٌ وکلنا محمدٌ یعنی ہمارا اوّل بھی محمدؐ اور اوسط بھی محمدؐ اور آخر بھی محمدؐ اور ہم کل کے کل محمدؐ ہیں یہی تو وجہ تھی۔ کہ جب جناب سیّد الشہداء نے دیکھا۔ کہ میرے نانا کے دین کو بانیِ مخالف کے جھونکے برباد کر رہے ہیں۔ اور لوگوں کو صحیح و غلط رستہ کا امتیاز مُشکل ہو گیا ہے۔ تو آپ کے دِل میں ناقابل برداشت تڑپ پیدا ہوئی اور آپ پُورے جوش کے ساتھ اُٹھے اور اپنی کل بضاعت کربلا کے

میدان میں لا کر ڈال دی۔ اور روزِ عاشورہ اپنے اور اپنے احباب کے خون سے حق و باطل کے راستوں کے درمیان ایک ایسا نمایاں خط کھینچ دیا۔ کہ قیامت تک دُنیا کی کوئی طاقت اس کو مٹا نہیں سکتی حقیقت یہ ہے۔ کہ دینِ خدا کو یزیدی بدعات سے بچانے کے لئے جس حوصلہ مندی اور غیر معمولی شجاعت سے کربلا والوں نے کام لیا۔ اور اپنے کمالِ ایمان اور توکل علی اللہ کا بہترین مظاہرہ کرایا دُنیا کی تاریخ میں اس کی مثال ڈھونڈے سے نہیں ملتی زن و مرد۔ جوان و پیر۔ بچہ اور بوڑھا۔ سب کے سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ موت کا وُہ تلخ جام جس کے تصور سے لوگوں کے بدن میں رعشہ پڑ جاتا ہے۔ وُہ نصرتِ دین کے جوش میں اِس ذوق و شوق سے پی رہے تھے گویا دُودھ اور شہد کے پیالے۔ ان کے مُنہ سے لگا دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ منقول ہے۔ کہ جب امام مظلوم کے تمام انصار میدان جنگ میں کام آ چکے۔ اور عزیز بھی درجہ بدرجہ شہادت پانے لگے۔ تو جناب قاسم ابن حسنؑ حاضر خدمت ہوئے۔ اور بعد سلام اذنِ کارزار اپنے چچا سے طلب کیا۔ تو جناب سیّد الشہداء اپنے یتیم بھتیجے کو چھاتی سے لگا کر بہت روئے اور فرمایا اے فرزند قاسم میں تجھے کیونکر اجازت دُوں۔ تُو میرے بڑے بھائی

کی نشانی ہے۔ تجھے دیکھ کر مجھے اپنی بھائی کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ اے فرزند تو ابھی کم سن ہے۔ میرا دِل اِس پر آمادہ نہیں ہوتا۔ کہ تجھے جیتے جی زخم کھانے دوں۔ خوش رُو فرزند کو ان خونخوار درندوں میں تیغ و تبر کھانے کے لئے بھیج دوں۔ بیٹا تیری جُدائی سے تیری دُکھیا ماں کا کلیجہ شق ہو جائے گا۔ اماں کے دِل میں ابھی بہت سے ارمان ہیں۔ ابھی تو ان بے چاری نے تیری جوانی کی بہار بھی نہیں دیکھی۔ یہ سُن کر جناب قاسمؑ آبدیدہ ہوئے اور خدمت امام میں عرض کی کہ اے چچا جان۔ میں آپ کو اپنے پدر بزرگوار کی رُوح کا واسطہ دیتا ہُوں۔ کہ مجھ کو شرفِ شہادت سے محروم نہ رکھئے یہ درست ہے کہ میں ابھی کم سن ہوں۔ لیکن مجھ کو بحمد للہ یہ فخر حاصل ہے کہ علیؑ جیسے شجاع کا پوتا اور عباسؑ جیسے غازی کا بھتیجا ہوں۔ میدان میں جا کر ہاشمی شجاعت کے وہ جوہر دکھاؤں گا۔ کہ دشمن بکار رسکتہ میں آ جائیں گے

ابھی چچا اور بھتیجے میں یہ باتیں ہو رہی تھیں ؎

کہ ناگاہ ہوئی اک رونے کی آواز ہویدا — تب دوڑ کے خیمے میں گئے سیّدِ والا
پُوچھا، کہ ہوا کیا تو یوں زینبؑ نے بتایا — ہے مادرِ قاسمؑ نے عجب حال بنایا
رُخصت کے نہ ملنے کا گلہ کرتی ہیں بھائی — کیوں جنگ کے قابل نہیں کیا میری کمائی

یہ سنتے ہی شبیر کے آنسو ہوئے جاری — تصویرِ حسن آنکھوں میں پھرنے لگی پیاری
کہنے لگے اے بھائی جو مرضی ہو تمہاری — کہتا ہوں کہ دے صبر مجھے خالقِ باری

بچے بھی ہوں قربان یہ کیا وقت پڑا ہے
رو رو نہ انہیں دیکھ وہ جو حق کی رضا ہے

یہ سُن کر جناب ام فروہ مادرِ قاسم نے شکرِ خدا بجا لائیں۔ اور اپنے بیٹے قاسم کو چھاتی سے لگا کر بہت پیار کیا۔ اور فرمایا کہ اے بیٹا میدان کارزار میں ایسی جنگ کرو۔ کہ تمہاری ماں سُرخرو ہو جائے۔ یہ سُن کر جناب قاسم نے ایک انگڑائی لی اور کہا کہ اے مادرِ گرامی انشاء اللہ ان ملاعین کو ایسی سزا دوں گا۔ کہ تا حشر یاد رہے۔ یہ کہہ کر اپنے عمِ نامدار کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پس حضرت نے اپنے بھتیجے کو چھاتی سے لگا کر اذنِ کارزار عنایت فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے تبرکاتِ امام حسن علیہ السلام خیمہ سے منگوا کر جناب قاسم کو اپنے ہاتھ سے پہنائے اور آراستہ کیا۔ عمامۂ حسن مجتبیٰ سر پہ باندھا۔ زرہ بدن میں پہنائی۔ پٹکے سے کمر کسی چھوٹی سی تلوار حمائل کی۔ اور عمامہ باندھنے کے وقت چچا نے دو شملہ اس طرح سے چہرے پہ لٹکائے۔ کہ جناب قاسم بالکل دولہا معلوم ہوتے تھے۔ آپ کا مطلب یہ

تھا۔ کہ جنابِ قاسم کی ماں اپنے لختِ جگر کو دُولہا بنے ہوئے دیکھ لے۔ اور ویسے بھی شہزادہ کو اصطلاح میں دُولہا کہتے ہیں۔ اس لئے ان کا ذکر دُولہا کے ساتھ ہونے لگا۔ غرضیکہ جب جناب قاسم کو حضرت سلاحِ حرب سے آراستہ کر چکے۔ تو بھتیجے کی صُورت دیکھ کر زار زار رونے لگے۔ تصویرِ حسن آنکھوں میں پھر گئی۔ دوبارہ چھاتی سے لپٹا لیا۔ اور گھوڑا طلب فرما کر خود ہی جنابِ قاسم کو اس پر سوار کیا۔ اور نہایت غمناک لہجہ میں فرمایا۔ اچھا بیٹا سدھارو۔ خُدا حافظ، لکھا ہے کہ جنابِ قاسم رُخصت ہو کر تھوڑی ہی دُور گئے تھے۔ کہ ؎

ناگاہ ہوئی اِک پیچھے سے آواز یہ پیدا — گھوڑے کی عناں روک کے لو قاسمِ ذی جاہ ...
یہ سُنتے ہی قاسم نے وہیں اسپ کو روکا — کچھ دیر میں آ پہنچے وہیں تیغ والا ...

گھوڑے سے اُتر آئے جو نوشاہ زمین پر
بوسے دیئے شاہ نے اُسے لپٹا کے جبیں پر

پس خدمتِ عمِ نامدار میں حضرتِ قاسم عرض پرداز ہوئے۔ کہ اے چچا جان یہ فدوی آپ سے رُخصت ہو کر آیا تھا۔ بغیر اذنِ حضور میں نے قدم نہیں اٹھایا۔ یا حضرت جوہرِ صبر دکھلائیے۔ فرمایا حضرت نے کہ

اے بیٹا قاسم میرے بھائی کی نشانی جس وقت اپنے پدرِ عالی مقدار کی خدمت میں جانا میرا سلام عرض کرنا۔ اس کے بعد حضرت نے پُوچھا۔ کہ اے بیٹا موت کو کیسا پاتے ہو۔ عرض کی یا عمّ احلیٰ من العسل۔ یعنی اے چچا شہد سے زیادہ شیریں پاتا ہوں۔ یہ جواب سُن کر حضرت نے فرمایا بیٹا شاباش خُدا تجھ کو جزائے خیر دے۔ اس کے بعد حضرت تو خیمہ کی طرف چلے گئے۔ اور جناب قاسم میدان میں آئے۔ اور بعد رجز خوانی کے وہ دلیرانہ جنگ کی۔ کہ دشمن کے ہوش اُڑ گئے۔ کوفہ و شام کے کئی نامور نبرد آزماؤں کو آپ نے تہ تیغ کیا۔ جنابِ عباس اور حضرت علی اکبر ہر ہر وار پہ نعرۂ تحسین و آفرین بلند کر رہے تھے۔ اور امام مظلوم تبسم فرماتے تھے۔ کُتب مقاتل میں کشتگانِ جنابِ قاسم کی تعداد بیالیس تک لکھی ہے +

پسرِ سعد نے جب یہ دیکھا۔ کہ کوئی جنگ جُو جناب قاسم پر غالب نہیں آتا۔ اور ارزق جیسے نامی پہلوان تک ان کی بے پناہ تلوار سے بچ نہ سکے۔ تو اس شقی نے حکم دیا۔ کہ اس جوان کو چاروں طرف سے گھیر کر تلواروں میں رکھ لو۔ یہ سُنتے ہی ہزاروں نابکار یکایک

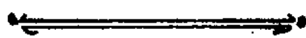
اس بچوں کے پیارے شہزادے پر ٹوٹ پڑے اور ہر طرف سے تیر و شمشیر اور خنجر و سنان کے وار کرنے شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ جناب قاسم زخموں سے چُور چُور ہو گئے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ فَقَطَّعُوا رباً اِربًا۔ ایک ایک عضو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ جب گھوڑے پر نہ رُک سکے۔ تو آواز دی یا عَمّاہ ادرکنی۔ اے چچا جان آئیے۔ کہ میں نے اپنی جان حضرت پر سے نثار کی۔ یہ صدا سُنتے ہی امام مظلوم کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ حضرت عباسؑ اور شہزادہ علی اکبر کو ساتھ لے کر آپ مقتل کی جانب روانہ ہوئے۔ آہ آہ حضرت کے پہنچنے سے پہلے ہی وہ جفاکار لاشہ جناب قاسم کو پامال کر چکے تھے۔ جب حضرت وہاں پہنچے۔ تو دیکھا۔ کہ لاشِ جناب قاسم کی چُور چُور ہو چکی ہے۔ آہ یہ حالت دیکھ کر حضرت کے دِل کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ بھتیجا بھی وہ بھتیجا جو مسموم بھائی کی نشانی اور اس طرح گھوڑے کے سُموں سے کچلا ہُوا۔ راوی کہتا ہے۔ کہ حضرت کی حالت جیسی جنابِ قاسم کی لاش دیکھ کر تباہ ہوئی۔ کسی لاش پر ایسی نہیں ہوئی۔ بے دم خاک پر پڑے

ہوئے تھے۔ جب ذرا ہوش آئی۔ تو بے اختیار چھاتی سے لپٹا لیا۔ اور زار زار روتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ اے قاسم کاش مجھے پہلے موت آجاتی اور تمہاری یہ حالت نہ دیکھتا۔ بیٹا اِس عالمِ غربت و یاس میں تم بھی مظلوم چچا کو چھوڑ کر چل بسے۔ اے یادگار برادر اے میرے گود کے پالے مظلوم حسین کس منہ سے تیری دُکھیا ماں کے پاس جائے۔ اور کس زبان سے تیرے مرنے کی خبر اس غم کی ماری کو سُنائے۔ آہ آہ مومنین جب حضرت نے چاہا۔ کہ جناب قاسم کی لاش کو خیمے میں لے جائیں تو وُہ جسدِ اطہر کسی طرح اِس قابل نہ تھا۔ کہ خاک سے اُٹھ سکے۔ ایک ایک عضو جُدا ہو رہا تھا آخر جس طرح بنا۔ امام مظلوم و جناب عباس اور حضرت علی اکبر نے اِس پاش پاش جسم کو خاک سے اُٹھایا۔ اور بحالِ تباہ خیمہ گاہ تک پہنچایا۔ آہ۔ آہ کس زبان سے عرض کروں۔ کہ جنابِ قاسم کی لاش خیمہ میں آئی۔ تو سیدانیوں کا غم سے کیا حال ہوا۔ خُدا کسی ماں کو دُنیا میں جوان بیٹے کی لاش اِس حالت میں نہ دکھلائے۔ جس حالت میں مادرِ جناب قاسم نے اپنے فرزند کی لاش کو دیکھا۔ اس وقت

خیمہ جناب قاسم میں ایک عجیب کہرام بپا تھا۔ ہر طرف سے واہ قاسما واہ قاسما کی صدائیں آ رہی تھیں جناب اُم فروہ مادر قاسم لاش کا شانہ ہلا کر کہتی تھیں ؎

نوحہ

بولی یوں ماں دلفگار۔ ہائے میرے گلبدن ۔۔۔ دل کو نہیں ہے قرار۔ ہائے میرے گلبدن
اے میرے دل کی کلی کس کی نظر کھا گئی ۔۔۔ قاسم عالی وقار۔ ہائے میرے گلبدن
تجھ سے تھی ماں باغ باغ اے میرے گھر کے چراغ
دل ہُوا اب تار تار۔ ہائے میرے گلبدن
مادر بیوہ کے لال، لاش ہوئی پائمال ۔۔۔ روؤنگی لیل نہار ہائے میرے گلبدن
خوب لٹے واہ واہ، سُرخرو ماں کو کیا ۔۔۔ جاؤں میں تجھ پے نثار ہائے میرے گلبدن
حیدرِ خستہ جگر، ہو گیا اس جا حشر
کہتی تھی ماں بار بار۔ ہائے میرے گلبدن



پندرھویں مجلس

شہادت حضرتِ عباسؑ علمدار

مُخبرِ صادق جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جس مجلس میں فضائل و مناقب جناب امیر شاہ قلعہ گیر و اہلبیت طاہرین بیان ہوں۔ وہاں فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں۔ اور اہل مجلس سے مصافحہ کرتے ہیں۔ پس جب وہ مجلس اختتام کو پہنچتی ہے۔ تو وُہ فرشتے آسمان پر چلے جاتے ہیں پس اور فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ ہمیں تم سے ایسی خوشبو آتی ہے کہ ہم دُوسرے فرشتوں میں نہیں پاتے اس کی کیا وجہ ہے۔ پس وُہ فرشتے کہتے ہیں۔ کہ اِس وقت ہم اُن لوگوں کے پاس سے آئے ہیں۔ کہ جو ذکر محمدؐ و اہل بیت محمدؐ میں مشغول تھے پس یہ خوشبو اُن کی خوشبو ہے۔ وُہ فرشتے کہتے ہیں کہ ہمیں بھی وہاں لے چلو جہاں ذکر اہلبیت ہوتا ہے۔ یہ سن کر وُہ فرشتے کہتے ہیں۔ کہ اِس وقت وُہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے ہیں پس یہ سُن کر

فرشتے کہتے ہیں۔ کہ ہمیں اُس مکان ہی میں لے چلو جہاں ذکر محمدؐ و اہلبیتِ محمدؐ ہوتا ہے ۔

سُبحان اللہ مومنین کس قدر مراتب ہیں اس مجلس کے۔ کہ جس کی تمنا فرشتوں کو اِس قدر ہے۔ خوشا حال تمہارا۔ کہ تم اس غریب و بے کس و بے آشنا کی مجلس میں شامل ہو۔ جس کو پُرسا دینے والا کوئی نہ تھا ۔

منقول ہے۔ کہ ایک روز جناب حیدرِ کرار مسجد کوفہ میں وعظ فرما رہے تھے۔ اور لوگ ہمہ تن وعظ کے سُننے میں مصروف تھے۔ جناب امام حسینؑ پر پیاس نے غلبہ کیا۔ آپ نے قنبر سے پانی طلب کیا۔ چونکہ قنبر بھی وعظ سُننے میں ایسے محو تھے کہ شہزادے کے فرمان کو نہ سنا مگر حضرت عباسؑ جو بہت ہی خورد سال تھے۔ فوراً دوڑے گئے اور پانی کا جام لئے ہوئے۔ جو کہ ننھے ننھے ہاتھوں سے چھلکتا ہُوا آ رہا تھا۔ اپنے بھائی کے پاس پہونچ گئے۔ جونہی جنابِ امیر کی نظر حضرت عباسؑ پر پڑی۔ تو کیا دیکھا۔ کہ حضرت عباسؑ باوجود صغیر سنی کے حسینؑ کو پانی پلا رہے ہیں۔ اور تمام کپڑے تر بتر ہو رہے ہیں۔ پس جناب امیر کی آنکھوں میں واقعہ کربلا کی تصویر پھر گئی۔

اور آپ بر سرِ منبر آبدیدہ ہو گئے۔ یہ دیکھ کر لوگ حیران ہوئے۔ اور باعثِ
گریہ دریافت فرمایا۔ تو آپ نے کہا۔ کہ اس وقت مجھے واقعۂ کربلا یاد
آ گیا۔ ایک دن ایسا آئے گا۔ کہ تلاشِ آب میں اِس بچے کے دونوں
بازو رفاقتِ حسینؑ میں قطع ہو جائیں گے۔ فوراً عباسؑ کو گود میں اُٹھا
لیا۔ اور دونوں بازوؤں کے بوسے لینے لگے۔ آپ بھی روتے تھے۔
اور مجمع حضار بھی رو رہا تھا۔ چنانچہ شب عاشورہ کا واقعہ ہے۔ کہ
جب شمر ملعون خیمۂ جناب امام حسینؑ پر حضرت عباس کے لئے امان لے کر
حاضر ہوا۔ تو جناب زہیر بن القین اصحاب امام حسین علیہ السلام
کو خیال پیدا ہوا۔ کہ مبادا شمر ملعون اپنی مکاری کا کوئی جال پھیلائے اور
حضرت عباسؑ کو ورغلانے میں کامیاب ہو۔ فوراً بوقت نصف شب
جناب زہیر اپنے خیمہ سے نکلے اور گھوڑے پر سوار ہو کر جناب عباسؑ کے
خیمہ کے سامنے آ کر آواز دی۔ کہ اے ابا الفضل عباس ذرا خیمہ سے باہر
تشریف لائیے۔ مجھے آپ سے کچھ ضروری گفتگو کرنی ہے۔ چنانچہ جناب
عباسؑ باہر تشریف لائے۔ اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر جناب زہیر کے
ساتھ چلنے لگے۔ جب خیمہ گاہ سے کچھ دور نکل گئے۔ تو جناب زہیر کہنے

لگے اے ابوالفضل عباسؑ۔ میں ایک آپ کو واقعہ یاد دلانا چاہتا ہوں
جب شہزادیٔ عالم جناب فاطمہ زہراؑ کا انتقال ہوا۔ تو جناب امیر علیہ السلام
کسی طرح دوسری شادی کرنے پر تیار نہ تھے۔ جب لوگوں نے زیادہ
زور دیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اچھا کسی بہادر شریف اور غیرت دار قبیلہ کی
عورت تلاش کرو۔ تاکہ اس سے جو لڑکا پیدا ہو۔ وہ روزِ عاشورہ میرے
حسینؑ پر اپنی جان قربان کرے۔ مومنین یہ سننا تھا۔ کہ جناب عباسؑ نے
جوشِ شجاعت میں ایک ایسی انگڑائی لی۔ کہ رکابوں کے تسمے ٹوٹ گئے۔
اور فرمانے لگے سبحان اللہ اے زہیر کیوں کر ممکن ہے۔ کہ تم غیر تو
فرزندِ رسول کے ساتھ اتنی ہمدردی اور محبت رکھو اور میں بھائی ہو کر ان کا
ساتھ چھوڑ دوں، اے زہیر لعنت ہے۔ ایسی زندگی پر جو حسینؑ سے جدا
ہو کر دنیا میں بسر کی جائے۔ جناب زہیر یہ سن کر بشاش ہو گئے۔ اور کہنے
لگے اے ابوالفضل عباس میری اِس گستاخی کو معاف فرمائیے۔ میں نے
جو کچھ کہا ہے از راہِ ہمدردی محبتِ حسینؑ میں کہہ دیا ہے۔ مرحبا آپ کی
وفاداری و جاں نثاری پر۔ مومنین جناب عباس سے وفادار بھائی دنیا
میں لوگوں کو کہاں ملتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ جس طرح جناب عباس

نے اپنے بھائی حسینؑ سے وفاداری کی اس طرح سے غلام اپنے آقا سے
نہیں کر سکتا۔ یہ ان ہی کا حصہ تھا۔ واقعۂ کربلا میں ان کا سن چونتیس برس کا
تھا۔ خوبصورت اور وجیہ اس قدر تھے۔ کہ تمام رشک کرتے تھے۔ اور
قد آپ کا اتنا تھا۔ کہ اگر اسپ و رکابہ پر سوار ہوتے تھے۔ تو پاؤں زمین
تک پہنچتے تھے۔ بلکہ زمین اپنی خوش طالعی جان کر پائے اقدس کے
بوسے لیتی تھی۔ اِسی وجہ سے ان کو ماہ بنی ہاشم کہتے تھے۔ اور فنونِ
سپہ گری اور نیزہ بازی میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے حسینؑ مظلوم نے
اپنا علمدار لشکر بنایا ہوا تھا۔ آپ کی غیر معمولی شجاعت اور خداداد زور و
طاقت پر اہل حرم کو اتنا بھروسہ تھا۔ کہ جناب زینبؑ فرماتی ہیں۔
کہ جب گھر میں مقتل حسینؑ کا ذکر سنتی تھی۔ تو دل میں کہا کرتی تھی کہ
جس حسینؑ کا بھائی عباسؑ جیسا شیر ہو۔ کسی کی طاقت ہے۔ کہ اُسے
قتل کر ڈالے۔ جس زینبؑ کو عباسؑ جیسے بہادر بھائی کی بہن بننے کا فخر
حاصل ہو۔ کسی کی ہمت ہو گی۔ کہ اس کے سر سے چادر چھین سکے
لیکن آہ روزِ عاشورہ جب میرا شیر سا بھائی نہر فرات کے کنارے
شہید ہو گیا۔ تو مجھے اس وقت سب باتوں کا یقین ہو گیا +

چنانچہ راوی لکھتا ہے۔ کہ جب تمام اعوان و انصار حضرت سید الشہداء
کے سوائے علی اکبرؑ و علی اصغرؑ شہید ہو گئے۔ اور حضرت قاسمؑ کا بھی چاند سا
بدن گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہو چکا۔ تو حضرت عباسؑ سے نہ رہا گیا۔
دل میں کہا۔ کہ اے عباس اب کیا لطفِ زندگی ہے۔ جبکہ تیرے
سامنے چھوٹے چھوٹے بچے پیاس سے جاں بلب ہوں۔ اور قاسم سا
بھتیجا پامال سُمِ اسپاں ہو جائے پس علم سعادت شیم کو دوش پہ
رکھے ہوئے اور آنکھیں سرخ کئے ہوئے۔ خدمت میں اپنے آقا امام حسین
علیہ السلام کے حاضر ہوئے۔ اور بعد آداب سلام کے عرض پرداز ہوئے کہ
اے میرے آقا مجھے اجازت کارزار عنایت ہو۔ کیا عباس بچوں کو اس طرح
پیاس سے جاں بلب دیکھے۔ اور جیتا پھرے۔ اسی وقت علم کو حضرت
کے سامنے رکھ دیا۔ اور کہنے لگے ؎

مر جاتا تھا جن شیر دلوں کو میں دیکھ کے بیمار — آج ان کو تڑپتے ہوئے یاں دیکھا کئی بار
بے فوج کے کس کام کا ہوتا ہے علمدار — اب سے نہ اٹھے گا یہ علم کاندھے پہ ہے بار
دنیا سے نجات اب ہمیں یا شاہِ اُمم دو
عباس کو فردوس دو۔ اکبر کو علم دو!

اللہ اللہ جس وقت جنابِ امام مظلومِ کربلا نے یہ کلمات برادرِ حق شناس سے سُنے۔ تو پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ عباس کو دوڑ کر چھاتی سے لگایا اور ؎

منہ چوم کے شہ نے کہا بس کہہ چکے بھائی | اب درد سُنو میرا بھی اے میرے فدائی
خالی تو نہیں بہنے کی دریا کی ترائی | بھائی کی مگر موت ہے، بھائی کی جُدائی

لاشے پہ میرے لاڈلے جب بَین کریں گے
بابا کو تیرے قبر میں بے چین کریں گے

ابھی آپ جناب عباس سے یہ کلمات فرما ہی رہے تھے۔ کہ ناگاہ خیمہ مُبارک سے ایک پُردرد آواز آئی۔ کہ اے بھائی جان اے ماں جائے جلدی سے خیمہ میں آئیے۔ یہ آواز سُن کر آپ فوراً خیمہ میں آئے۔ تو کیا دیکھا۔ کہ مادرِ علی اصغر، علی اصغر کو لئے ہوئے رو رہی ہے۔ بچے کی حالت مارے پیاس کے غیر ہوئی جاتی ہے۔ تمام بی بیاں گرد جمع ہیں۔ جناب زینب نے رو کر فرمایا۔ کہ اے بھیا علی اصغر کی زندگی خطرہ میں ہے کیونکہ پیاس سے اس کی حالت دگرگوں ہے۔ پانی تو ہم کو کہاں میسر۔ افسوس تو اس بات کا ہے۔ کہ دودھ بھی مادرِ علی اصغر کا بسبب نایابئ آب و طعام

خشک ہو گیا ہے۔ اگر ہو سکے تو اس کے لئے پانی کی سبیل کی جاوے۔ اور دوسرے سکینہ بھی پیاس سے نیم جاں ہو رہی ہے۔ یہ سُن کر آپ خیمہ سے باہر تشریف لائے۔ اور جنابِ عباسؑ کو اپنی حضوری میں طلب فرمایا۔ اور کہا اے عباس میں چاہتا تھا۔ کہ تمہیں کسی طرح اجازت نہ دوں۔ کیونکہ تم میرے لشکر کی زینت تھے۔ اور تمہارے باقی رہنے سے کسی کی جُرأت بھی نہ تھی کہ ان خیموں کی طرف نظر اُٹھا کر بھی دیکھے۔ مگر کیا کروں فلکِ کجرفتار کو منظور یہ ہے۔ کہ ان کا کوئی حامی ناصر نہ رہے۔ اصغرِ شیرخوار کی پیاس سے غیر حالت ہے۔ اور سکینہ بھی پیاس کے سبب بے جان ہو رہی ہے اس لئے بچوں کے لئے پانی کی تلاش کرو، یہ سُننا تھا ؎

سُنتے ہی ہوئے سُرخ خوشی سے گُل رُخسار | جُھک جُھک کے کیا شاہ کو مُجرا بھی کئی بار
اور جوڑ کے ہاتھوں کو ہٹے پیچھے علمدار | تا پُشت نہ ہو میری سوئے قبلۂ ابرار

جس بھائی کو اس درجہ ادب شاہِ اُمم ہو
کیوں پُشتِ حسین اس کی شہادت سے نہ خم ہو

پس حضرت عباسؑ علمدار اپنے بھائی سے اجازت حاصل کر کے برائے رُخصت خیمۂ اہلِ حرم میں داخل ہوئے۔ اور بی بیوں اور بچوں

نے جب سُنا کہ حضرت عباسؑ میدان میں جا رہے ہیں۔ سب کے سب گرد علمدار کے جمع ہو گئے۔ جنابِ زینبؑ و کلثوم بے تابانہ پچھاڑیں کھا رہی تھیں اور کہتی تھیں۔ کہ اے عباس تمہاری ہمیں بہت ڈھارس تھی ہم کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو بچے علیحدہ بے قرار ہو کر گریہ و زاری کر رہے تھے۔ بالخصوص جناب سکینہ کا بہت غیر حال تھا۔ اپنے چچا کے دامن کو نہ چھوڑتی تھی۔ حضرتِ عباسؑ نے بہزار مشکل سمجھا بجھا کر سکینہ کو تسکین دی اور کہا۔ کہ اے سکینہ میں تمہارا سقہ بن کر جا رہا ہوں۔ تم اپنے ہاتھ سے میرے دوش پر مشکیزہ لٹکا دو۔ راوی لکھتا ہے۔ کہ حضرت عباسؑ کی رخصت سے خیمہ میں عجب کہرام بپا تھا۔ الغرض حضرت عباس سب کو روتا پیٹتا چھوڑ کر میدانِ وغا میں تشریف لانے کو تیار ہوئے اور آخری مرتبہ اپنے آقا مظلومِ کربلا سے رُخصت ہو کر میدانِ جنگ کو روانہ ہوئے۔ کہ ناگاہ پیچھے سے کسی کی آواز نے روک لیا۔ کیا دیکھا کہ امام حسین علیہ السّلام خود بہ نفسِ نفیس چلے آ رہے ہیں۔ حضرت عباس حق شناس گھوڑے سے نیچے اُتر پڑے۔ سیّد الشہدا نے فرمایا: کہ اے بھائی ؎

بیٹھے ہوئے تشویش میرے دل میں یہ آئی | تو نہر سے زندہ بھی پھرے یا نہ پھرے بھائی

جینے دے نہ جینے دے مجھے تیری جُدائی | سُن لیجئے روداد میری حق کے فدائی

دو دو عدوں سے اس کی کہ میں مجھے شاد کرو تم
وہ بولا سعادت میری ارشاد کرو تم

شہ بولے مُبارک ہو تمہیں مشک اُٹھانا | پانی میرے شیعوں کو بھی محشر میں پلانا
بھیا میرے زواروں کو لُٹنے سے بچانا | عباس پس از مرگ یہ اعجاز دکھانا

میں شاکر و ممنون تیرا جنت میں رہونگا
وہ بولا میں شیعوں کی ہی خدمت میں رہونگا

لکھا ہے۔ کہ جب میدانِ جنگ میں جنابِ عباسؑ کی آمد آمد ہوئی۔ تو فوجِ یزید میں ایک گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔ عمر سعد گھبرایا ہوا ہر طرف پھر رہا تھا اور اپنی فوج سے بتاکیداً کہتا تھا۔ دیکھو ہوشیار رہنا۔ عباس بڑا بہادر سپاہی ہے۔ اگر تم نے اس پر قابو پا لیا۔ تو سمجھو بس حسینؑ پر فتح حاصل کر لی۔ الغرض جنابِ عباسؑ شیرانہ ہمہمہ کے ساتھ میدان میں تشریف لائے۔ اور ایک شجاعانہ رجز پڑھ کر اس قومِ جفا شعار پر حملہ آور ہوئے دشمن ہر طرف بھاگتے پھرتے تھے۔ لکھا ہے کہ پہلے ہی حملہ میں آپ نے ایک سو بیس ناریوں کو واصلِ جہنم کیا۔ یہاں تک کہ آپ

کشتوں کے پشتے اور لاشوں کے انبار لگائے ہوئے۔ نہر فرات میں داخل ہوگئے۔ پیاس سے آپ کا غیر حال تھا۔ ایک چلو میں پانی لے کر چاہا کہ اپنی پیاس بجھائیں۔ دفعتاً حسینؑ کے پیاسے بچوں کا خیال آگیا۔ دل میں کہا۔ کہ اے عباس یہ مروت سے بعید ہے۔ کہ تو تو آپ سرد سے سیراب ہو۔ اور چھوٹے چھوٹے بچے مثل علی اصغر و سکینہ پیاس سے جاں بلب ہوں۔ یہ سوچ کر پانی کو پھینک دیا۔ اور رکھی ہوئی مشک سکینہ بھر کر اسی طرح پیاسے کے پیاسے نہر سے نکل آئے۔ جب پسر سعد نے یہ دیکھا۔ کہ غازی مشک بھر کر خیام حسینؑ کی طرف لے جانے والا ہے۔ تو ایک بار لشکر کو ڈانٹ کر کہنے لگا۔ خبردار خیمہ حسینؑ تک پانی نہ جانے پائے۔ چاروں طرف سے اس شیر کو گھیر لو۔ یہ سنتے ہی تمام منتشر فوج ایک جگہ جمع ہوگئی۔ اور ہر طرف سے وار پر وار کرنے لگے۔ جناب عباس شیر غضبناک کی طرح ان پر حملہ آور تھے۔ آخر تن تنہا کہاں ہزاروں کا مقابلہ کرتے زخموں سے بدن چور چور تھا۔ خون سے کپڑے تر بتر تھے۔ اسی حالت میں کسی ظالم نے داہنا ہاتھ آپ کا قلم کر دیا۔ آپ نے بائیں ہاتھ میں

تلوار لے کر لڑنا شروع کیا۔ آہ آہ ایک ظالم نے موقع پا کر آپ کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ ڈالا۔ آہ آہ کس زبان سے کہوں کہ اس ہاتھ کے قلم ہونے سے علم فوج حسینی خاک پر گر کر ٹھنڈا ہوگیا۔ مومنین جناب عباسؑ کو اس حالت میں بھی یہی فکر دامنگیر تھی۔ کہ کسی طرح یہ مشک پیاسوں تک پہنچ جائے۔ چنانچہ آپ مشک کا تسمہ دانتوں سے دبائے اپنے گھوڑے کو بڑھائے چلے جاتے تھے۔ کہ ظالم حرملہ نے ایک ایسا تیر مشک پر مارا کہ سارا پانی بہ گیا۔ پانی کے بہتے ہی جناب عباسؑ نے ایک آہ سرد کھینچی اور خیمہ گاہ تک پہنچنے کا جوش جاتا رہا۔ آہ آہ ایک ظالم نے پیچھے سے آکر ایک ایسا گرز آہنی آپ کے سر مبارک پر مارا کہ پھر آپ گھوڑے پر نہ سنبھل سکے اور آواز دی یا ابن رسول اللہ ادرکنی۔ یہ آواز جب مظلوم حسینؑ کے کانوں تک پہنچی تو آپ بے تاب ہو کر جانب دریا نظر اٹھائی ؎

پھر دیکھ کے دریا کو یہ آواز سنائی	آواز نہیں دیتے ہو کیا مر گئے بھائی
آیا نہ کے ساتھ انکے بھی آواز یہ آئی	آقا میرے جلد آؤ کہاں دیر لگائی

مشکل سے بلند اتنی بھی آواز ہوئی ہے
اب موت کی ہچکی ہمیں آغاز ہوئی ہے

پس حضرت یہ آواز سن کر اُفتاں و خیزاں علی اکبر کو ساتھ لئے

قتل گاہ کو روانہ ہوئے۔ راوی کہتا ہے۔ کہ سید الشہدا نے زمین پر جھک کر کوئی چیز اٹھائی پھر روانہ ہو پڑے۔ چلتے چلتے ایک مقام پر آپ پھر جھک گئے۔ اور زمین سے پھر کچھ اٹھایا اور اپنے سینے سے لگائے ہوئے چلے جاتے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ وہ دونوں کٹے ہوئے بازو علمدار کے تھے۔ جونہیں آپ لاش برادر پر پہنچے تو دیکھا۔ کہ عباس علمدار بے ہوش پڑے ہیں۔ اور بدن سب اس جری کا زخموں سے چور چور ہو رہا ہے۔ سرہانے جا کر ؎

بھائی کہا فرزند کہا۔ اور مددگار	ان میں سے کسی نام پہ بولے نہ علمدار
سچ دیکھتے ہیں آپ کے لب ہلتے ہیں ہر بار	جھک کر جو سنا آہ تو کرتے تھے یہ گفتار

نعلین اتار دو تو قدم بوس میں ہو لوں!
اور کہہ کے غلام اپنا پکار دو تو میں بولوں

یہ سن کر آپ رونے لگے اور کہا کہ اے عباس آج تک تو تم نے میرے نعلین اٹھانے میں کون سی کسر چھوڑی ہے۔ وقت اخیر بھی یہی خیال ہے اے بھائی تیرے بعد جو چند ساعت زندگی ہے۔ وہ مصیبت کی گھڑیاں ہیں۔ اے میرے شیر! مجھ سے نہ روٹھو اب بھائی نہ کہوں گا۔ اے عباس اگر دل میں کوئی حسرت رکھتے ہو۔ تو بیان کرو۔ شاید حسینؑ غریب اُسے پورا کرے۔ جناب عباسؑ نے عرض کی۔ کہ اے آقا جب میں پہلے پہل

دنیا میں آیا۔ تو آپ کے چہرہ منور کی زیارت میں نے کی تھی۔ اب وقت آخر بھی یہی حسرت ہے۔ کہ آپ کے چہرہ پر نور کو دیکھ کر دنیا سے رخصت ہوں۔ مگر مجبور۔ کہ ایک آنکھ میں خاک و خوں پڑا ہوا ہے۔ اور دوسری آنکھ میں سات تیر پیوست ہیں۔ اور اے آقا کیا کروں میرے ہاتھ تو دونوں قطع ہو گئے۔ جس سے آنکھیں صاف کروں۔ اگر بے ادبی نہ ہو۔ تو اپنے دامن سے میری آنکھیں صاف کر دیویں۔ تاکہ آپ کا چہرہ دیکھ لوں۔ یہ سن کر حضرت نے اپنی عبا سے آنکھوں کو صاف کیا۔ عباس نے اپنے چہرہ کو حضرت کی طرف موڑ دیا اور حسرت سے دیکھنے لگے۔ فرمایا آپ نے کہ اے عباس کوئی اور وصیت ہو تو بیان کرو۔ یہ سن کر علمدار بولے ؎

آقا ہے ضروری یہی اک عرض نباہنا
خیمے میں میری لاش کو ہرگز نہ لے جانا

کیونکہ مجھے بی بی سکینہ سے شرم آتی ہے۔ کہ میں اس معصوم تک وعدہ کر کے پانی نہ پہنچا سکا اور وہ میری آس لگائے بیٹھی رہی۔ یہ سن کر حضرت رو پڑے اور کہا۔ کہ اے عباس فکر نہ کرو اسی طرح عمل کروں گا۔ ماسوائے اس کے اگر کچھ اور کہنا ہو تو کہہ ڈالو۔ کیونکہ تمہارا اب وقت رحلت عنقریب ہے۔ یہ سن کر علمدار نے کہا ؎

آقا میری اِک عرض یہ عابد کو سُنانا | گر گورِ غریباں میں سکینہ کا ہو آنا
تو لاش میری کانپتے ہاتھوں سے اُٹھانا | چو گردِ سکینہ کے میری لاش پھرانا

ہُوں روزِ ازل ہی سے میں شیدائے سکینہؑ
اور قبر پہ لکھ دیجو سقائے سکینہؑ

آہ آہ یہ سُننا تھا۔ کہ جناب سیّد الشہداؑ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب آپ کو ہوش آیا۔ تو کیا دیکھا۔ کہ عباسؑ راہی جنت ہو چکے ہیں۔ یہ صدمہ دیکھ کر آپ نے فرمایا۔ کہ اے عباس اب حسینؑ کی کمر ٹوٹ گئی۔ اور راہِ چارہ مسدود ہو گئی۔ پھر آپ نے روتے ہوئے عَلَم کو اُٹھا لیا۔ اور خیمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ قدم قدم پر پاؤں میں لغزش ہوتی تھی لکھا ہے۔ کہ سب بی بیاں اور بچے درِ خیمہ پر منتظر تھے۔ کہ اب علمدار خیمہ میں آئیں گے۔ مگر جونہیں عَلَم خالی آتے دیکھا تو سب کے جگر پھٹنے لگے اور جناب سکینہ خاتُون نے کہا بابا جان میرے چچا کیوں نہیں آئے۔ فرمایا آپ نے کہ اے بیٹی سکینہ تمہارے چچا جان نے کہا تھا کہ میں سکینہ کو کیا مُنہ دکھاؤں گا۔ اِس لئے وُہ گھاٹ پر ہی دم توڑ کر راہی ہوئے۔ یہ سُن کر جناب سکینہ سر کو پیٹ کر فرمانے لگیں ؎

نوحہ

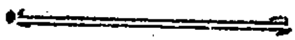
جویائے سکینہ، شیدائے سکینہؑ | عباسؑ چچا صدقے ہو مرجائے سکینہ

پانی نہ پیا موج کے پیاسی ہے بھتیجی | قُربان وفا کے تیری ہو جائے سکینہ
اب کیسے کہو یہ ہو گا۔ کہ تم ڈیوڑھی سے آؤ | اور دُور سے لینے کے لئے جائے سکینہ

کُرتہ میرا رنگیں ہُوا کانوں کے لہو سے
کس چاہنے والے سے یہ دُھلوائے سکینہ

کیوں پانی کو بھیجا میری تقدیر بُری تھی | کس طرح چچی جاں سے نہ شرمائے سکینہ
غصہ نہ چچا کیجئے ہُوں کیوں آپ نہ آئے | یہ صدقے بھتیجی تیری ہو جائے سکینہ

کیوں سخت سوال آگئے یہ پھیلائے کسی کے
ذاکر تیرے جد کا ہے کہاں جائے سکینہ



سولھویں مجلس

شہادتِ حضرت علی اکبر علیہ السّلام

منقول ہے۔ کہ ایک روز جناب رسالتمآبؐ مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ کہ ایک اعرابی بچۂ آہو بطورِ ہدیہ لے کر خدمتِ رسُولِ مقبُول میں حاضر ہُوا اور بعد آداب و تسلیمات کے عرض کرنے لگا۔ کہ حضرت یہ بچۂ آہو شہزادوں کی خدمت میں لایا ہُوں۔ اِسے قبول فرمائیے۔ اس وقت جناب امام حسن علیہ السّلام اپنے نانا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ بس آپ نے وُہ بچۂ آہو شہزادہ حسنؑ کو دے دیا۔ پس وُہ اس کو لے کر خوشی خوشی اپنی مادرِ محترم فخرِ مریم جناب سیدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ناگاہ امام حسین علیہ السّلام نے جو بچۂ آہو حسنؑ کے پاس دیکھا تو پُوچھا۔ کہ اے بھائی جان یہ بچۂ آہو تمہیں کس نے دیا ہے۔ فرمایا جناب امام حسنؑ نے۔ کہ ہمیں ہمارے نانا نے دیا ہے۔ تم بھی اِس سے کھیلو۔ مگر جناب حسینؑ نے فرمایا۔ کہ اے بھائی تمہیں یہ مُبارک ہو۔ ہم بھی اپنے حصہ کا نانا جان سے لے آتے ہیں۔ یہ کہہ کر چند قدم دوڑ کے مسجد میں تشریف لائے۔ دیکھا۔ کہ جناب رسالتمآبؐ بیٹھے ہوئے ہیں۔ مگر [illegible] ہوا اُن کے

پاس نہیں ہے۔ تب جناب امام حسینؑ مسجد کے ہر ایک کونہ میں تلاش کرتے پھرتے تھے۔ کہ شاید میرے حصہ کا بچۂ آہو نانا جان نے کہیں رکھا ہوگا۔ جب کوئی بچۂ آہو نظر نہ آیا۔ تو آنکھوں میں اشک بھر کر اپنے نانا جان کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ آداب و سلام بجا لائے۔ حضرت ختمی مرتبت نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور چاہا کہ شاہزادے کو گود میں اُٹھائیں۔ مگر امام حسین علیہ السّلام نے کہا کہ آپ نے جس کو بچۂ آہو دیا ہے۔ اُسی کو اپنی گود میں بٹھلائیں۔ آپ نے شہزادے کو تسکین دی۔ مگر وُہ کہتے تھے۔ کہ واہ نانا جان آپ نے بھائی حسنؑ کو بچۂ آہو دیا۔ اور مجھے نہ دیا۔ یہ سُن کر جناب سالتمآبؐ نہایت پریشان ہوئے۔ کہ اب کیا کیا جائے۔ راوی لکھتا ہے۔ کہ ابھی آپؐ متردد ہی تھے۔ کہ ناگاہ مسجد میں ایک غوغا بلند ہُوا۔ لوگ دیکھنے لگے۔ کہ ایک ہرنی اپنا بچہ لے کر دروازۂ مسجد سے برآمد ہوئی۔ اور ایک بھیڑیا اس کے عقب میں تھا۔ جو اُسے ہنکائے لاتا تھا۔ پس وُہ ہرنی خدمتِ رسُولِ مقبُولؐ میں حاضر ہوئی اور اپنے سر کو حضرت کے قدموں پر ملنے لگی۔ اور بزبان فصیح عرض کرنے لگی۔ کہ یا رسُول اللہ میرے دو بچے تھے۔ ایک تو شکاری پکڑ کر لے گیا اور اِس دوسرے بچے سے میں شاد تھی۔ کہ ناگاہ ہاتفِ غیبی کی آواز کان میں پہنچی۔ کہ اے ہرنی جلد اپنے اِس بچے کو لے کر خدمتِ رسُولِ

ناناکے پاس کھڑا ہے اگر وُہ مچل کر رونے لگے گا۔ تو اس کے رونے سے سب ملائک گریاں ہونگے۔ اور اے ہرنی اگر تو حسینؑ کے آنسو رواں ہونے سے پہلے نہ پہنچے گی۔ تو اس بھیڑیئے کو ہم نے تجھ پر مسلّط کیا ہے۔ کہ تجھے معہ بچّے کے کھا جائے گا۔ خُدا کا شُکر ہے کہ مَیں پہنچی اور حسینؑ رونے نہ پائے۔ مگر یا رسُول اللہؐ یہ شہزادہ خُدا کو نہایت عزیز ہے۔ کہ میرے لئے یہ زمین جا بجا سمٹی اور مَیں ایک آنِ واحد میں پہنچی۔ خُدا کا شکر ہے۔ کہ میری مُراد بر آئی۔ یہ سُن کر حضرتؐ نے شُکرِ خُدا کیا اور ہرنی کو دُعائے خیر دی۔ پس وُہ بچّہ آہو آپؐ نے اپنے نواسے حسینؑ کو دیا وُہ اسے لے کر خوشی خوشی اپنی مادرِ گرامی جناب فاطمہؑ کے پاس آئے اور امام حسنؑ کو دکھا کر کہا کہ اے بھائی میرا بچّہ آہو آپ کے بچّہ آہو سے اچھا ہے۔ کیونکہ آپ کو نانا جان نے دیا۔ اور مجھے خُدا نے دیا ہے۔ ماں نے کہا۔ کہ اے نُورِ چشموں اِن کو دانہ اور پانی دے کر چھوڑ دو۔ کیونکہ ان کی ماں ان کے لئے بیتاب ہوگی۔ بموجب حُکم مادرِ عالی وقار دونوں شہزادوں نے بچّوں کو چھوڑ دیا۔ کیوں حضرات کیسی قدر و منزلت تھی تمہارے مولا حسینؑ کی۔ کہ ذرا سے رونے سے فرشتوں میں تلاطم برپا ہو گیا مگر افسوس صد افسوس کہ بروزِ عاشورہ وہی حسینؑ لاڈلہ رسُولؐ و خدا کا

میدانِ کربلا میں پیاسا ... کہ اے ملعونوں تھوڑا سا مجھے پانی دو۔ کہ میرا جگر شدّتِ پیاس سے کباب ہو رہا ہے۔ مگر وُہ ملاعین اس کا جواب تیر و تلوار سے دیتے تھے۔ کہ ناگاہ شہزادہ علی اکبرؑ واسطے رُخصت کے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ حضرتِ سیّد الشہدا اس وقت گلابی عمّامہ سرِ اقدس پر باندھے ہوئے تھے۔ اور شکرِ خُدا کر رہے تھے۔ جونہی علی اکبرؑ کو عازمِ میدانِ کارزار دیکھا۔ تو ایک تیرِ غم کلیجے پر لگا۔ اور کہا کہ اے علی اکبرؑ اے نُورِ نظر تیرا داغِ مفارقت کیسے سہوں گا۔ اُٹھ کے گلے پہ دیکھ کر آپؑ اپنی مرگ پر آمادہ ہوئے۔ اور سامانِ حرب اپنے جسم پر آراستہ کرنے لگے۔ دوڑ کر علی اکبرؑ قدموں پر گر پڑے۔ اور کہا۔ کہ اے بابا جان مجھے لوگ کیا کہیں گے۔ کہ ضعیف باپ تو شہید ہوا اور جوان بیٹا دیکھا کیا۔ کیا آپ کو منظور ہے۔ کہ اکبر اپنے ہم چشموں میں شرمندہ ہو۔ یہ سُن کر فرمایا آپ نے کہ اے بیٹا علی اکبر پہلے اپنی ماں اور پھوپھی سے رُخصت ہو لو۔ جنہوں نے تمہاری پرورش میں نہ دِن کو دِن اور رات کو رات سمجھا۔ یہ کلمہ سُن کر جنابِ علی اکبر اپنی مادرِ گرامی جناب اُمّ لیلےٰ کے پاس تشریف لائے۔ اور بعد آداب و سلام کے عرض کی۔ کہ اے اماں جان آپ دیکھتی ہیں۔ کہ بابا جان تنہا رہ گئے ہیں۔ اور

سوائے میرے ان کا کوئی حامی و ناصر نہیں ہے۔ اِس لئے از راہِ کرم مجھے اذنِ حرب عنایت کیجئے۔ یہ سُن کر ماں کے دِل پر ایک چھُری سی چل گئی۔ مُنہ ڈھانپ کر رونے لگیں اور کہا۔ کہ اے بیٹا اگر تم صاحبِ اولاد ہوتے۔ تو میری بے قراری معلوم ہوتی۔ جناب علی اکبرؑ نے عرض کی۔ کہ اے اماں جان بروزِ حشر جب جنابِ فاطمہ زہرؑا میری دادی آپ سے پُوچھیں گی۔ کہ اے اُمّ لیلےٰ۔ کیا تمہیں اپنا فرزند میرے فرزند سے زیادہ عزیز تھا۔ تو آپ ان کو کیا جواب دیں گی۔ یہ سُن کر حضرتِ اُمّ لیلےٰ کلیجے پر ہاتھ رکھ کر خاموش ہو گئیں۔ حضرت علی اکبرؑ نے سمجھ لیا۔ کہ اب والدۂ گرامی کو بجز میری رُخصت کے چارہ نہیں۔ ان کو وہیں چھوڑ کر جنابِ زینبؑ خاتون کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دِل میں سمجھے کہ پھوپھی جان ہرگز اجازت کارزار نہ دیں گی۔ پس اپنا لب و لہجہ اور اختیار کیا۔ آپ نہایت شیریں زبان تھے پس پھوپھی جان کے پاس پہنچ کر علی اکبر نے جھک کر سلام کیا۔ انہوں نے دُعائیں دیں۔ پُوچھا کہ بیٹا کیسے آئے۔ عرض کی علی اکبر نے کہ اے پھوپھی اماں مَیں آپ سے ایک سوال کرنے آیا ہُوں بولیں کہ اے بیٹا وُہ کیا سوال ہے۔ عرض کی علی اکبر نے۔ کہ اے پھوپھی مجھے یہ تو بتائیں۔ کہ آپ کا مرتبہ بڑا ہے یا دادی جنابِ فاطمہ زہرؑا کا۔

کہا جنابِ زینبؑ نے۔ کہ اے بیٹا آج تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ کہاں مَیں اور جنابِ فاطمہ زہرؑا۔ مَیں تو اُن کی ادنیٰ کنیز ہُوں۔ یہ سُن کر علی اکبر بولے اگر آپ کنیز ہیں۔ تو آپ کو اپنا بیٹا عزیز ہے۔ یا دادی جناب فاطمہ زہرؑا کا۔ اللہ اللہ۔ یہ سُننا تھا کہ جناب زینبؑ نے ایک آہ سرد کھینچی اور کہا کہ اے علی اکبرؑ مَیں تمہارے اشارے کو سمجھی یہ سب رُخصت لینے کے بہانے ہیں۔ جب تمہیں تمہاری ماں نے جس کی کہ کوکھ اُجڑتی ہے رُخصت دیدی۔ تو مَیں تو تمہاری ایک دایہ ہُوں۔ اگر میرا تم پر کچھ حق ہوتا۔ تو تمہاری ماں مجھ سے پُوچھ کر اجازت دیتیں یہ سُن کر علی اکبر پھوپھی کے گلے میں باہیں ڈال کر رونے لگے۔ کہ اِتنے میں جناب سیّد الشہدا خیمہ میں داخل ہوئے۔ سب باتیں علی اکبر کی پسِ پردہ سُن چکے تھے۔ کہا اے بہن زینبؑ اب زیادہ علی اکبر کے دِل کو رنجیدہ نہ کرو انہوں نے موت پر کمرِ ہمّت باندھی ہے۔ پس یہ سُن کر پھوپھی کو بجز رُخصت کچھ بن نہ آیا۔ الغرض آپ سب سے رُخصت ہو کر جب میدان کو جانے لگے تو ماں نے دوڑ کر دامن تھام لیا۔ اور کہا کہ اے فرزند میری ایک حسرت ہے۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ تو پُوری کر لُوں۔ پس علی اکبر اپنی والدہ سے یہ سُن کر ٹھہر گئے۔ جناب اُمّ لیلےٰ نے اندر سے ایک صندوق منگوایا جس میں علی اکبر کی شادی کے واسطے کپڑے رکھے ہوئے تھے

وُہ سب ایک ایک نکال کر حسرت سے اپنے نورِ نظر کا چہرہ دیکھتی جاتی تھیں جنابِ علی اکبر نے ان میں سے ایک پیراہن اُٹھا لیا اور کہا کہ میرے کفن کے لئے یہی کافی ہے۔ راوی کہتا ہے۔ کہ اِس کلمہ سے خیمہ میں کہرام بپا ہو گیا۔ پس علی اکبر سب کو روتا پیٹتا چھوڑ کر آخری بار اپنے پدرِ بزرگوار سے واسطے رُخصت کے حاضر ہوئے جنابِ سیدالشہدا نے اپنے ہاتھ سے علی اکبرؑ کے بدن پر ہتھیار لگائے اور سر کو جانبِ آسمان اُٹھا کر بارگاہِ الٰہی میں عرض کی۔ کہ اے بارالہا تو جانتا ہے۔ کہ مَیں ایسے بیٹے سے جُدا ہوتا ہُوں کہ جو شکل و صورت، رفتار و گفتار سے تیرے رسُول سے مُشابہ تر ہے۔ پھر بعد میں آپ نے عُمرِ سعد ملعون سے کہا۔ کہ اے عمر سعد خُدا تیری نسل کو اِسی طرح منقطع کرے جس طرح تُو نے میرے ساتھ کیا ہے اس کے بعد آپ علی اکبر سے لپٹ گئے۔ اور رُخصت کیا ؎

یعقوبؑ جانتے ہیں جہاں میں پسر کی چاہ   دِل کو فگار کرتی ہے نُورِ نظر کی چاہ
ہوتی ہے ہر درخت کو اپنے ثمر کی چاہ   کیا کیا کنوئیں جھکاتی ہے لختِ جگر کی چاہ

غم کا پہاڑ گرتا ہے بے کس حُسینؑ پر
اِس صبر کا بھی خاتمہ ہے بس حسینؑ پر

پس حضرات جس وقت وُہ شہزادہ اپنے پدرِ نامدار سے رُخصت لے کر

میدانِ کارزار میں آیا۔ تو بعد رجز خوانی کے ایسی گھمسان جنگ کی کہ دشمن کے چھکّے چھُوٹ گئے جس طرف آپ رُخ کرتے تھے دُشمنوں کو بھاگنے کے سوا بن نہ پڑتی تھی۔ جب آپ فوجِ یزید کو دُور تک بھگا چکے تو پلٹ کر پھر خدمتِ امام میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے (یَا اَبَتِ العَطَشُ قَدْ قَتَلَنِی وَ ثِقَلُ الحَدِیدِ قَدْ جَهَدَنِی) بابا پیاس نے مجھے ہلاک کر ڈالا ہے۔ اور ہتھیاروں کی گرانی نے سخت ایذا دے رکھی ہے فَهَل لِی اِلیٰ شَربَةٍ مِنَ المَاءِ سَبِیل (کیا میرے لئے ایک گھونٹ پانی کی کوئی سبیل ہو سکتی ہے۔ حضرت یہ سُن کر آبدیدہ ہوئے۔ اور فرمایا۔ واللہ اے فرزند حُسین کیا کرے۔ تجھ جیسا فرزند سوالِ آب کرے۔ اور مَیں پُورا نہ کر سکوں۔ بہت مجھ پر شاق ہے۔ مگر اے علی اکبرؑ اپنی زبان میرے مُنہ میں دے دو۔ کہ تمہیں کچھ تسکین ہو۔ یہ سُن کر علی اکبر نے اپنی زبان حضرت کے مُنہ میں دے دی لیکن فوراً ہی باہر نکال کر عرض کی۔ کہ بابا جان آپ کی زبان تو میری زبان سے بھی زیادہ خشک ہے۔ اس کے بعد حضرت نے ایک انگوٹھی دے کر فرمایا۔ لو بیٹا اس کو مُنہ میں رکھ لو۔ اور راہ خُدا میں جہاد کرو۔ چنانچہ علی اکبر انگوٹھی مُنہ میں ڈال کر دوبارہ میدان میں تشریف لائے

حمید ابن مسلم ناقل ہے۔ کہ علی اکبرؑ کے حملۂ ثانی نے فوجِ یزید میں ایک تہلکہ برپا کر دیا تھا۔ سوار اور پیادے سپاہی اور سپہ سالار سب بدحواس تھے۔ یہ حال دیکھ کر عمرِ سعد بہت گھبرایا۔ اور سردارانِ فوج کو جمع کر کے کہنے لگا۔ نہایت شرم کا مقام ہے۔ کہ ایک بھُوکا پیاسا جوان اِتنی بڑی فوج کو بھگائے پھر رہا ہے۔ اے نامردو اگر تم ایک ایک مقابلہ نہیں کر سکتے تو سب مل کر اِس شیرِ دلیر کو گھیر لو۔ اور قتل کر کے اس کے عوض میں انعام حاصل کرو۔ یہ سُننا تھا کہ سب ملاعین یعنی ٹڈی دل لشکر اِس شہزادے پر ٹُوٹ پڑا۔ پس سنان بن انس شقی وہاں سے چلا اور موقعہ پا کر اِس شقی نے ایک ایسا نیزہ حضرت علی اکبر کے سینہ پر مارا۔ کہ آپ گھوڑے پر نہ سنبھل سکے۔ آواز دی۔ یَا اَبَتَ اَدرِکنِی۔ اے بابا میری خبر لیجئے۔ کہ مَیں نے اپنی جان آپ پر سے نثار کی ؎

سُنتے ہی صدا آنکھوں میں اندھیر تھی دُنیا   کہتے تھے کہاں پہنچوں بتاؤ میرے بیٹا
گر پڑتا ہُوں ہر گام پہ اے اکبرِ ذی جاہ   بینائی میری جاتی رہی کیا کروں ہا شاہ

آواز پہ آواز مجھے دیتے ہی جانا
جائے گا پہنچ پاس تمہارے تیرا بابا

اِس زندگی پر خاک جو ہو بعد تمہارے   مل کر مجھے اس دُنیا سے جانا میرے پیارے

بے موت مجھے مار گئے آنکھوں کے تارے   سب کُنبہ کے تھے جان مری تم ہی سہارے

جب سے ہے سُنا غلغلہ اِس تیری صدا کا
ہے حشر بپا خیمہ میں فریاد و بکا کا

آہ آہ امام مظلوم راہ میں جا بجا ٹھوکریں کھاتے با حالِ پریشان چلے جاتے تھے۔ مگر لاش کا پتہ نہ ملتا تھا۔ کیونکہ جس وقت سنان ملعون نے آپ کے سینہ پر نیزہ مارا تھا۔ تو اس وقت گھوڑا علی اکبر کو لے کر نرغۂ کفار سے دُور نکل گیا تھا۔ پس آپ ایک ٹیلہ پر جو کہ اس جگہ تھا۔ کھڑے ہو گئے اور ان ملاعین سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے ؎

نوحہ

لاشے کا پتہ دو، یا آپ ہی لا دو   اے کُوفیو مجھ کو میرے دلبر سے ملا دو
تم میں سے اگر صاحبِ دل ہے کوئی   جو آگ کہ سینے میں بھڑکتی ہے بجھا دو

جب کوئی مخاطب ہُوا شہ سے تو پھر آپ
کہنے لگے اکبر تمہیں آواز سُنا دو

اٹھارہ برس باپ نے نازوں سے جو پالا   کیا اُسکا یہی پھل تھا کہ پیری میں دغا دو
ناگاہ جو اک طرف سے آواز یہ آئی   قربان پسر ہوتا ہے دیدار دکھا دو

جب پہنچی ندا ایسی تو فرمانے لگے شاہ

آیا میرا اکبر سرِ تسلیم جھکا دو
ہم ٹھوکریں کھاتے ہوئے پھرتے ہیں ہر اک سو — گھوڑا کو ہے کو تِل کدھر اُترے ہو بتادو
کیا دَرد ہے کچھ سینے میں جو ہاتھ رکھے ہو — اے بیٹا ذرا ہاتھ تو سینے سے ہٹادو
اے مولا میرے جوانیٔ اکبرؑ کا تصدّق
ذاکر کو بس اب روضۂ پُر نور دکھا دو

سترھویں مجلس

شہادت علی اصغر علیہ السلام

قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اِنّی تارکٌ فیکم الثقلین کتاب اللہ وَعِترتی اھلبیتی اَنْ تمسّکتُم بِھما لَن تَضلّوا بعدی وَ لَن یفترقا حتّیٰ یَرِدا علیّ الحوض

فرمایا جنابِ رسالت مآبؐ نے۔ کہ اے لوگو میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک کتاب اللہ یعنی قرآن شریف۔ اور دُوسرے اپنی عترت اہل بیت۔ اگر ان کو پکڑے رکھو گے۔ تو میرے بعد گمراہ نہیں ہو گے۔ یہاں تک کہ تم میرے پاس حوضِ کوثر پر پہونچ جاؤ گے (حضرات) یہ ایک پیغام ہے رسُولؐ کا۔ اُن لوگوں کے لئے۔ جو کتاب اللہ اور رسُولؐ کی قدر و منزلت سمجھتے ہیں۔ یعنی قرآن اور اہلبیت کے ساتھ اتحادِ باطنی رکھتے ہیں وُہ گمراہ نہیں ہوں گے۔ اور میرے پاس حوضِ کوثر پر پہونچ جاویں گے۔ یہ حدیث مُستند۔ اور مُسلّمۂ فریقین ہے۔ اور قُدرت اپنی کتاب پاک میں اِس طرح ارشاد فرماتی ہے۔ قُل لَّا اَسئلکُم علیہ اجراً اِلّا المودّۃَ فِی القُربیٰ۔ اے رسُول کہدے اِن لوگوں سے۔ کہ میں تم سے

کچھ اجرِ رسالت نہیں مانگتا۔ مگر یہ کہ میرے اقربائے سے مودّت رکھو۔ کیوں حضرات خاندانِ رسُول تو اہلبیت اور اقربائے رسول کے لئے یہ اہتمام تبلیغ فرمائیں۔ مگر واے انقلابِ زمانہ کہ مُسلمانوں نے دونوں کے ساتھ وُہ برتاؤ کیا۔ جو ان کے احترام کے قطعاً خلاف تھا۔ ایک طرف قرآن کو پارہ پارہ کیا۔ اور دُوسری طرف اہلبیت کے گلے پر چھُری پھرائی۔ ایک طرف قرآن کو جلایا۔ دُوسری طرف عِترت کا گھر پھُونکا۔ ایک طرف قرآن کو صِفّین میں نیزوں پر بلند کیا۔ دُوسری طرف عترت کے سر کاٹ کر نیزوں پر چڑھائے۔ آہ آہ رسُولؐ کی رسالت کا تیسرا گواہ کربلا میں یکّہ و تنہا کھڑا ہوا آوازِ استغاثہ بلند کر رہا تھا۔ ھَل مِن ناصِرٍ یَنصُرنا۔ وَھَل مِن مُغیثٍ یُغیثنا۔ ہَے کوئی جو اِس حالت میں ہماری نُصرت کرے۔ ہَے کوئی جو ہماری مدد کرے۔ مگر لاکھوں مسلمانوں کے مجمع میں کوئی ایسا نہ تھا۔ کہ جس کے دِل پر اِس آواز کا اثر ہوتا۔ اور جن دِلوں پر یہ آواز اثر کرنے والی تھی وُہ سب سر کٹائے خُون میں نہائے کربلا کی جلتی بھُلستی ریت پر پڑے ہوئے تھے۔ پھر خیامِ حسینؑ میں دو دِل ایسے تھے۔ کہ حضرت کی یہ آواز سُن کر تڑپ اُٹھے۔ راوی کہتا ہے۔ کہ جب بیمارِ کربلا نے آوازِ استغاثہ سُنی تو غش سے آنکھیں کھول دیں۔ اور بستر سے اُٹھے اور ایک ٹوٹا ہوا نیزہ اُٹھا کر میدان کی طرف چلنے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر جنابِ

زینب بیمار بھتیجے کے پیچھے دَوڑیں۔ اور ہاتھ پکڑ کر کہنے لگیں۔ کہ اے فرزند کہاں کا قصد ہے۔ فرمایا۔ کہ اے پھوپھی اماں مجھے چھوڑ دو۔ کہ میرے بابا جان تن تنہا ہیں۔ اور اپنی مدد کے لئے بُلا رہے ہیں۔ اب تابِ ضبط نہیں میں چاہتا ہوں۔ کہ میدان میں جا کر اپنی جان قدموں پر نثار کر دوں۔ یہ کہہ کر خیمے کا پردہ اُٹھایا۔ اور باہر تشریف لے آئے۔ ناگاہ امامِ مظلوم کی نظر اپنے بیمار فرزند پر جا پڑی۔ بے چین ہو گئے۔ وہیں سے پُکار کر ؎

زینب کو دے رہے تھے صدا شاہِ کربلا — بیمار کو نہ آنے دو اے بنتِ مُرتضیٰ
ہَے بعد میرے ایک یہی حُجّتِ خُدا
ایسا نہ ہو کہ تیر لگا دے، کوئی اشقیاء

حضرت کی یہ صدا سُن کر اہلِ حرم نے بمُشکل تمام بیمارِ کربلا کو بستر پر لٹایا اور دُوسرا اثر حضرت کے استغاثہ کا اِس چھ مہینے کی جان پر ہوا۔ جو جھُولے میں نڈھال پڑا ہوا تھا۔ اور جس کی ماں کا دُودھ بھی خُشک ہو گیا تھا۔ راوی کہتا ہے۔ کہ جب جنابِ سیّد الشہداء استغاثہ فرما رہے تھے۔ تو یکایک خیمہ حسینؑ سے گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ حضرت یہ آواز سُن کر بیتابانہ داخلِ خیمہ ہوئے۔ اور فرمایا جنابِ زینب سے کہ اے بہن۔ یہ شور و شین کیسا ہے۔ کیا کوئی بچہ صدمۂ پیاس سے ہلاک ہو گیا۔ عرض کی جنابِ

زینبؑ نے کہ اے بھیا کوئی بچہ تو ہلاک نہیں ہوا۔ لیکن آپ کے استغاثہ کی آواز سُن کر معصوم علی اصغر ایسا بے تاب ہوا۔ کہ اپنے آپ کو جھُولے سے گرا دیا ہے۔ یہ سُن کر آپ اِس معصوم کے جھُولے کے پاس تشریف لائے۔ دیکھا۔ کہ بچہ نڈھال پڑا ہوا ہے۔ ہونٹ نیلے پڑ گئے ہیں چہرہ کا رنگ اُڑ گیا ہے۔ آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے ہیں۔ آپ نے مادر علی اصغرؑ سے فرمایا۔ کہ اے رباب اِس معصوم کو لاؤ۔ کہ مَیں اِسے فوج ستم شعار کے سامنے لے جاؤں شاید کوئی صاحبِ اولاد رحم کھا کر چند پانی کے قطرے اس کے حلق میں ٹپکا دے اور اس کی زندگی ہو جائے پس مادر علی اصغرؑ نے بوقت وداع کرنے اپنے بچے کو اِس طرح آراستہ فرمایا ؎

سُلجھائے اُنگلیوں سے پھر اسکے جعد مُو سیاہ · آیا گلے پہ تیغ کے رکھنے کا جو خیال
منت کا طوق اُتار کے وہ بولی دُہ خستہ حال · بولی سدھارو دُودھ بھی مَیں نے کیا حلال

حق سے گلہ نہ پانی کے ملنے کا کیجیو
مَیں ہاتھ جوڑتی ہوں مجھے بخش دیجیو

پس جناب سیّدالشہدا نے اپنے جگر پارہ کو ہاتھوں پر اُٹھا لیا اور دھوپ سے بچاؤ کے لئے دامنِ عبا اوڑھائے ہوئے چلے جاتے تھے ؎

کہتے تھے چُوم چُوم کے بے شیر کا گلا
تو گھٹنیوں چلا نہیں اور مرنے کو چلا

پس جس وقت حضرت اپنے معصوم بچے کو ہاتھوں پر لئے جا رہے تھے تو بعض لعین سمجھے۔ کہ حضرت جنگ سے عاجز آ کر کلام مجید ہاتھوں پر اُٹھائے بغرض صُلح تشریف لا رہے ہیں۔ راوی کہتا ہے۔ کہ آپ ایک بلند ٹیلے پر کھڑے ہو گئے۔ اور بچے پر سے دامن عبا ہٹا لیا۔ اور قوم زبوں خصال سے حضرت نے کہا۔ کہ اے قوم یہ میرا چھ مہینے کا بچہ شیر خوار جس کی ماں کا دُودھ بھی خُشک ہو چکا ہے۔ پیاس سے بیحال ہے۔ اور اگر تمہارے زعمِ ناقص میں حسینؑ گنہگار ہے۔ تو اِس معصوم بچے نے تمہارا کیا گناہ کیا ہے۔ اے اولاد والو۔ انصاف سے کہنا۔ اگر تمہارا بچہ اِس حال میں ہوتا۔ تو تمہارا دِل کیا کہتا۔ اِس کے بعد آپ نے اِس معصوم کا مُنہ اِس قوم کی طرف کر کے فرمایا۔ کہ اے بیٹا علی اصغر تم بھی حُجتِ خدا کے فرزند ہو۔ اپنی حُجت اِس قوم پر تمام کر لو۔ یہ سُننا تھا۔ کہ اِس بے شیر نے اپنا مُنہ کھول کر پیاس سے اینٹھی ہوئی زبان باہر نکال دی۔ امام علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اے اولاد والو، دیکھو پیاس سے اِس بچے کی کیا حالت ہے۔ مَیں اِس کے بہانے سے پانی نہیں مانگ رہا۔

حضرت کا یہ کلام سُن کر، فوجِ یزیدی کے بہت سے سپاہی مُنہ پھیر پھیر کر رونے لگے۔ بعض نے پسر سعد سے جا کر کہا۔ او شقی تیری

سنگدلی کی انتہا ہو گئی۔ ارے ظالم اِس شیر خوار بچے کا کیا قصور ہے۔ کہ تُو نے اِس پر پانی بند کر رکھا ہے۔ کیسی کو حُکم دے۔ کہ جلد اِس بچے کو پانی پلائے ورنہ یاد رہے۔ کہ اب تیرے اور ہمارے درمیان تلوار چلے گی۔ فوج کی یہ حالت دیکھ کر پسر سعد گھبرایا۔ اس کے پہلو میں کُوفہ کا مشہور تیر انداز حُرملہ بن کاہل اسدی کھڑا ہُوا تھا۔ اس سے کہنے لگا۔ کیا کھڑا دیکھتا ہے۔ اِقطعْ کلامَ الحُسین۔ کلام حسین کو قطع کر دے۔ یہ سُنتے ہی اِس ظالم نے ایک سہ شعبہ تیر کہ اگر شتر پر مارتا تو اس میں در آتا۔ چلہ کمان میں جوڑ کر اِس زور سے حلق علی اصغر پر تاک کر مارا کہ وہ بچے کا گلا اور حسینؑ کا بازو توڑتا ہوا زمین میں در آیا۔ بچہ تیر کھاتے ہی حسینؑ کے ہاتھوں پر منقلب ہو گیا۔ اور ایک ہلکی سی سسکی لے کر جان دیدی۔ اُس وقت امام علیہ السلام نے آسمان کی طرف دیکھا اور درگاہِ باری میں عرض کی۔ پروردگارا گواہ رہنا۔ کہ ان ظالموں نے میرے ایسے بچے کو شہید کیا جو بیگناہی میں کسی طرح ناقہ صالح سے کم نہ تھا۔ اس کے بعد حضرت نے اپنا چلّو زخمِ علی اصغر کے نیچے لگا دیا۔ جب وُہ چلّو خُون سے بھر گیا۔ تو آپ نے چاہا۔ کہ اِس کو زمین پر پھینک دیں۔ تو زمین سے آواز آئی۔ کہ اے حسینؑ اگر اِس خُون ناحق کا ایک قطرہ بھی مجھ پر گرا تو قیامت تک کوئی روئیدگی مجھ سے نہیں ہوگی۔ پھر آپ نے چاہا۔ کہ اِس خون کو

جانبِ آسمان اُڑا دیں۔ کہ آسمان سے آواز پیدا ہوئی کہ اے حسینؑ اگر اِس خُون کا ایک قطرہ بھی اِدھر آیا۔ تو قیامت تک بارانِ رحمت نہیں ہوگی۔ آپ یہ سُن کر بہت حیران و پریشان ہو کر فرمانے لگے۔ کہ اے علی اصغر ؎

انکار آسمان کو ہے راضی زمیں نہیں
اصغر تمہارے خُون کا ٹھکانا کہیں نہیں

یہ کہہ کر آپ نے وُہ خُون اپنی ریش مقدس پر مل لیا۔ اور فرمایا۔ کہ اِسی صُورت سے نانا کی خدمت میں جاؤں گا۔ راوی کہتا ہے۔ کہ اِس کے بعد آپ اِس معصوم کی لاش ہاتھوں پر اُٹھائے ہوئے جانب خیمہ روانہ ہوئے۔ مگر قدم نہ اُٹھتے تھے۔ جب نزدیک خیمہ کے پہنچے۔ تو دِل میں خیال آیا۔ کہ اب مادر علی اصغر کو کیا جواب دوں گا۔ پانی پلانے کا وعدہ کر کے لایا تھا۔ اب اِس کی خبرِ مرگ کس طرح سُناؤں گا۔ کبھی آپ آگے بڑھتے تھے کبھی قدم پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ حضرات اِسی طرح آپ نے سات بار یہی عمل کیا۔ پس ہم انہیں کی پیروی میں اِسی طرح عمل کرتے ہیں۔

راوی کہتا ہے کہ مادرِ علی اصغرؑ بھی بڑی بے تابی سے اپنے نورِ نظر لختِ جگر کا انتظار درِ خیمہ پر کر رہی تھیں جو نہیں حضرت کو اِس حال میں

دیکھا۔ دُنیا آنکھوں میں اندھیر ہوگئی۔ کیا دیکھتی ہیں سے

نوحہ

آتے ہیں صغر علیؑ خون میں نہائے ہوئے — موت کی ہچکی لگی۔ خون میں نہائے ہوئے

آنکھیں کھلی کچھ مندی۔ مٹھیاں تھیں بندھی — سینے کے اوپر دھری، خوں میں نہائے ہوئے

تیر گلے پر لگا، منکا تھا ڈھلکا ہوا

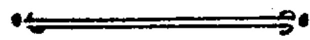
مُردنی چھائی ہوئی، خون میں نہائے ہوئے

جان کے زندہ پسر، بانو چلی دوڑ کر — دیکھتے ہی رہ گئی۔ خون میں نہائے ہوئے

بولے شہ خوش خصال بیجئے بانو یہ لال — شکل ہے کیسی بنی، خوں میں نہائے ہوئے

حیدرِ خستہ جگر، لے لیا ماں نے پسر

دیکھتے ہی گر پڑی، خوں میں نہائے ہوئے



اٹھارھویں مجلس

جنابِ رسولِ خدا کا امام حسنؑ کا منہ چومنا اور گلوئے حسینؑ پر بوسہ دینا۔ امام حسینؑ کا رنجیدہ ہونا۔ آنا زوارِ نجف کا کربلا میں

منقول ہے۔ کہ ایک روز جناب حسنین علیہما السلام خدمتِ فیض درجت جنابِ رسولِ مقبولؐ میں حاضر ہوئے۔ اور آداب و تسلیمات بجا لائے۔ حضرت ختمی مرتبت نے اپنے دونوں نواسوں کو بہت پیار کیا۔ حسنؑ کے منہ کو چوما اور حسینؑ کے گلے کو بوسہ دیا۔ مگر حسین علیہ السلام اِس بات سے کہ نانا جان نے میرے منہ کو دچوما رنجیدہ خاطر ہو کر اپنی مادرِ گرامی جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ روتے جاتے تھے اور خاموش ہوتے تھے۔ جناب سیدہ نے کمال محبت سینے سے لپٹا کر پوچھا۔ کہ میرے حسینؑ کو کس نے رنجیدہ کیا ہے۔ اے حسینؑ کیوں روتے ہو۔ فرمایا کہ اے اماں جان ذرا میرا منہ تو سونگھو کیا میرے منہ سے بوئے ناگوار آتی ہے۔ جو میرا نانا جان نے میرا منہ نہ چوما اور بھائی حسنؑ کا منہ چوما گئے۔ یہ سن کر جناب سیدہ کمال مضطرب ہوئیں اور شہیدِ کربلا

کی انگلی پکڑے ہوئے۔ خدمت میں جنابِ رسولِ خداؐ کی تشریف لائیں اور بعد سلام کہا۔ کہ اے بابا جان آپ ہی اِن کو ناز کراتے ہیں اور آپ ہی رُلاتے ہیں۔ کیا باعث ہے۔ کہ آپ نے حسن کے منہ کو چوما اور میرے حسین کے منہ کو نہ چوما۔ آہ آہ یہ سن کر جناب رسولِ خداؐ بے تاب ہوگئے اور اِس قدر روئے۔ کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ یہ دیکھ کر جناب سیدہؑ نے کہا کہ اے بابا جان یہ کیا راز ہے۔ کہ آپ اِس قدر بے قراری سے روتے ہیں۔ فرمایا آپ نے کہ اے بیٹی حسن کے منہ کو اِس واسطے چومتا ہوں۔ کہ ظالم ایک روز زہر پلا دیں گے۔ اور اِس کے جگر کے ٹکڑے اِسی منہ سے نکلیں گے جس کے میں بوسے لیتا ہوں۔ اور اے فاطمہؑ لے پارۂ جگر حسینؑ کے گلے کو اِس واسطے چومتا ہوں۔ کہ اِسی گلے کو شمر لعین خنجرِ بے داد سے قطع کردے گا۔ نہ اُس وقت تو ہوگی اور نہ میں ہوں گا اور نہ علیؑ ہوں گے۔ یہ سن کر جناب سیدہ زار زار رونے لگیں اور کہا کہ اے بابا تو پھر ایسی حالت میں میرے فرزند کو کون روئے گا۔ اور کون اس کی صفِ ماتم بچھائے گا یہ سن کر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اے بیٹی اِس کا غم نہ کھا۔ کہ خداوند کریم ایک قوم کو پیدا کرے گا۔ کہ وہ ہر برس تیرے حسینؑ کی مجلسِ غم بپا کیا کریں گے۔ یہ سن کر جناب سیدہؑ نے فرمایا۔ کہ اے بابا میں بروزِ قیامت ان کی شفاعت خواہ ہوں گی اور

جب تک میرے دوست دارانِ حسینؑ بہشت میں داخل نہ ہوں گے میں بہشت میں قدم نہ رکھوں گی۔ کیوں حضرات سنا آپ نے کہ جنابِ سیدہ قیامت میں تمہاری شفیع ہوں گی۔ خوشا حال ہمارا۔ کہ ہم سید الشہدا کے عزادار ہیں۔ چنانچہ راوی لکھتا ہے۔ کہ جب جنابِ علی اصغرؑ معصوم بھی نشانۂ تیر ہو چکے۔ تو آپ اہلِ حرم سے رخصت ہو کر میدانِ کارزار میں تشریف لائے۔ اور ان ملاعین سے بااتمامِ حجت آپ نے سوالِ آب کیا۔ مگر وہ ملاعین آپ کو تیر مارتے تھے۔ انہیں ایام نا فرجام میں ایک مومنِ دین دار بقصدِ زیارت جنابِ امیرؑ شاہِ قلعہ گیر نجف اشرف میں جا رہا تھا۔ کہ ناگاہ اِس کا گذر کربلا کے میدان لق و دق میں ہوا۔ تو اس نے کیا دیکھا۔ کہ ایک مظلوم و بے کس شخص کو تمام بانئے اشرار گھیرے ہوئے ہیں اور جب وہ ان سے پانی مانگتا ہے۔ تو وہ تیروں سے جواب دیتے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ نہایت متفکر ہوا۔ اور کہنے لگا۔ کہ سے

اللہ رے کس قدر ہے پر آشوب یہ مقام

بیکس پہ اس قدر رہے غم و رنج اور آلام

یہاں سے جلدی کوچ کر جانا چاہئے۔ یہ تو ٹھہرنے کا مقام نہیں۔ یہ کہہ کر چند ہی قدم چلا تھا کہ دل میں خیال آیا۔ کہ یہ شخص نہایت

ستم رسیدہ ہے اگر یہ دُعا کرے۔ تو عجب نہیں۔ کہ میں اپنی منزلِ مقصود پر جلدی پہنچ جاؤں۔ ایسے شخص کی دُعا میں بڑا اثر ہوتا ہے ؎

دِل میں یہ سوچ سوچ کے وُہ بندہ خُدا — آیا قریب دِلبرِ محبوبِ کبریا
جُھک کر کیا سلام و علیکم اور یہ کہا — کیا آپ سے خطا ہوئی بتلائیے ذرا
آگاہ کیجئے مجھ کو بہت اِنتشار ہے
جب سے ہے دیکھا آپ کو دِل بیقرار ہے
سُن کر کہا یہ آپ نے اے مردِ باخُدا — کِس کِس ظُلم کا تم سے کروں بیان آہ
تیغِ ظلم سے ہو گیا گلشن مرا تباہ — اِن ظالموں نے قتل کئے میرے اقربا
جنگل میں موت آئی ہے بستی سے دُور ہوں
عالم ہے اُس کی ذات کہ میں بے قصور ہوں

اے شخص اِس فرقۂ اشرار نے کیسے کیسے جوانِ رعنا میرے لشکر کے بے جُرم و خطا شہید کر دیئے۔ حتیٰ کہ چھ ماہ کے بچے کو بھی نہ چھوڑا۔ مگر میں نے سوائے صبر کے کوئی بات نہیں کی اور اے بھائی ؎

کہنے میں بات آتی ہے اس کا گِلہ نہیں
دِن تیسرا ہے آج کہ پانی مِلا نہیں

مگر اے بندۂ خُدا تو کہاں سے آیا ہے اور کس جگہ کا ارادہ ہے۔ فرمایا اُس مردِ مسافر نے کہ اے شخص میں مدینہ معظمہ کا رہنے والا ہوں اور بشوقِ

زیارت جناب امیر علی ابن ابی طالبؑ اپنے گھر سے نِکلا ہوں۔ برائے امرِ عمدہ جاتا ہوں۔ دُعا کریں۔ کہ خداوندِ کریم مجھے جلدی منزلِ مقصود پر پونچا دے۔ کئی دنوں سے گھر سے نِکلا ہوں۔ راستے میں بہت دُشوار گھاٹیاں طے کی ہیں۔ خدا مجھے اپنے ارادہ میں کامیاب کرے۔ اللہ اللہ جس وقت وہ مُسافر یہ کلمات کہہ چکا۔ تو ؎

یہ سُن کے آپ آئے مُسافر کے مُتصل — پھیلا کے دونوں ہاتھ کہا آ گلے تو مِل
اے بھائی سچ ہے مُشدِ قربت ہے جا مُکل — اِس دم بہل گیا ترے آنے سے میرا دِل
بنتی نہیں جب آتی ہے قسمت بگاڑ پر
ٹکڑے ہو گر پڑے یہ مصیبت پہاڑ پر
دیکھی جو یہ عنایتِ سُلطانِ بحر و بر — رونے لگا وُہ مردِ مُسافر جُھکا کے سر
دِل میں کہا خُدا کا مُقرب ہے یہ بشر — اِس حال میں غریب نوازی ہے اِس قدر
کیا جانئے امام ہے یہ یارِ رسُول ہے
کِس گلشنِ بہارِ شرافت کا پھُول ہے

یہ سوچ کر وُہ مردِ مُسافر کہنے لگا۔ کہ اے بندۂ خُدا تم کِس خاندان سے ہو۔ فرمایا آپ نے کہ اے مردِ مُسافر جس شاہِ عالی مقام کی زیارت کو جا رہے ہو اِس ناچیز کو بھی ان کی جناب میں خصوصیت حاصل ہے جس وقت تم وہاں پہنچنا۔ ایک میرا پیغام بھی اِس درگاہِ عالیجاہ میں

پونچا دینا اور کہنا کہ آپ سب کے مُشکلکشا ہیں۔ یہ خادم بھی آپ کا دم بھرنے والا ہے۔ جب میں قتل ہو جاؤں تو میرے اہلِ حرم کے پردے کا خاص خیال رکھنا۔ یہ کلمات سُن کر وہ مردِ مومن دل میں کہنے لگا کہ اب اِس کا وقتِ شہادت عنقریب ہے۔ بیکس کے کام آنا چاہئے اور اپنی جان اُن کے قدموں پر نثار کرنی چاہئے۔ بعد مرگ انشاءاللہ زیارتِ شاہ قلعہ گیر جناب امیر سے مشرف ہوں گا۔ یہ سوچ کر کہا۔ کہ اے بندۂ خُدا مجھے اذنِ کارزار عنایت فرمائیے۔ تاکہ ان ملعونوں سے آپ کا انتقام لوں مجھے قسم اُسی شخص کی جس کی میں زیارت کو جاتا ہوں اب یہ سر میری گردن پر بار ہے۔ حُکم دیجئے ؎

یہ سُن کے آپ بولے کہ ہاں قسم کھا — اے بھائی تو ہے صاحبِ غیرت لے رضا
تجھ کو یاں کی رات بس اِک کام تجھ کو جا — بچنے کا میں نہیں ہوں اگر جان دی تو کیا
دامن مرے آنسوؤں سے بھگوتی ہے رات دِن
بیٹی تیری تیرے لئے روتی ہے رات دِن
رُخصت کے وقت تھی جو بِلکتی تھی دمبدم — وہ مڑ کیا تھا کہ نہ کہ آئیں گے جلد ہم
مرتی ہے اِنتظار میں وُہ صاحبِ اَلم — آزردہ اِس اَلم میں ہوں کیں ابھی اسیرِ غم
ہجراں کشیدہ رنج و بلا و مِحن میں ہے
بیمار ایک میری بھی بیٹی وطن میں ہے

جس وقت یہ کلمات زبانِ مُبارک سید الشہدا سے اِس مردِ مومن نے سُنے۔ تو محو حیرت ہو گیا۔ کہ لڑکی سے رُخصت ہونے کا واقعہ سوائے میرے یا خداوند تعالےٰ کے کسی کو معلوم نہیں ہے۔ شاید ان کو علم غیب میں دستگاہ ہے۔ ہاں زمانۂ رسالت مآبؐ میں جس قسم کا کوئی سوال کرتا تھا جواب باصواب پاتا تھا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا۔ کہ آپ اس کا مافی الضمیر سمجھ کر جواب پہلے ہی دے دیتے تھے۔ اور بعد ان کے میرے مولا و آقا جنابِ علی ابن ابی طالب کو ان سب باتوں پر دستِ قُدرت تھا۔ اور جب سے وُہ رحلت کر گئے۔ تو جنابِ امام حسنؑ ان کے بڑے شہزادے لوگوں کے سوالوں کا جواب تسلی بخش دیتے تھے۔ اور غیب کی باتیں بھی سُنا دیتے تھے۔ اب خُدا سلامت رکھے میرے مولا و آقا امام حسین علیہ السلام کو وہ جناب ہر طرح سے لوگوں کے سوالوں کا جواب باصواب دیتے ہیں۔ اور وہی پنجتنِ پاک میں سے باقی ہیں۔ خُدا ان کی عمر دراز کرے۔ یہ دِل میں کہہ کر ؎

ہاتھوں کو جوڑ کر کہا اے مردِ نیک نام — بتلائیے برائے خُدا مجھ کو اپنا نام
سُن کر کلام اس سے یہ کہنے لگے امام — عاجز بلا رسیدہ ستم دیدہ تشنہ کام
رنج و غم و الم میرے حصے میں آئے ہیں
یہ سب خطاب میں نے یہاں آ کے پائے ہیں

جب اِس مردِ مومن نے یہ سُنا تو تڑپ اُٹھا اور کہتا تھا ؎

اے شخص تیرا حال بہت ہے دردناک — اظہار اسم قدس اعلیٰ میں کیا ہے باک
بتلائیے کہ غم سے کلیجہ ہے چاک چاک — چُھپ نہ گئے تڑپنے سے لِس کے نام پاک

نکلا نہ مُنہ سے یہ کہ شہ مشرقین ہُوں
مولا نے سر جُھکا کے کہا میں حسینؑ ہُوں

آہ آہ یہ سُننا تھا۔ کہ زوّارِ نجف غش کھا کر زمین پر گر پڑا دیر بعد جب ہوش آیا۔ تو حضرت کے قدوم میمنت لزوم پر جُھک کر اپنا مُنہ مَلنے لگا۔ اور کہنے لگا ؎

نوحہ

یا شاہِ زماں عاشقِ غفار حُسینا — نا شُرہ ہو یہ صدقے میرے سردار حُسینا
آقا میرے ہو اذنِ حرب جلد عنایت — یہ سر ہے مرے دوش پہ اب بار حُسینا

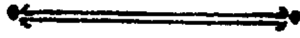
جاؤنگا پس از مرگ زیارت کو نجف میں
کیجے نہ مجھے جد سے شرمسار حُسینا

تُم ساقیٔ کوثر کے ہو فرزند اے شاہا — یہ عُقدہ کُشائی کا ہے دربار حُسینا
تنہا تمہیں کس طرح سے چھوڑوں میرے آقا — نہ فوج نہ لشکر نہ علمدار حُسینا

یہ سُن کے کہا شاہ نے زوّارِ نجف سے
کچھ فکر نہ کر سر پہ ہے غمخوار حُسینا

محضر میں شہادت کے نہیں نام ہے تیرا — دے تم کو جزا مالک و مختار حُسینا
رخصت ہُوا روتا ہُوا وہ شاہِ اُمم سے — کہتا تھا کہ جاتا ہُوں میں ناچار حُسینا

حیدرؔ کی دُعا ہے کہ خُدا دن وہ دکھائے
جو آنکھوں کے ہو سامنے دربار حُسینا



اُنیسویں مجلس

شہادتِ جناب امام حسین علیہ السّلام

مومنین باتمکین روایتِ صحیحہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے۔ کہ جب مجلس عزائے جناب سیّد الشہداء برپا کی جاتی ہے۔ تو اس مجلس میں جناب فاطمہ زہراؑ بھی تشریف لاتی ہیں۔ اور ساتھ آنجناب کے آسیہ زنِ فرعون و حضرت مریمؑ بھی ہوتی ہیں۔ اور ہاتھ میں جنابِ سیّدہ کے ایک رومال ہوتا ہے کہ اس سے رونے والوں کے آنسو پونچھ کر بکمال شفقت فرماتی ہیں۔ کہ خوشا حال میرے عزیزو۔ کہ تم میرے ایسے غریب و بیکس فرزند پر روتے ہو کہ جس کا رونے والا کوئی نہ تھا۔ انشاء اللہ بروزِ حشر میں تم سب کی شفاعت خواہ ہونگی۔ سُبحان اللہ مومنین کیا درجات ہیں اِس مجلس کے اور کیسی مصیبت تھی کہ جس کو یاد کرکے جنابِ فاطمہؑ اب تک اشکبار ہیں خوشا حال ہمارا۔ کہ ہم ایسے شہید کی مجلس میں شامل ہیں۔ کہ جس کی خواہش ملائکہ مقربین بھی رکھتے ہیں۔

مومنین۔ کیوں نہ روئے وہ ماں جس کا بھرا گھر ایک دوپہر کے عرصہ میں تباہ و برباد ہو گیا۔ راوی لکھتا ہے کہ جب سب عزیز و انصارِ سیّد

ابرار کے شہید ہو گئے حتیٰ کہ علی اصغر شیرخوار بھی نشانۂ تیر ہوئے۔ تو حضرت خود بنفسِ نفیس اپنی مرگ پر آمادہ ہوئے۔ اور واسطے رخصت کے خیمۂ اہلِ حرم میں تشریف لائے۔ اور فرمایا اے زینب و کلثوم و اے سکینہ و اے رباب میرا فِضّہ تم سب پر حسینؑ کا آخری سلام پہنچے۔ کہ میں اب تم سے رخصت ہوتا ہُوں۔ اِس کے بعد تمہارے پاس نہیں آؤں گا۔ یہ کلمۂ حسرت ناک سُن کر تمام بی بیاں حضرت کے گِرد کھڑی ہو گئیں اور حضرت کو حلقہ میں لے لیا۔ اور جناب زینب و اُمِّ کلثوم ہمشیرگانِ سیّد الشہداء کی حالت بہت غیر تھی۔ اور بچّے زمین پر پچھاڑیں کھاتے تھے۔ آپ نے سب کو صبر کی تلقین کی۔ اور فرمایا جناب زینب سے کہ اے بہن تم سب سے بڑی ہو اِس لئے میری آپ سے وصیّت ہے۔ کہ ہر طرح سے صبر کرنا۔ اور میرے بچّوں کی حفاظت کرنا۔ جناب زینبؑ نے فرمایا کہ اے بھیّا اے ماں جائے۔ بچّوں کو تو میرے سپرد کر چلے ہو مگر مجھے کس کے سپرد کر رہے ہو۔ سوائے تمہارے یہاں کون ہے۔ جو میری حفاظت کرے گا۔ میری ماں فاطمہ زہراؑ کی ایک تم ہی نشانی ہو۔ آپ بھی مجھ سے کنارا کر رہے ہو۔ فرمایا آپ نے کہ بہنا جو مشیتِ الٰہی انسان کا کیا دخل ہے اِس میں۔ اچانک جو حضرت نے نظر کی تو جنابِ بانو وہاں نظر نہ آئیں۔ آپ نے بوجہ حجاب جناب زینبؑ

سے تو نہ پُوچھا مگر جناب سکینہؑ سے فرمانے لگے۔ کہ ؎

بی بی کہو کیا کرتی ہیں اماں تمہاری
اصغرؑ ہی کے دم تک تھی محبت انہیں ساری۔

یہ کلام سُن کر جناب زینبؑ نے فضہ کو کہا۔ کہ جا فضہ بھابی جان کو بُلا لاؤ۔ فضہ فوراً شہزادی عجم جناب شہر بانو کی خدمت میں پونچیں یہ دیکھ کر فضہ نے سر پیٹ لیا۔ کیونکہ جناب شہر بانو علی اصغرؑ کے پنگوڑے کو پکڑے ہوئے بے ہوش پڑی ہوئی ہیں ؎

فضہ قدم پکڑ کے پکاری دہائی ہے — بانو اُٹھو وداعِ شہ کربلائی ہے
اب گھر کی اہلبیتؑ کے دم میں صفائی ہے — بی بی کی میری رُوح بھی ملنے کو آئی ہے
واڈیں پچھاڑیں کھاتی ہیں ماتم کا جوش ہے
باقرؑ کو ہے نہ ہوش نہ عابدؑ کو ہوش ہے

جس وقت یہ صدائے فضہ گوشِ جناب شہر بانو میں پہنچی فوراً اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور فضہ سے کہا۔ کہ میرے ہوش بجا نہ تھے چلو ابھی حاضر ہوتی ہوں ؎

تھی کس حشم سے آمد بانوئے خستہ جاں — کبرٰی و فضہ شانوں کو پکڑے بصد فغاں
پہلو میں تھی بہو کے دُھر فاطمہ رواں — اور اس طرف کو مریم حوا تھیں نوحہ خواں
غل تھا حیا نہیں فلکِ نیلی فام کو
جاتی ہے مہر بخشنے بانو امام کو

پس جس وقت اس حال سے بانوئے مضطر قریب سُلطانِ متینین پہنچیں۔ تو ملاحظہ فرمایا۔ کہ سب مخدّرات۔ حرم گردِ شاہ امم کھڑی ہیں۔ آپ نے آواز دی۔ کہ اے والی میرے کیا کام ہے۔ جو اس ناچیز کو یاد فرمایا۔ اس وقت امام مظلوم نے ارشاد فرمایا۔ کہ رُخصت ہوتا ہوں۔ اور یہ رُخصت میری آخری ہے اب پھر خیمہ میں نہیں آؤنگا۔ تمہارے اکبر و اصغر کے پاس جاؤں گا۔ تم شاہزادی عجم ہو۔ اگر اس وقت میں مجھ کو مہر بخشدو تو بعید از کرم نہیں اُمت کا کام ہو تمہارا نام ہو۔ یہ سُن کر حضرت بانو نے سر پیٹ لیا اور عرض کی والی میرے مجھے کیا انکار ہے۔ جب اُمت پر اکبر و اصغر فدا کر دیئے۔ تو مہر کیا چیز ہے ؎

یہ ذکر تھا پکارے جو شبیرؑ الوداع — کبرٰی۔ سکینہ، بانوئے دلگیر الوداع
فضہ، رقیہ، زینبؑ ہمشیر الوداع — اب لوٹنے کو آئیں گے بے پیر الوداع
اُمید اب نہیں ہے جو پھر کر کے آئیں ہم
عابدؑ سے کہدو ہوش میں آئیں تو جائیں ہم

سجادؑ کے سرہانے گئیں بی بیاں تمام — دیکھا پڑا ہے غش میں وہ فرزندِ امام
بانو نے سر کو پیٹ کے کرنے لگی کلام — بیٹا اُٹھو میں لُٹتی ہوں تن کو چلے امام
محشر دکھائی دیتا ہے نزدیک دُور سے
بابا تمہارے جلتے ہیں دل ناصبور سے

جس وقت یہ آوازِ دلخراش سید سجادؑ کے کانوں میں پہنچی غش سے

چونک پڑے اور عمامہ سر سے پھینک کر بولے۔ کہ وائے ہم پر کہ ہم جوان ہو کر سر نہ کٹائیں۔ اور بابا جان مرنے کو جائیں۔ پس اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں چل پڑے۔ مگر ضعف سے قدم لڑکھڑاتے تھے ؎

آئے قریب شہ کے جو سجادؑ نیک نام — فرمایا السلام علیک یا ایہا الامام!
شہ نے دیا جواب سلام اور یہ پیام — اسرار علم غیب مُبارک تمہیں تمام
تم ہو امام وقت یتیموں کو پالنا
ہم سر کٹانے جاتے ہیں تم گھر سنبھالنا

پھر جناب زینبؑ ہمشیر دلگیر سے فرمایا۔ کہ اے بہن اب مجھے پوشاک آخری لا دو۔ یہ سُن کر جناب زینبؑ نے کپڑوں کا صندوق اپنے بھائی کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے ان کپڑوں میں سے جو سب سے کہنہ و ریدہ لباس تھا چُن لیا۔ بلکہ اس کو اپنے ہاتھ سے کئی جگہ سے چاک کیا۔ پہلے اس کو زیب تن کیا اس کے اوپر ایک اور لباس جو اچھا تھا پہنا۔ جناب زینبؑ نے پوچھا۔ کہ اے یادگارِ پدر و مادر ایسا لباس کیوں پہنتے ہو۔ فرمایا آپ نے۔ کہ اے بہنا۔ کیا بتاؤں۔ کہ بعد میری شہادت کے ملاعین میرا لباس بھی اُتار کر لے جائیں گے۔ اس لباس کو اس واسطے پہنتا ہوں۔ کہ وہ بے حیا۔ اس کو کہنہ و دریدہ دیکھ کر چھوڑ دیں۔ اور میری لاش برہنہ نہ ہو۔ آہ آہ یہ سُن کر جناب زینبؑ نے مُنہ

اپنا پیٹ لیا۔ اور کہا کہ اے آسمان جائے یہ صدمہ میرے دل سے مرنے کے بعد بھی نہ بھولے گا۔ کہ اماں جان تو تمہیں روز عید لباسِ جنت سے آراستہ کریں۔ اور میں لباسِ کہنہ و دریدہ پہنتے ہوئے دیکھوں یہ کہہ کر روتے روتے بیہوش ہو گئیں۔ جب ہوش میں آئیں۔ تو صبر کی تلقین فرمائی۔ اور کہا کہ اے بہنا اب ہماری رُخصت ہے ؎

زینبؑ تو گئی خیمہ میں شہ جانب جنگاہ — دو چار قدم واں بڑھے ہونگے کہ شاہ
فضہ نے پکارا در خیمہ سے یہ ناگاہ — گھوڑے کی عناں روک کے ملے سید ذیجاہ
رونے سے نہیں رُکتی ہے غش کھاتی ہے زینبؑ
پاس آپ کے پھر روتی ہوئی آتی ہے زینبؑ

یہ سُنتے ہی شہ نے فرس تیز کو روکا — زینبؑ بھی قریب آ گئی کرتی ہوئی نوحہ
شہ بولے کہ کیا حال ہے اے دُخترِ زہراؑ — بے آپ کی مرضی تو نہیں رن کو چلا تھا
برباد نہ حُرمت کرو اس رنج و محن میں
فرق آئے نہ مر کر بھی بزرگوں کے چلن میں

یہ سُن کر جناب زینبؑ نے فرمایا کہ اے بھیا مجھے ایک اماں جان کی وصیت یاد آ گئی۔ اگر آپ پھر کر نہ آئے تو میں محشر میں اماں جان کے سامنے شرمندہ ہوتی یہ سُن کر ؎

شہ بولے کیا ہے وہ اماں کی وصیت — کی عرض کہ ارشاد کیا تھا دمِ رحلت

بھائی جو طلب تم سے کرے اُن کی اجابت　　اُس وقت مری تو یہ بجا لانا نیابت

بھائی کا گلا چُومیو مادر کی طرف سے

اور ہو جو رُخصت پسر شاہ نجف سے

جُھک جا وُہ گریبانِ قبا کھول دو داری　　بیساختہ خم ہو گیا وُہ عاشقِ باری

زینبؑ نے لئے حلق کے بوسے کئی باری　　پھر مُڑ کے سوئے فضہ یہ رو رو کے پکاری

یاد آیا تو پردے سے نکل آئی میں فضہ

کہنا تیری بی بی کا بجا لائی میں فضہ

پس حضرت نے فرمایا۔ کہ اے بہن میری بھی ایک آخری حاجت ہے۔ اِس کو بھی پُورا کرو۔ کہا ہمشیر نے کہ اے ماں جائے آپکی کیا حاجت ہے۔ فرمایا کہ اے بہن اپنا بازُو ذرا کھول دو۔ جب جناب زینبؑ نے بازُو کھولے تو حضرت نے بازؤں کے رو رو کر بوسے لئے۔ اور کہنے لگے ؎

جن بازوؤں پہ دیتا ہُوں بوسے میں دو بہن سے

بندھ جائینگے بازُو یہی اِک روز رسن سے

الغرض جناب سید الشہداؑ رخصت ہو کر میدان میں تشریف لائے۔ اور بغرض اتمام حُجّت فرمایا۔ کہ اے قوم میں تمہارے نبی کا نواسا ہُوں۔ تم کیوں میرے درپئے قتل ہو کیا میں نے کوئی نیا دین ایجاد کیا ہے۔ یا میں نے

کسی شریعت کو بدل دیا ہے۔ کیا میں نے کسی بے گُناہ کو قتل کیا ہے کیا میں نے کسی کا مال چھینا ہے کہ تم میرے خُون کے پیاسے بن رہے ہو اے قوم کیا میرے سر پر یہ عمامہ تمہارے رسُول کا نہیں۔ کیا میرے بدن پر یہ لباس تمہارے رسُول کا نہیں۔ کیا میں وہی حسینؑ نہیں ہوں جس کو تمہارے رسُول نے اپنا فرزند کہا جس کے لئے روزِ عید آنحضرتؐ ناقہ بنے۔ جس کے لب و دہن کے بوسے لیتے تھے۔ کیا میں وہی حسینؑ نہیں ہُوں۔ جس کی شان میں تمہارے رسول نے فرمایا ہے حُسَین مِنّی وَاَنَا مِن الحسنین ۔ اے اہل کوفہ و شام تمہیں کیا ہو گیا۔ کہ جس نبی کا کلمہ پڑھتے ہو۔ اُسی کے نواسے کے قتل پر کمر بستہ ہو۔ اے بے غیرتو تم نے مجھے مہمان بُلا کر چاروں طرف سے گھیر لیا۔ آب و دانہ مجھ پر بند کیا میرے ننھے ننھے بچے بھُوک اور پیاس سے بلک رہے ہیں اور تم چین سے اپنی زندگی بسر کر رہے ہو۔ آہ تم نے میرے بھرے خاندان کی صفائی کر دی۔ میرے تمام انصار و احباب کو سفندانِ قُربانی کی طرح میری آنکھوں کے سامنے ذبح کر دیئے اِس پر بھی تمہاری آتش عداوت نہ بجھی اور اب مجھ بے گُناہ کے قتل پر آمادہ ہو رہے ہو۔ اے ظالمو! عذابِ آخرت سے ڈرو۔ کہ وہ بہت سخت عذاب ہو گا۔ وہ وقت قریب ہے۔ کہ عذابِ الہٰی کے شُعلے تمہیں چاروں طرف سے

گھیر لیں۔ یہ سُن کر اس بے حیا قوم نے جواب دیا۔ کہ اے حسین یہ وقت فضائل بیان کرنے اور نصیحت کرنے کا نہیں بلکہ ہم سے جنگ کرنے کا ہے۔ اگر لڑنے کی تاب نہیں۔ تو یزید بن معاویہ کی بیعت منظور کر لو۔ ورنہ اپنے قتل کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ یہ سُن کر امام علیہ السلام۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہتے ہوئے۔ وہاں سے پلٹے۔ اور فرمایا اے بے حیاؤ۔ میں جنگ کرنے سے عاجز نہیں۔ جو کچھ کہہ رہا تھا۔ بغرض اتمام حُجّت کہہ رہا تھا۔ اچھا اب علیؑ کے بیٹے کی ذرا شمشیر زنی کا تماشا دیکھو۔ اِس کے بعد آپ نے ذوالفقارِ حیدرِ کرّار کو نیام سے نکالا۔ اور رجز شیرانہ رجز پڑھتے ہوئے اِس قوم نگوں کردار پر حملہ آور ہوئے۔

ایک انگریز مورخ لکھتا ہے۔ میں نے نہ آنکھوں سے دیکھا اور نہ کانوں سے سُنا۔ کہ کوئی ایسا شخص جس کے عزیز بُوڑھے جوان اور بچے اس کی آنکھوں کے سامنے مارے گئے ہوں تین دِن کا بھُوکا پیاسا ہو۔ بدن اِس کا زخموں سے چُور چُور ہو اور پھر حسینؑ کی طرح اس بہادری سے لڑتا ہو۔ ایک تن تنہا کے حملہ نے دشمن کی فوج میں وُہ ہل چل ڈال دی تھی۔ کہ گھبراہٹ میں سپاہی کے اُوپر سپاہی گر رہا تھا جس طرف حضرت رُخ کرتے تھے۔ دُشمن اسی طرح بھاگتے تھے۔ گویا ہوا کے زور سے ٹڈیاں بھاگ رہی ہیں۔ صاحب تحرا لبکلم

لکھتے ہیں۔ کہ امام حسینؑ علیہ السلام کا تیسرا حملہ اس زور کا تھا۔ کہ فوج پیچھے ہٹتے ہٹتے کُوفہ کے دروازے کے اندر داخل ہو گئی تھی۔ اور بے شمار سپاہی گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچلے گئے۔ ہر طرف سے الامان۔ الامان کی آوازیں آرہی تھیں۔ صاحب روضۃ الشہدا نے مقتولین کی تعداد بارہ ہزار تک لکھی ہے لیکن کم از کم دو ہزار دُشمنوں کا قتل کرنا ایک تشنہ کام ضعیف و ناتوان پسر مُردہ شخص کے لئے عدیم المثال ہے۔ نہ اِس کے قبل ظہور میں آیا تھا نہ بعد میں کوئی ایسا شجاع گُذرا۔ مگر کہاں تک لڑتے۔ خُون بھی جسم سے بکثرت بہہ چُکا تھا۔ دِن ڈھل رہا تھا۔ کہ ہر طرف سے خورشید امامت پر نرغہ ہوا۔ عمر سعد نے آواز دی، وائے ہو تم پر یہ شخص انزع البطین کا یادگار ہے۔ قتالِ عرب کا فرزند ہے۔ اِس طرح کبھی تم سر برنہ ہو گے۔ ہر طرف سے گھیر لو۔ یہ سُننا تھا۔ کہ بے کس پر فوجوں کا ہجوم ہوا حضرت پر حملہ پر حملا اور وار پہ وار کرنے لگے۔ آہ ایک مظلوم بھُوکے پیاسے کو ہزاروں خُون کے پیاسے گھیرے ہوئے تھے۔ آپ کا تمام بدن زخموں سے چُور چُور تھا۔ کپڑے خُون سے تر بتر تھے۔ کمزوری سے غش پہ غش آرہے تھے۔ پیاس کی شدت سے زبان سُرخ ہو رہی تھی اسی حالت میں ایک بار پھر حضرت نے آوازِ استغاثہ بلند کی ھل من ناصر ینصرنا

ھَل مِن مُغیثٍ یُغیثُنا۔ اس آواز کے بلند ہوتے ہی ملائکہ اعلیٰ میں قیامت برپا ہو گئی۔ جبرائیل امینؑ نے درگاہِ الٰہی میں عرض کی۔ کہ پالنے والے مجھ سے حسینؑ کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔ یہ وہی حسین تو ہے جس کے لئے میں جنّت کے میوے لے کر جاتا تھا۔ جس کے گہوارے کو ہلاتا تھا۔ پالنے والے مجھے اجازت دے کہ میں اس وقت بیکسی میں اپنے حسینؑ کی مدد کر دوں۔ حجابِ قدرت سے آواز آئی۔ کہ اے جبرائیل اگر میرا حسین تمہاری مدد منظور کرے۔ تو ضرور اس کی مدد کرو۔ یہ سنتے ہی جبرائیل امین نے نہایت بیقراری سے اپنے مقام سے پرواز کی۔ اور پہنچکر کربلا میں امامِ غریب کے سر پہ اپنے پروں کا سایہ کر لیا۔ تاکہ پیارے نبی زادے کو حدّتِ آفتاب میں کچھ سکون حاصل ہو۔ لکھا ہے۔ کہ جب امام علیہ السلام کو یکایک سایہ کی وجہ سے کچھ خنکی محسوس ہوئی۔ تو آپ نے آسمان کی طرف نظر کی اور کہا کہ اے سایہ کرنے والی مخلوق تو کون ہے؟ تو ندا آئی۔ کہ اے میرے شاہزادے میں تمہارا خادمِ دیرینہ جبرائیل ہوں مجھے اجازت دو۔ کہ میں ان کا خاتمہ کر دوں۔ فرمایا آپ نے کہ اے جبرائیلؑ میرے صبر کا امتحان خالق کو منظور ہے۔ اس لئے پروں کا سایہ اٹھا لو جبرائیل مایوس ہو کر واپس آ گئے۔ اس کے بعد ہمارے مولا اپنا سوکھا

گلا کٹانے کے لئے تیار ہوئے۔ آپ نے اپنا عمامہ و دیگر تبرکات گھوڑے کی زین سے باندھے اور فرمایا ذوالجناح سے کہ اے اسپِ وفادار جب میں زین سے روئے زمین آ جاؤں تو یہ سب چیزیں بحفاظت تمام اہلِ حرم تک پہنچا دینا۔ آہ آہ کس زبان سے عرض کروں۔ کہ اس کے بعد کیا ہوا۔ اس قومِ جفاکار نے یکایک چاروں طرف سے تیروں کی بارش شروع کر دی۔ اور قریب آ کر نیزے پہ نیزہ مارنے لگے یہاں تک کہ ہمارے مظلوم امام سے گھوڑے پر نہ ٹھہرا گیا۔ آپ رضاً بقضائہ و تسلیماً لامرہ کہتے ہوئے گھوڑے سے گرے۔ اور آپ کے جسمِ اقدس پہ اتنے تیر پیوست تھے۔ جیسے ساہی کے بدن پر کانٹے ہوتے ہیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ کا جسمِ اقدس تیروں پر معلّق رہا۔ راوی لکھتا ہے۔ کہ جب گھوڑے سے حضرت زمین پر گر پڑے تو پسرِ سعد نے سردارانِ لشکر سے کہا۔ کہ اب جلد حسینؑ کا سر کاٹ لو۔ لیکن کسی کو ہمّت نہ ہوتی تھی۔ کہ اس سخت کام کو سر انجام دے۔ آخر شمرِ لعین اس بات پر آمادہ ہوا۔ کہ تشنہ و گرسنہ سیّد کو قتل کرے اور زمین و آسمان کو ہلا دے۔ پس وہ ملعون خنجر بکف اس نشیب کی طرف چلا جہاں امام مظلوم گرے ہوئے تھے۔ یہ وقت عصر کا تھا۔ اور اسی حالت میں نمازِ عصر ادا فرما رہے تھے کہ شمرِ ملعون وہاں پہنچا۔ اور اس سینۂ

بے کینہ پر سوار ہو گیا راوی لکھتا ہے۔ کہ جب آپ گھوڑے سے گرے تھے۔ تو جنابِ زینبؑ نعرے مارتی ہوئی اس ٹیلہ پہ پہنچ گئی تھیں۔ جو تلِ زینبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور وہاں سے فریاد کر رہی تھیں۔ کہ اے ظالمو میرے مظلوم بھائی پر رحم کرو۔ جب آپ نے شمر کو خنجر بکف دیکھا تو بلبلا گئیں اور کہنے لگیں ؎

یا فاطمہؑ مزار سے نکلو برہنہ سر	بیٹھا ہے شمر بھائی پہ استوار ہو کدھر
یا مجتبےٰ تمہیں نہیں بھائی کی کچھ خبر	یا مصطفٰےؐ گھرا ہوا ہے آپ کا پسر

بے جرم قتل کرتے ہیں اس تشنہ کام پیاسے کو
نانا بچاؤ تیغوں سے اپنے نواسے کو

پس جب شمرِ ملعون نے پیاسے گلے پر خنجر رکھ دیا۔ تو جنابِ زینب فرمانے لگیں۔ اے ابنِ سعد خدا تیری نسل کو قطع کرے۔ میرے بھائی ابو عبداللہ قتل ہو رہے ہیں اور تو دیکھ رہا ہے۔ آہ آہ مومنین جنابِ زینب فریاد ہی کرتی رہیں اور وہاں شمرِ ملعون نے بوسہ گاہِ نبوی پر خنجر پھیر دیا۔ جس سے زمینِ کربلا میں زلزلہ آ گیا۔ سورج کو گہن لگ گیا۔ سیاہ آندھیاں چلنے لگیں۔ ہر طرف سے القتل الحسین بکربلا۔ الذبح الحسین بکربلا۔ کی صدائیں گونجنے لگیں۔ غم و شی کے باجے بجنے لگے۔ لکھا ہے کہ جب حلقِ امامِ مظلوم پر خنجر چل رہا تھا۔ تو تین خاص چیزیں لوگوں نے

دیکھیں۔ ایک چیز اوپر سے نیچے کو آئی۔ ایک چیز نیچے سے اوپر کو گئی اور ایک چیز چاروں طرف گھومنے لگی۔ جو چیز اوپر سے نیچے کو آئی وہ جبرائیل فرشتہ تھا۔ جو نیچے سے اوپر کو گئی۔ وہ امام حسین علیہ السلام کا سر تھا جو خولیِ لعین نے اپنے نیزہ پر چڑھا لیا۔ اور جو چاروں طرف گھومی وہ حسینؑ کی دکھیا بہن تھی۔ جو اپنے بھائی کی لاش کے گرد انتہائی بے چینی سے گھوم رہی تھی۔ اور کلیجہ ہاتھوں سے پکڑے فریاد کر رہی تھیں۔ واہ محمداہ واہ علیاہ، ہائے میں کربلا کے بن میں لٹ گئی۔ ہائے میری ماں کا پھلا پھولا باغ پردیس میں اجڑ گیا۔ اے میرے مظلوم برادر کاش یہ ستم رسیدہ بہن اس سے پہلے اندھی ہو جاتی اور آپ کو اس حالت میں نہ دیکھتی۔ خدا کسی بہن کو اپنے بھائی کی یہ حالت نہ دکھلائے جو ہماری شہزادی جنابِ زینبؑ نے دیکھی۔ بار بار غش کھا کر گرتی تھیں۔ یہاں تک کہ جنابِ فضّہ نے آ کر سنبھالا۔ اور خیمے میں واپس لے گئیں۔

راوی لکھتا ہے کہ بعد شہادت امام مظلوم ذوالجناح کی حالت دیوانوں کی سی ہو گئی۔ وہ بے زبان اس طرح چلّا چلّا کر صدا نکالتا تھا جس طرح نانِ پسرِ مردہ بلبلا کر روتی ہے اور آہ و نالہ کرتی ہے پہلے وہ خاک پر گر کر تڑپا پھر خونِ حسینؑ سے اپنی پیشانی رنگین کی۔

اور جانب خیمہ اس حالت سے جا رہا تھا۔ کہ باگیں ٹوٹی ہوئیں۔ زین ڈھلکا ہوا۔ تیروں سے غربال ہو چکر در خیمہ پر اس نے آواز دی کہ ؎

پیاسا گلا کٹا ہے شہ مشرقین کا　　زینب کو دینے آیا ہوں پُرسا حسین کا

اعدا کوئی گھڑی میں یہ خیمے جلائیں گے

اہلِ حرم کو بلوے میں در در پھرائیں گے

آہ، یہ صدا ذوالجناح کی سُن کر تمام بی بیاں اور بچے در خیمہ پر جمع ہو گئے سار رو واہ حُسینا۔ واہ مظلوما کے نعروں سے زمین و آسمان ہلا دیا اور ذوالجناح کو حلقہ میں لے کر اس قدر سینہ زنی شروع ہوئی۔ کہ دل پھٹا جانے لگا۔ راوی کہتا ہے۔ کہ واللہ جناب زینب کا تڑپنا مجھے نہیں بھولتا اپنے ماں جائے کی طرف مُنہ کر کے کہتی تھیں ؎

نوحہ

غم خوار حُسینا، بے یار حُسینا　　صدقے تری ہمشیر دل افگار حسینا

جب شمر نے خنجر ترے حلقوم پہ رکھا　　تب سے ہیں یہ آنکھیں مری خونبار حسینا

سُوکھا تھا گلا آپ کا اور خنجر بے آب

رگڑے دیئے ظالم نے کئی بار حسینا

کیسا یہ چڑھا ہائے محرم کا مہینہ　　پردیس میں سب لُٹ گیا گھر بار حسینا

ماں جائے مرے آکے تسلی تو ذرا دو

دل ہو گیا بے تاب یہ ناچار حُسینا

پیغام دیا اسپ وفادار نے بھیّا　　خیموں کو یہ لوٹیں گے جفاکار حسینا

کن آنکھوں سے دیکھوں گی ظلم اہلِ جفا کا　　پتھر کا جگر رکھتے ہیں کفار حسینا

دیکھا نہیں جاتا ہے سکینہ کا بلکنا

دے صبر اُسے خالقِ غفار حُسینا

بابا کو یہ پیغام پہنچا دینا اے بھائی　　بے پردہ نہ ہو عترتِ اطہار حُسینا

ہے حیدری یہ خادم دیرینہ تمہارے　　ہو نظرِ کرم اس پہ بھی اکبار حُسینا

ختم شُد حصّہ اوّل

بے کینہ پر سوار ہو گیا راوی لکھتا ہے۔ کہ جب آپ گھوڑے سے گرے تھے۔ تو جناب زینبؑ نعرے مارتی ہوئی اس ٹیلہ پر پہونچ گئی تھیں۔ جو تل زینبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور وہاں سے فریاد کر رہی تھیں۔ کہ اے ظالمو میرے مظلوم بھائی پر رحم کرو۔ جب آپ نے شمر کو خنجر بکف دیکھا تو بلبلا گئیں اور کہنے لگیں ؎

یا فاطمہؑ مزار سے نکلو برہنہ سر بیٹھا ہے شمر چھاتی پہ اسوقت ہو کدھر

یا مجتبےٰ تمہیں نہیں بھائی کی کچھ خبر یا مصطفےٰ گھرا ہوا ہے آپ کا پسر

بے جرم قتل کرتے ہیں اس تشنہ کام پیاسے کو

نانا بچاؤ تیغوں سے اپنے نواسے کو

پس جب شمر ملعون نے پیاسے گلے پر خنجر رکھ دیا۔ تو جناب زینب فرمانے لگیں۔ اے ابنِ سعد خدا تیری نسل کو قطع کرے۔ میرے بھائی ابو عبداللہ قتل ہو رہے ہیں اور تو دیکھ رہا ہے۔ آہ آہ مومنین جناب زینب فریاد ہی کرتی رہیں اور وہاں شمر ملعون نے بوسگاہ نبوی پر خنجر پھیر دیا۔ جس سے زمین کربلا میں زلزلہ آگیا۔ سورج کو گہن لگ گیا۔ سیاہ آندھیاں چلنے لگیں۔ ہر طرف سے القتیل الحسین بکربلا۔ الذبیح الحسین بکربلا۔ کی صدائیں گونجنے لگیں۔ عرش کے باجے بجنے لگے۔ لکھا ہے کہ جب حلق امام مظلوم پر خنجر چل رہا تھا۔ تو تین خاص چیزیں لوگوں نے

دیکھیں۔ ایک چیز اوپر سے نیچے کو آئی۔ ایک اور ایک چیز چاروں طرف گھومنے لگی۔ وہ جبرائیل فرشتہ تھا۔ جو نیچے سے اوپر کو گئی سر تھا جو خولی لعین نے اپنے نیزہ پر چڑھا گھومی وہ حسینؑ کی بہن تھی۔ جو اپنے بھا بے چینی سے گھوم رہی تھی۔ اور کلیجہ ہاتھو تھیں۔ واہ محمدا واہ علیا، ہائے میں کربلا میری ماں کا پھلا پھولا باغ پردیس میں اُ برادر کاش یہ ستم رسیدہ بہن اس سے پہلے اِس حالت میں نہ دیکھتی۔ خدا کسی بہن کو اپنے جو ہماری شہزادی جناب زینبؑ نے گرتی تھیں۔ یہاں تک کہ جناب فضہ نے واپس لے گئیں۔

راوی لکھتا ہے کہ بعد شہادت امام دیوانوں کی سی ہو گئی۔ وہ بے زبان تھا جس طرح نانِ پسرِ مُردہ بلبلا کر رو پہلے وہ خاک پر گر کر تڑپا پھر خونِ حسینؑ

اور جانب خیمہ اِس حالت سے جا رہا تھا۔ کہ باگیں ٹوٹی ہوئیں۔ زین ڈھلکا ہوا۔ تیروں سے غربال پہنچکر درِ خیمہ پر اس لے آواز دی کہ ؎

پیاسہ گلا کٹا ہے شہ مشرقین کا　　زینب کو دینے آیا ہوں پرسا حسینؑ کا

اعدا کوئی گھڑی میں یہ خیمے جلائیں گے
اہلِ حرم کو بلوے میں قید کر پھرائیں گے

آہ، یہ صدا ذوالجناح کی سُن کر تمام بی بیاں اور بچے درِ خیمہ پر جمع ہو گئے۔ اور واہ حُسینا۔ واہ مظلوما کے نعروں سے زمین و آسمان ہلا دیا اور ذوالجناح کو حلقہ میں لے کر اِس قدر سینہ زنی شروع ہوئی۔ کہ دل پھٹا جانے لگا۔ راوی کہتا ہے۔ کہ واللہ جناب زینب کا تڑپنا مجھے نہیں بھولتا اپنے ماں جائے کی طرف مُنہ کر کے کہتی تھیں ؎

نوحہ

غم خوار حسینا، بے یار حسینا　　صدقے تری ہمشیر دل افگار حسینا
جب شمر نے خنجر ترے حلقوم پہ رکھا　　تب سے ہیں یہ آنکھیں مری خونبار حسینا

سُوکھا تھا گلا آپ کا اور خنجر بے آب
رگ رگ سے دیئے ظالم نے کئی بار حسینا

کیسا یہ چڑھا ہائے مُحرّم کا مہینہ
ماں جائے مرے آکے
دل ہو گیا بے تاب
پیغام دیا اسپ وفادار نے بھیّا
کن آنکھوں سے دیکھوں گی ظلم اہلِ جفا کا
دیکھا نہیں جاتا ہے
دے صبر اُسے خالقِ
بابا کو یہ پیغام پہنچا دینا اے بھائی
ہے جلدی یہ خادم دیر نہ ٹھہرائے

ختم شد حصّہ ا

مجالسِ خاتون جدید

حصّہ دوم

رُباعی

یارب ہے حسین تیرا آقا میرا!
ہو کر بلا دامنِ مُصلّیٰ میرا
جب رُوح ہو تحلیل تو لوں نام حسینؑ
ڈھل جائے اسی تسبیح میں منکا میرا

بیسویں مجلس

بعدِ شہادت جناب سید الشہدا اشقیا کا خیمہ ہائے اہلبیتؑ کا جلانا اور اہلِ حرم کی بیقراری

اے جلِ شانہٗ وہ غفور الرحیم ہے　　ہم سب میں درد مندوں کا حکیم ہے
رحمان و مُستعان و رؤف و رحیم ہے　　اس کے سوا بھلا کوئی ایسا کریم ہے

ایماں بھی دے مُرادیں بھی دے عزت و جاہ بھی
روزی بھی بخشے خلد بھی بخشے گناہ بھی

کیا کیا بیاں کروں میں عنایاتِ کبریا　　پیدا پیمبروں کو پئے راہبری کیا
ہم کو محمدِ عربی سا نبی دیا　　بسم اللہ صحیفۂ فہرست انبیاء

آگے جو انبیائے ذوی الاقتدار تھے
محبوبِ کردگار کے سب پیش کار تھے

حضرات۔ ہمارے نبی سردرِ کائنات فخرِ موجودات کی جہاں بیشمار فضیلتیں تھیں۔ اُن میں ایک خاتم النبیین بھی صفت ہے۔ کس قدر احمق ہیں وہ لوگ جو آنحضرتؐ کو خاتم النبیین نہیں مانتے۔ کیونکہ تعلیم کا

عام قاعدہ ہے۔ کہ شروع میں لڑکوں کو پڑھانے کے لئے معمولی لیاقت کا معلم مقرر ہوتا ہے۔ پھر جُوں جُوں درجہ میں ترقی ہوتی جاتی ہے اُستاد بھی اسی قابلیت کا مقرر ہوتا چلا آتا ہے۔ اس کے بعد جب سلسلۂ تعلیم ختم ہوجاتا ہے تو عمل ہمیشہ کے لئے باقی رہتا ہے۔ بس یہی حال انبیا کا ہے پہلے لوگ جس طرح معرفتِ الٰہی و تمدن و معاشرت میں درجہ بدرجہ ترقی کرتے رہے۔ ویسے ہی معلم برائے ہدایت قدرت بھیجتی رہی۔ جب تعلیم کا درجۂ آخری آیا۔ تو خداوندِ عالم نے اِس کا لحاظ کر کے ایسا نبی بھیجا۔ جو ہر لحاظ سے اکمل و یگانہ تھا اور کسی قسم کا نقصان اِس میں نہ تھا۔ بلکہ تمام انبیائے سابقین کی خصوصیات کا حامل تھا۔ جب وہ اپنی تعلیم کو مکمل کر چکا۔ تو آیۂ شریفۂ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا نازل ہوئی پس اگر کسی نبی کی ضرورت باقی ہے۔ تو پھر کمالِ دین بے معنی چیز ہے۔ اگر اِس دین کی یہ صفت ہے لِیُظْہِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ تو کسی اور نبی کا ہونا بالکل عبث پس کسی نئے نبی کی ضرورت کو تسلیم کرنا یہ معنی رکھتا ہے۔ کہ دینِ اسلام ناقص ہے۔ قرآن مکمل قانون نہیں اور اگر قرآن مکمل نہیں۔ تو پھر تبیانًا لِکُلِّ شَیْئٍ اور وَلَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اور ھُدًی لِّلْعَالَمِیْنَ جیسی آیات بے معنی ہیں۔ اگر کوئی نیا نبی

حضرت کے بعد آیا یا آنے والا ہے تو اس کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ کہ وہ کیا کام کریگا۔ اگر اسی شریعت کا معلم ہوگا اور اسی دین کے چلانے والا ہوگا۔ تو دین کو اس کی ضرورت کیا۔ کتاب مکمل۔ دین مکمل۔ نبی کی تعلیم ختم۔ اگر یہ کہا جائے۔ کہ جس طرح اور مرسلین کے بعد انبیاء آئے۔ اور اسی شریعت کی تعلیم دیتے رہے۔ اسی طرح نیا نبی اِس دین کو تعلیم دے گا۔ تو یہ بھی صحیح نہیں۔ انبیا کی ضرورت دو رسولوں کے درمیان ہوتی ہے۔ انبیاء درحقیقت اوصیائے مرسلین ہوتے ہیں۔ جب کوئی نیا قانون اور نیا رسول آنے والا ہی نہیں اور اب زمانۂ فطرت نہیں۔ تو پھر انبیاء کی حاجت نہیں۔ صرف اوصیا کی ضرورت ہے۔ اور وہ بنا بر احادیثِ رسول معین ہو چکے ہیں۔ دُنیا کا فرض ہے۔ کہ ان کی معرفت حاصل کرے۔ اور بمصداقِ آیۂ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ رسُول کی طرح اِن کی اطاعت کو فرض سمجھے۔ اور علمِ دین سے جو حاصل کرنا ہو۔ انہی سے حاصل کرے۔ ان میں سے کسی ایک کا وجود ہر زمانہ میں ضروری ہے۔ کیونکہ زمانہ کبھی حجت خُدا سے خالی نہیں رہتا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ امام مظلوم کربلا نے اپنے بیٹے سید سجاد کو مرنے کی اجازت نہیں دی۔ حالانکہ بیمار کربلا نے بے چین ہو ہو کر کئی مرتبہ خیمے سے نکلنے کا ارادہ کیا۔ لیکن سید الشہدا نے اِس خیال سے باہر

نہ آنے دیا۔ کہ مبادا کوئی تیر بیمار کو لگے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے بیمار امام نے بحالتِ بیماری۔ وہ وہ تکالیف کربلا میں اُٹھائیں کہ ان کے تصور سے کلیجہ منہ کو آتا ہے اور دل لرزتا ہے۔ بعد شہادت امام مظلوم تو مصائب کی انتہا ہی نہ رہی چنانچہ ایک شخص نے آپ سے پُوچھا۔ کہ یا حضرت مصیبتیں تو آپ کی ایک دُوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ پر سب سے زیادہ مصیبتیں کس مقام پر واقعہ ہوئیں تو آپ نے ارشاد فرمایا ؎

حضرت نے تین بار کہا شام شام شام | سیدانیاں تھیں کوچے میں اور گرد تھا ہجوم

بلوے میں دیکھ عدو شاد ہوتے تھے

بابا کا سر بھی روتا تھا اور ہم بھی روتے تھے

آہ۔ آہ اشقیائے اُمت نے اہلِ حرم کو ایذا پہنچانے میں اور ہتکِ حُرمت کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اور اسلام کی ہر تعلیم کو ان کے مقابل فراموش کر دیا۔ اِسلام نے میت کا اتنا احترام رکھا ہے کہ بدن سے لوہا مس کرنے کی اجازت نہیں دی۔ یعنی اگر کسی میت کا لباس تنگ ہو اور غسل کے وقت آسانی سے نہ اُتر سکے تو حکم شرع یہ ہے کہ اِس کو چاک کر کے اُتار دو۔ چاقو یا قینچی سے نہ کاٹو۔ آہ آہ عام مسلمانوں کی میت کے لئے تو یہ حکم ہو۔ اور آلِ رسُول و اولادِ رسول کے واسطے

اشقیائے اُمت یہ سلوک کریں۔ کہ گھوڑوں کی نعل بندی کروا کر لاشوں کو اِس طرح پامال کریں۔ کہ کوئی عضو صحیح و سالم نہ رہ جائے۔ کیا قیامت ہے۔ کہ رسُولِ مقبولؐ کا ہرا بھرا باغ کاٹ کر سارا خاندان تباہ کر کے بوڑھے اور جوان اور بچے تہ تیغ کر کے۔ لاشوں کو بھی پامال کر دیا جائے۔ اور پھر ان بے حیاؤں کا اِس پر بھی دِل نہ بھرا۔ بلکہ ان کی دُکھیا اور بیکس لاوارث بی بیوں کو لُوٹنے میں مشغول ہوئے۔ اِن غریبوں کے پاس ماسوائے چند اشیاء و جو بزرگانِ دین کے تبرکات تھے۔ اور رکھا ہی کیا تھا جس کو لُوٹا جاتا۔ مگر ان ظالموں کو چونکہ ناموسِ نبی کی ہتک کرنا اور مظلوموں کو ہر طرح سے ستانا مقصود تھا۔ اِس لئے جو کچھ اُن کے ہاتھ لگا لے بھاگے۔ یہاں تک کہ کسی بی بی کے سر پر ظالموں نے چادر تک نہ چھوڑی۔ پیروں سے نعلین تک نکال کر لے گئے۔ انتہا یہ ہے کہ ان ظالمین نے وہ کھال بھی بیمار کے نیچے سے نکال لی جس پر بیمارِ کربلا غش کی حالت میں پڑے ہوئے تھے۔ کاش کہ وہ ظالم اسی پر بس کرتے۔ انہوں نے تو یہ غضب ڈھایا۔ کہ اہلِ حرم کو لُوٹنے کے بعد خیموں میں آگ لگا دی ؎

خیموں میں جو نہیں آگ کے شعلے بپا ہوئے | حیران ہو کے گود سے بچے جدا ہوئے
اہلِ حرم کے بین تھے ہم بے پناہ ہوئے | عباس، قاسم و علی اکبر کیا ہوئے

یا فاطمہ مزار سے نکلو برہنہ سر
کنبہ حضور کا ہوا جنگل میں دربدر

خدا کسی دشمن پر ایسا وقت نہ لائے۔ جیسا اِن غریب الوطن سیدانیوں پر آپڑا تھا۔ لکھا ہے۔ کہ جب ایک خیمے میں آگ لگتی تھی۔ تو سیدانیاں بحالِ تباہ اس سے نکل کر دوسرے خیمے میں جاتی تھیں۔ اور جب دوسرا خیمہ میں آگ لگتی تھی۔ تو تیسرے میں پہنچتی تھیں۔ آہ جب صرف ایک خیمہ بیمار کربلا کا باقی رہ گیا۔ تو جناب زینبؑ بے تابانہ حضرتِ سید سجادؑ کے پاس پہنچیں۔ اور فرمایا بیٹا سجاد اب تم امامِ وقت اور حجتِ خدا ہو۔ بتاؤ ہمارے لئے کیا حکم ہے۔ صرف یہی ایک خیمہ باقی رہ گیا ہے اس صورت میں سر برہنہ باہر نکل پڑیں یا جل کر مر جائیں۔ حضرت نے فرمایا۔ کہا اے پھوپھی جان جس حالت میں ہو باہر نکل جاؤ اور اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ راوی لکھتا ہے کہ جب خیام حسینؑ میں آگ لگ رہی تھی۔ تو دیکھا میں نے ایک بی بی ایک ایسے خیمہ کے اندر جس کے قریب آگ پہنچ چکی تھی۔ بار بار بے تابانہ آتی جاتی تھیں۔ راوی کہتا ہے ؎

پوچھا یہ میں نے رو کے کہ یہ ماجرا ہے کیا — زیور یا کوئی مال ہے خیمہ میں رہ گیا
کیوں مول خطرہ لیتی ہو تم وا مصیبتا — کہنے لگیں یہ زینبِ بیکس کہ آہ آہ

زیور کی ہے تڑپ نہ کوئی مال کی ہے چاہ
بیمار ایک میرا بھتیجا ہے یاں پڑا

اِس کو بچانے کے لئے بار بار خیمے میں جاتی ہوں۔ اے شخص ہم ناموسِ نبی ہیں۔ اگر ہو سکے۔ تو اتنا احسان کر کہ اِس بیمار کو اس کے اندر سے نکال لے۔ راوی کہتا ہے۔ یہ سنتے ہی میرا دل بے چین ہو گیا۔ اور میں اس خیمہ کے اندر چلا گیا۔ دیکھا کہ ایک نحیف و نزار جوان خاک پر غش میں پڑا ہوا ہے۔ مجھے یہ حال دیکھ کر بڑا ہی ترس آیا۔ اور جس طرح بنا اِس کو نکال لایا۔

حمید بن مسلم یزید کا پرچہ نویس روایت کرتا ہے۔ کہ جب خیامِ حسینؑ میں آگ لگی ہوئی تھی۔ میں نے ایک کمسن بچہ کو مقتل کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھا۔ اِس کے کرتہ میں پیچھے سے آگ لگی ہوئی تھی۔ مجھے اس کی حالت پر رحم آ گیا۔ دوڑا ہوا اس کے پیچھے اِس خیال سے گیا۔ کہ اس کے کرتے کی آگ بجھا دوں۔ جونہی اس نے میرے قدم کی چاپ سنی گھبرا کر کہنے لگا اے شیخ تو کس ارادہ سے آ رہا ہے۔ میں نے کہا صاحبزادے، تمہارے کرتے کو آگ لگی ہوئی ہے۔ چاہتا ہوں کہ اِس کو بجھا دوں۔ یہ سن کر اس نے کہا۔ اے شیخ ہم ناموسِ رسول ہیں۔ ہم کو جل جانا گوارہ ہے۔ مگر نامحرم ہاتھ اپنے بدن کو لگنا منظور

نہیں۔ میں نے پوچھا تم کون ہو؟ اُس نے کہا میں سکینہ بنت الحسین ہوں۔ اے شیخ اگر تجھ کو میرے حالِ زار پر رحم آیا ہے۔ تو اتنا سلوک میرے ساتھ کر۔ کہ مجھے نجفِ اشرف کا راستہ بتا دے۔ میں نے کہا اے صاحبزادی وہاں جا کر کیا کرو گی۔ بچی نے رو کر کہا۔ میں اِس ظلم و ستم کی اپنے جد سے فریاد کروں گی۔ ابھی میں یتیم کمسن سے یہی گفتگو کر رہا تھا۔ کہ ؎

اتنے میں ہوا خولی ملعون نمودار — خنجر کو ہلاتا ہوا وہ بانیٔ اشرار
ناگاہ سکینہ کے قریں پہنچا بداطوار — جھٹکا دیا کانوں کو جو ظالم نے یکبار
دُرّ چھین لئے خون ہوا کانوں سے جاری
زینبؑ نے کہا گودی میں آ میری پیاری

ملعون سے کہنے لگیں پھر زینبِ مغموم — کیا تیرا بگاڑا تھا یہ بچی تھی یہ معصوم
محشر میں تجھے دیکھنا ہو جائیگا معلوم — ظالم کو سزا دیتا ہے کیا نالۂ مظلوم
ہوتا ہے بڑا پاس یتیموں کا خدا کو
مقبول وہ کر لیتا ہے بچوں کی دعا کو

پھر کہنے لگیں لاشۂ شبیر سے رو کر — ماں جائے مرے دیکھتے ہو ظلم یہ ہم پر
کھینچ لئے کانوں سے معصوم کے گوہر — اور خون سے کرتا ہوا رنگین سراسر
ہر روز نئے ظلم کی روداد ہے بھائی
کچھ بالی سکینہ کی بھی فریاد ہے بھائی

اکیسویں مجلس

فضائلِ اہلبیتؑ بیان شامِ غریباں در کربلاءِ معلےٰ

قَالَ اللہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِی کِتَابِ الْمَجِیْدِ وَفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ۔ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا۔ (سورہ الاحزاب)

اے نبی ہم نے تم کو شاہد و مبشر و نذیر بنا کر بھیجا اور اللہ کے اِذن سے اس کی طرف بلانے والا بنایا اور تم کو چمکتا ہوا چراغ بنایا۔

حضرات، اِس آیہ میں آخر پر حضرت کو سراج المنیر کا خطاب دیا گیا ہے۔ اور اسی سراجِ منیر پر میں کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں ؎

چراغے را کہ ایزد بر فروزد
ہر آنکس پف زند ریشش بسوزد

حضرات ایسا چراغ کہ آگ کی طرح پانی سے بجھنے والا نہ ہو، بلکہ اس کی شان یہ ہو۔ کہ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِؤُا نُوْرَ اللہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ۔ یعنی لوگ چاہتے [illegible]

کرنے والا ہے۔ چاہے یہ مُشرکوں کو ناگوار ہی گزرے۔ یہ ہے وہ نُور تام اور نُورِ کامل جس کو خُدا ہدایتِ خلق کے لئے خاص کرتا ہے۔ اِس آگ بے چاری کو کیا نسبت وہ نار ہے یہ نُور ہے۔ یہ مُختار ہے۔ وُہ مجبور ہے۔ وہ بے عقل اور عقلِ کُل اور مُعلّمِ حکمت۔ آگ کا مبداء آفتاب، اور اس نُور کا مبداء اللہ نُورُ السمٰوٰتِ والارض۔ آنحضرتؐ کی ذات کو سراج منیر سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اِس میں چند باتیں خاص طور سے قابلِ غور ہیں +

اوّل:- چراغ امیر، غریب سب کی حاجت براری کرتا ہے اور رہنمائی کرتا ہے۔ جس طرح سے ایک بادشاہ کا گھر اس سے روشن ہوتا ہے۔ اِسی طرح سے ایک غریب بُڑھیا کا جھونپڑا بھی منوّر ہوتا ہے۔ رسول کی بھی یہی شان ہے۔ وُہ رحمۃ اللعالمین بن کر دُنیا میں آئے۔ امیر و غریب سب سے ان کا یکساں تعلق ہے +

دُوسرے:- چراغ کی روشنی میں دوست اور دُشمن نیک و بد اور مفید و مُضر کی پہچان ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح حضرت کی وجہ سے خُدا کے دوستوں اور دُشمنوں میں تمیز حاصل ہوئی۔ اور نیک و بد کا پتہ چلا،

تیسرے:- ایک چراغ سے بہت سے چراغ روشن کرلو۔

لیکن اس کی ضوفشانی میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔ حضرت ایسے سراجِ منیر ہیں۔ کہ قبل خلقت آپ سے ایک لاکھ چوبیس ہزار شمعیں روشن ہوئیں یہ سب شمعیں ایسی تھیں۔ کہ عصمت کا فانُوس اِن پر لگا ہوا تھا +

چوتھے:- چراغ کی روشنی سے جس طرح دوست فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ اِسی طرح دشمن بھی حضرت کی ذات سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں +

پانچویں:- چراغ روشن ہوتے ہی بہت سے پروانے اِس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور ان جانثاروں کے پیچھے اور بھی بہت سے کیڑے مکوڑے آجاتے ہیں۔ جو بعض اوقات سخت تکلیف کا باعث ہوتے ہیں۔ چھپکلیاں وغیرہ اِس لئے نہیں آتیں کہ روشنی حاصل کریں۔ بلکہ اس لئے کہ بے چارے پروانوں کو اپنی غذا بنائیں۔ مینڈے ہر طرف چھلانگیں مارتے پھرتے ہیں۔ وہ شمع کے جاں نثار نہیں بلکہ فضا کو نُورانی دیکھ کر کسی شکار کی جستجو میں دوڑ دھوپ کر رہے ہیں +

چھٹویں:- شمع سے ان ہی آنکھوں کو نُور حاصل ہوتا ہے جو آشوب سے پاک ہوں۔ کیونکہ آشوب زدہ آنکھ کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور وہ چاہتی ہے۔ کہ جلد سے جلد یہ روشنی نگاہ سے ہٹ جائے

یہی حال حضرت کا تھا۔ کہ منافقوں اور کافروں کی یہ دِلی تمنا تھی۔ کہ دُنیا آپ کے وجود سے جلد از جلد خالی ہو جائے +

ساتویں:- شمع کے گرد جو پروانے ہوتے ہیں۔ وہ شمع کے گُل ہوتے ہی اپنے اپنے مقام پر واپس چلے جاتے ہیں۔ بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو اس کے قدموں پہ جانثار کئے پڑے رہتے ہیں۔ یہی حال رسُول کا تھا بعض ایسے تھے۔ کہ رسُول کے مرتے ہی اپنے آبائی دین کی طرف پلٹ گئے اور بعض ایسے تھے۔ کہ ہمیشہ اپنی جگہ پر قائم رہے۔ اِس سراجِ منیر کی ضیا باری کا کیا ٹھکانا ہے۔ اسکی کرنوں کا آخری حصہ دامنِ قیامت پر اپنی روشنی ڈال رہا ہے +

آٹھویں:- اِس سراجِ منیر سے بارہ کرنیں پھوٹیں جو بلحاظ چمک دمک اور بلحاظ قد و قامت ہو بہو ایک تھیں اِن سب پر عصمت و طہارت کا فانوس چڑھا ہوا تھا۔ آہ آہ اِس شمعِ منیر کی تیسری کرن پر کربلا میں ظلم و ستم کے بادل چھائے ہوئے تھے آہ یہ ہدایت کے نُورانی پیکر جن خیموں کے اندر تھے ظالموں نے اِن کو جلا کر خاک کر دیا۔ آہ بہتر شہیدوں کی سوگوار بی بیاں باحالِ تباہ سر کھلے خاک پر بیٹھی تھیں۔ اور کوئی اِن بیکسوں کا تسلّی دینے والا نہ تھا۔ اگر کسی گھر سے ایک جنازہ نکل جاتا ہے۔ تو اس گھر والوں کا

کیا حال ہوتا ہے۔ اور یہاں تو ایک دو نہیں بہتر جنازے ایک دِن ایک گھر سے نکلے تھے۔ بھرا گھر خالی ہو گیا تھا۔ جس گھر میں صبح تک بوڑھوں جوانوں اور بچّوں کی چہل پہل تھی۔ آج شام کو وہاں چند خاک نشین بی بیوں کے سوا کچھ نہیں۔ منقول ہے۔ کہ جب ذریّتِ رسول کو دُشمنانِ دین اچھی طرح سے لُوٹ چکے۔ اور خیام جل کر خاک ہو چکے۔ تو لُٹی ہوئی بے والی و وارث بی بیاں خاک نشیں ہو گئیں پس ایک جلی ہوئی قنات کھڑی کر کے پردہ کر لیا۔ اب جنابِ زینبؑ نے بموجب وصیتِ برادرِ عالی تبار بچّوں کو جمع کر کے جانچنا شروع کیا۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ جناب سکینہ اور کئی بچے غائب ہو چکے ہیں پس اپنی بہن اُمِ کلثوم سے کہنے لگیں۔ کہ اب کیا کیا جائے بچّوں کو کس طرح سے تلاش کریں۔ نہیں معلوم کہ وہ مصیبت زدہ کس طرف کو نکل چکے ہیں۔ عرض کی جنابِ اُمِ کلثوم نے کہ اے بہن میں تم دونوں تلاش کرنے چلتی ہیں۔ اِس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ الغرض نبیؐ کی نواسیاں۔ اور علیؑ کی بیٹیاں رات کی تاریکی میں بچّوں کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئیں۔ آہ دُخترانِ فاطمہؑ پر کیا وقت پڑا تھا۔ کہ ننگے سر مقتلِ شہدا میں ہر طرف بچّوں کو پکارتی پھرتی تھیں۔ یہ وہی دُخترانِ علیؑ و بتولؑ تھیں۔ کہ جب مدینے

روانہ ہوئی تھیں۔ تو ان کی سواری کے لئے کیا کیا اہتمام ہوئے تھے آہ۔ اب کہاں تھے قاسم و علی اکبرؑ و عباسؑ اور حسینؑ کہ ان کے پردہ کا انتظام کریں۔ آہ پردیس میں یہ پہلی رات تھی۔ کہ زینبؑ و اُمِّ کلثوم باحالِ تباہ میدان میں ٹھوکریں کھاتی پھر رہی تھیں پس ایک طرف جو نگاہ کی تو کیا دیکھا ؎

لپٹی ہوئی اِک لاش سے روتی ہے سکینہ کہتی ہے کہ فرمائیے اے شاہِ مدینہ
بن آپ کے مشکل ہوا بیٹی کو جینا اے بابا نہیں ہے یہ محبت کا قرینہ
دُر چھین کے ملعون نے طمانچے مجھے مارے
سر ننگے کیا خیمے جلا ڈالے ہمارے

پس حضرت زینبؑ نے قریب جا کر پُوچھا۔ کہ اے بیٹی یہ کس کی لاش سے لپٹی ہوئی فریاد کر رہی ہو۔ جناب سکینہ نے کہا کہ اے پھوپھی جان یہ لاش میرے بابا جان کی ہے۔ پُوچھا جناب زینبؑ نے۔ کہ اے سکینہ لاش کی پہچان دو طرح سے ہوتی ہے۔ ایک سر سے اور دُوسرے لباس سے۔ مگر اِس لاش کے تن پر نہ سر ہے۔ نہ لباس ہے۔ تم نے ایسی حالت میں کیونکر پہچان لیا۔ عرض کی اِس بچی نے کہ جب خیام میں آگ لگ رہی تھی۔ تو میں مقتل کی طرف بھاگی۔ اور ہر طرف پُکارتی پھرتی تھی کہ اے بابا آپ کہاں ہیں۔ میری خبر لیجے ؎

ناگاہ کٹے حلق سے آواز یہ آئی بابا ہے پڑا یاں پہ نہ کر شور دہائی
کیوں روتی ہے اِس طرح سکینہ مری جائی لپٹو میری چھاتی سے ہے کیوں دیر لگائی
مجبور تھا ورنہ میں خبر لیتا خود آ کر
حاصل ہوئی منزل مجھے گھر بار لُٹا کر

یہ سُن کر جناب زینب و کلثوم آداب و سلام بجا لائیں۔ اور روتی ہوئیں پھر دُوسرے بچوں کی تلاش میں چل پڑیں۔ ایک جھاڑی کے قریب دیکھا کہ دو بچے گلے میں باہیں ڈالے پڑے ہوئے ہیں پس جناب زینبؑ نے شانہ ہلا کر جگانا چاہا۔ مگر آہ کون جاگتا۔ دونوں کی رُوح پرواز کر چکی تھی۔ آہ جب اِن کو جُدا کر کے دیکھا گیا۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ ان کے چاند سے سینوں پر گھوڑوں کی ٹاپوں کے نشان موجود ہیں۔ ہائے اولادِ رسُول کس بے دردی سے پامالِ سُمِ اسپاں کی گئی۔ لکھا ہے۔ کہ کربلا میں جب شامِ غریباں نمودار ہوئی۔ تو شکستہ دِل بی بیوں نے اپنے وارثوں کو یاد کر کے رونا شروع کیا۔ آہ کل رات تک کتنے جوان اور بوڑھے حفاظت کے لئے تیار تھے۔ لیکن آج اُن میں سے ایک بھی باقی نہیں۔ فرمایا جناب زینبؑ نے کہ اے بی بیو کل کی بات ہے۔ کہ ہماری حفاظت کے لئے حبیب ابنِ مظاہر موجود تھے زہیر ابنِ قین موجود تھے مسلم بن عوسجہ موجود تھے۔ قاسم و علی اکبر موجود

تھے۔ عباس علمدار موجود تھے۔ اِنتہا یہ ہے کہ خود میرے بھائی حسینؑ موجود تھے۔ لیکن آج کی رات دُنیا ان سب سے خالی ہے۔ پس اب زینب کا یہ فریضہ ہے۔ کہ آج کی رات تم سب کے گرد میں پہرا دوں۔ کیونکہ میرے ماں جائے حسینؑ نے تم سب کو میرے سپرد کیا ہے۔ یہ سُن کر بی بیاں رونے لگیں۔ اور خدمت میں جناب زینبؑ کے ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ اے ثانیٔ زہرا۔ کیونکر ممکن ہے۔ کہ ہماری موجودگی میں آپ اِس خدمت کو انجام دیں۔ لیکن جناب زینب کسی طرح راضی نہ ہوئیں۔ اور ایک ٹوٹا ہوا نیزہ لے کر پھرنے لگیں۔ ناگاہ

اِتنے میں ہوئی روشنی کی جھلک نمودار زینب نے یہ سمجھا کہ چلے آئے ہیں کفار
پہونچی جونہیں لو خیمے کے نزدیک اکیلا کہنے لگیں اے ظالمو، آنا نہ خبردار
رکھا ہے بھلا پاس کیا مال ہمارے
سہمے ہوئے اب سو گئے ہیں بچے ہمارے

لیکن وہ روشنی برابر قریب ہوتی چلی آ رہی تھی۔ اب جو غور سے دیکھا تو ایک عورت سر پر کوئی شے رکھے مشعل کی روشنی میں چلی آ رہی ہے آپ اسے دیکھ کر خاک پر بیٹھ گئیں۔ جب وہ عورت قریب آئی تو جناب زینبؑ نے پُوچھا۔ اے بی بی تم کون ہو اور اِس رات کی تاریکی میں ہم بے کسوں کے پاس کس غرض سے آئی ہو۔ اس نے کہا اے بی بی

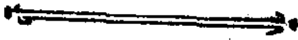
میں زوجۂ حُر ابن یزید ریاحی ہوں۔ یہ سُننا تھا۔ کہ جناب زینبؑ نے حُرؑ کا پُرسا دینا شروع کیا۔ زوجۂ حُر نے کہا۔ اے بی بی میرا فرض تھا۔ کہ پہلے میں آپ کو بہتّر شہیدوں کا پُرسا دیتی۔ یہ اولادِ رسُول کا اخلاق ہے کہ میں بولنے بھی نہ پائی کہ آپ پہلے سے مجھے میرے شوہر کا پُرسا دینے لگیں۔ اے بی بی میرے آنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ اِس وقت عمر سعد کی فوج کے کچھ لوگ اِس شقی کے پاس آ کر کہنے لگے اے ظالم ہم نے تیرے کہنے سے اولادِ رسُول کے گلے تہ تیغ کر دیئے۔ جو تیرا منشا تھا۔ پُورا ہو گیا۔ اب تجھ کو لازم ہے۔ کہ جلد از جلد اِن دُکھیا عورتوں اور یتیم بچوں کو جن کا سارا کُنبہ ہمارے ہاتھوں قتل ہوا ہے۔ اور جو تین دِن سے بھوک اور پیاس کے مارے تڑپ رہے ہیں کچھ کھانا اور پانی بھیج۔ اگر اب بھی تُو نے اِس طرف توجہ نہ کی۔ تو پھر ہمارے اور تیرے درمیان وہ تلوار چلے گی۔ کہ دُنیا تماشہ دیکھے گی۔ یہ سُن کر اس شقی نے کہا میں نے کب منع کیا ہے۔ کسی سے کہو تھوڑا سا بُھنا ہوا اناج اور ایک مشکیزہ پانی کا اُن کے پاس لے جائے۔ اے پسر سعد یہ ذرّیتِ رسول ہے۔ وہ بھُوک اور پیاس سے مر جانا گوارہ کریں گی۔ مگر نامحرم کے ہاتھ سے آب و دانہ کا لینا گوارہ نہیں کریں گی۔ اگر تجھے بھیجنا ہے تو کسی عورت کو بھیج دے پس اِس شقی نے لشکر کی تمام عورتوں کو جمع کیا اور اس مسئلہ کو ان کے

سامنے رکھا۔ لیکن اِن سب نے انکار کر دیا۔ کسی نے کہا کہ اے امیر کیا مُنہ لے کر جاؤں۔ میرے شوہر نے حسینؑ کے کڑیل جوان کے سینہ پر برچھی ماری ہے۔ کوئی کہتی تھی میرے شوہر نے حسینؑ کے بتیس برس کے بھائیؑ کے بازو قلم کئے ہیں۔ کوئی کہتی تھی میرے بیٹے نے حسینؑ کے شش ماہہ بچے کے گلے پر تیر مارا ہے۔ غرضیکہ جب کوئی عورت یہاں آنے پر تیار نہ ہوئی تو سب نے یہ تجویز کی۔ کہ زوجۂ حُرؑ کو بھیجنا چاہیئے۔ کیونکہ حُرؑ نے حسینؑ کے ساتھ احسان کیا ہے پس اِس بنا پر میں غلہ بریاں اور یہ پانی کا مشکیزہ لے کر حاضر ہوئی ہُوں۔ یہ سُننا تھا۔ کہ جناب زینبؑ کا دِل بھر آیا۔ مقتل کی طرف مُنہ کر کے کہنے لگیں۔ کیوں میرے غیور بھیّا میرے مظلوم ماں جائے پسرِ سعد کے یہاں سے آپ کے حاضری آئی ہے۔ آہ زینب کیونکر اس کو حلق سے اُتارے۔ کاش مجھے موت آجاتی اور یہ وقت نہ دیکھتی۔ اس کے بعد زوجہ حُرؑ سے کہا اے بی بی یہ پانی کس لئے لائی ہو۔ کون اب اِس کو پیئے ؎

اِس رسم کو تو جانتا ہے سارا زمانہ ۔۔۔ میت کو اُٹھا لیتے ہیں تب کھاتے ہیں کھانا
گو پیاسے ہیں پر ہم ابھی پانی پئیں کیونکر
سب تشنہ دہن تیغِ ستم سے ہوئے بے سر

یہ سُن کر زوجۂ حُرؑ آنکھوں میں آنسو بھر لائی اور کھانا اور مشکیزہ حضرت زینبؑ کے سامنے رکھ دیا ؎

تب زوجۂ حُرؑ سے کہا زینبؑ نے بہ تکرار ۔۔۔ ہم حق سے کسی کو نہیں یہ تو مٹ جینے تک کا
دُنیا سے گئے پیاسے ہمارے تھے جو غمخوار ۔۔۔ مرجائینگے بھوکے ہی نہ کھائینگے یہ زنہار
کیا کھانے کو کھائیں کیسے فرصت ہے بکا سے
آنکھوں کے تلے پھرتے ہیں وہ بھوکے پیاسے



بائیسویں مجلس

روانگی اہلحرم بطرف کوفہ اور روایت اُمّ حبیبہ کنیز فاطمہ زہرا

منقول ہے کہ ایک روز جناب رسالت مآبؐ مسجد میں تشریف رکھتے تھے ایک جماعت عرب نے آکر عرض کی۔ کہ یا حضرت ہمارے یہاں تقریب عروسی ہے حضرت کے اخلاق عظیمہ سے اُمیدوار ہیں۔ کہ آپ ارشاد کریں۔ کہ جناب سیّدہؑ تکلیف کر کے اپنے مقدم شریف سے ہمارے گھروں کو منوّر فرمائیں۔ حضرت نے جواب دیا۔ کہ میں بغیر رضائے فاطمہؑ کچھ کہہ نہیں سکتا۔ یہ فرما کر اُٹھے اور دولت سرا میں آکر ان معصومہ سے ارشاد کیا۔ کہ اِس وقت روسائے عرب میرے پاس آئے تھے۔ تمہاری مہمانی کی آرزو رکھتے ہیں۔ چاہو تو جاؤ۔ اور اُن کے سخت دِلوں کو نرم کرو۔ جناب فاطمہؑ نے یہ پیام سُن کر عرض کی۔ کہ اے بابا۔ آپ کا حکم میرے سر اور آنکھوں پر۔ لیکن میں خوب جانتی ہُوں کہ اُن کی مُراد میری دعوت سے اپنے گھروں کی زینت نہیں۔ بلکہ ان کا طلب کرنا فقط استہزا اور ذلّت کے لئے ہے۔ اس واسطے کہ ان کی عورتیں جامۂ ہائے فاخرہ اور لباسِ حریر و دیبا پہنے ہوئے ہیں۔ اور طرح طرح کے

زیور سے مزیّن و آراستہ ہیں۔ اور میرے پاس سوائے اس چادر کہنہ پیوند دار کے اور پھٹی ہوئی قمیض کے اور کچھ نہیں۔ اے بابا میں اِس حالت سے کیونکر خانۂ شادی میں جاؤں۔ اِس کلامِ فاطمہ کو سُن کر جناب رسُولِ خدا بے اختیار رونے لگے۔ ناگاہ جبرائیل امین نازل ہوئے۔ اور عرض کی یا رسول اللہ پروردگارِ عالم بعد تحفۂ درود و سلام کے ارشاد فرماتا ہے۔ کہ تم فاطمہ کو اسی لباسِ کہنہ و بوسیدہ سے بھیجو۔ اور ہمارا فعل حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں۔ حضرت نے حکمِ خدا جناب فاطمہ زہراؑ سے بیان کیا۔ آپ نے شکرِ خدا کیا۔ اور اُس کے حکم کی تصدیق کی۔ غرض جناب سیّدہ وہی قمیضِ بوسیدہ اور وہی چادرِ کہنہ جس میں جابجا لیفِ خرما کے پیوند تھے اوڑھے دولت سرا سے خانۂ شادی میں چلیں سات قدم بیتِ شرف سے بڑھی تھیں۔ کہ جبرائیل امین حُلّہ ہائے بہشت لے کر مع ستّر حُوروں کے حاضرِ خدمت جناب فاطمہؑ ہوئے پس وہ لباس جناب سیّدہ نے زیبِ تن کیا۔ اور انہیں حُوروں نے چار طرف سے حلقہ کر لیا اور تقدیس و تہلیل کرتی ہوئیں خانۂ عروس تک پہنچایا۔ راوی کہتا ہے۔ کہ ؎

پہنچی جو اس شکوہ سے زہرائے نامدار ۔۔۔ تھرا گئے یہود نظر کر کے ایک بار
عورات پیشوائی کو آئیں بہ انکسار ۔۔۔ بٹھلا یا لا کے مسندِ زر پہ بہ افتخار

کچھ عورتیں تو دیکھ کے حیران ہوگئیں
اور کچھ قدم پہ گر کے مسلمان ہوگئیں

اور بہت سی عورتیں اس عالم مدہوشی میں مرگئیں۔ خصوصاً عروس پہ اس طرح کی غشی طاری ہوئی کہ روح اس کا عالمِ جاودانی کی طرف کوچ کر گیا۔ پس وہ خانۂ شادی خانۂ ماتم ہوگیا۔ جناب سیدہ کو کمال صدمہ ہوا۔ حضرت نے تجدید وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھی اور سر کو سجدۂ خالق میں بکمال خضوع و خشوع رکھا اور عرض کرتی تھیں۔ کہ اے معبود اے زندہ کرنے والے بعد موت کے محمدؐ و علیؑ کا واسطہ اس عروس کو زندہ کردے۔ ابھی معصومہ نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا تھا کہ عروس زندہ ہوگئی۔ یہ دیکھ کر سات سو عورتیں اور مرد ایمان لائے جواہرات کو حضرت پر سے نثار کیا۔ اور ایک کنیز کمسن جناب فاطمہ کو نذر دی۔ وہ جناب اس کنیز کو ساتھ لے کر عصمت سرائے میں تشریف لائیں۔ اور سب حال مفصل جناب سرورِ کائنات سے بیان کیا۔ حضرت نے سن کر سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور اس کنیز کا نام جناب سیدہ نے اُمّ حبیبہ رکھا۔ پس اُمّ حبیبہ ہمیشہ امام حسنؑ و امام حسینؑ اور جنابِ زینب و کلثوم کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ تا آنکہ جناب فاطمہؑ نے وقتِ رحلت جناب امیر سے اس کی سفارش کی۔ جناب امیر علیہ السلام

بھی اس کو بہت اچھی طرح رکھتے تھے۔ حضرت نے کوفہ میں ابن حارث کے ساتھ اُمّ حبیبہ کا عقد کردیا۔ تا آنکہ جناب امیر علیہ السلام نے مسجد کوفہ میں شہادت پائی۔ اہل بیت علیہ السلام مدینہ منورہ میں روضۂ مقدس حضور سرورِ عالمؐ پر آکر مجاور ہوئے۔ اُمّ حبیبہ نے لڑکپن سے اہلبیت کے ساتھ پرورش پائی تھی۔ دفعتہً جو نہیں ساتھ چھوٹا کسی وقت قرار نہ تھا۔ شب و روز رویا کرتی تھی۔ اور برابر مدینہ کی خبر لوگوں سے پوچھا کرتی تھی۔ یہاں تک کہ امام حسن علیہ السلام کی شہادت کی خبر پائی۔ پھر جناب امام حسین علیہ السلام سے بھی زمانہ پھر گیا ماں کی لحد سے نانا کی قبر سے چھوٹ کر خدا کے گھر میں پناہ لی۔ وہاں بھی چین نہ پایا۔ کربلا میں وارد ہوئے۔ کربلا میں لاکھوں دشمنوں کی چڑھائی ہوئی۔ تین روز پانی بند رہا۔ دسویں تاریخ محرم کی گھر کا گھر صاف ہوگیا عصر کے وقت پنجتن پاک کا خاتمہ ہوا۔ جبرائیل کی خوزادیاں عالم کی شہزادیاں لشکرِ اعدا میں قید ہوئیں۔ مگر اُمّ حبیبہ کو کچھ خبر نہ ہوئی۔ ایک روز اُمّ حبیبہ گھر میں بیٹھی تھی۔ کہ ایک شور و غوغا کوفہ میں بلند ہوا۔ چند عورتوں نے اُمّ حبیبہ سے کہا کہ چند گرفتارانِ آفت و قیدیانِ غربت شترانِ بے کجاوہ و عماری پر سر برہنہ با حالِ پریشان آتے ہیں۔ تم بھی چل کر اُن کا تماشہ دیکھو یہ سننا تھا۔ کہ اُمّ حبیبہ کا

رنگ اُڑ گیا۔ اور دل پر نہایت صدمہ ہوا۔ بولیں کہ جس جگہ ظلم کے ایسے طور ہوں وہاں تماشے کا کیا دیکھنا یہ تو عبرت کا مقام ہے ؎

عبرت کے علاوہ میں کسی دم کسی حالت | بھولی نہیں فرمودۂ خاتونِ قیامت
جس روز مری بی بی نے کی خلق سے رحلت | تاکید سے فرمائی تھی یہ مجھ کو نصیحت

بھولے سے بھی یہ کام تو زنہار نہ کرنا
تو قیدیوں کی سیر خبردار نہ کرنا

اور دوسرے میرا شوہر باہر سفر کو گیا ہوا ہے۔ بغیر اس کی اجازت کے گھر سے ایک قدم بھی باہر نہ نکالوں گی۔ مگر ان عورتوں نے اُمّ حبیبہ کو بہت مجبور کیا۔ اور کہا۔ کہ اگر باہر نہیں چلتیں تو نہ سہی اپنے کوٹھے پر ہی سے ان کو دیکھ لو۔ غرضیکہ وہ سب اُمّ حبیبہ کو لے کر بالائے بام آئیں۔ تو کیا دیکھا۔ کہ بہت سے پیادہ و اسوار ننگی تلواریں لئے نیزے بلند کئے آگے آگے چلے آتے ہیں۔ اور ان کے پیچھے پیچھے کچھ لڑکوں کے۔ کچھ جوانوں کے سر نیزوں پر اس طرح علم ہیں کہ کسی کے گیسو غبار آلودہ، کسی کے جھنڈولے بال چھپلے چھوٹے خاک و خون میں اَٹے ہوئے۔ چوبِ سنان سے بندھے ہیں۔ بھولی بھولی صورتوں اور گورے گورے چہروں پر جا بجا خون لگا ہے اور سب کے آگے ایک نیزۂ طویل پر ایک سرِ انور نصب ہے مثالِ آفتاب

درخشاں و تاباں ہے۔ آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے ہیں۔ ہونٹ سوکھے ہوئے ہیں۔ اور ریش مقدس ہوا سے ہلتی جاتی ہے۔ اُمّ حبیبہ اسے غور سے دیکھنے لگی چونکہ وہ سرِ مطہر خاک و خون میں بھرا تھا نہ پہچانا۔ مگر دل میں اُمّ حبیبہ کے خیال آیا۔ کہ میں نے مشابہ اس سر کے کسی کو دیکھا ہے۔ ناگاہ کجاوے اسیروں کے دیکھے۔ کہ ان پر بی بیاں مثلِ بندیانِ ترک و روم کے سوار ہیں۔ منہ ان کے حرارتِ آفتاب سے متغیر ہوگئے ہیں۔ اور رخسارے منہ پیٹنے سے نیلے ہوگئے ہیں۔ آگے ان کجاووں کے ایک بیمار زرد رنگ طوق و زنجیر میں اس طرح جکڑا ہے۔ کہ اس کے ہاتھ پسِ گردن سے اور اس کے پاؤں اونٹ کی پیٹھ سے بندھے ہیں۔ راہ کی پستی و بلندی۔ اونٹ کی تکان۔ حلقہ ہائے آہن کے رگڑوں سے ہڈیوں تک ساقِ پا کا گوشت اُڑ گیا ہے پنڈلیوں سے خون جاری ہے۔ اُمّ حبیبہ کا دل سر دیکھنے سے بھر آیا تھا جونہیں اس بیمار کو دیکھا تو کہنے لگی ؎

اے قیدیو بتلاؤ کہ آئے ہو کہاں سے
دل ٹکڑے ہوئے جاتا ہے تم سب کی فغاں سے

یہ سن کر اس بیمار نے بآوازِ نحیف فرمایا۔ کہ میں گرانیٔ طوق

کی وجہ سے اچھی طرح کلام نہیں کر سکتا ہوں۔ ان بی بیوں سے جو
پوچھنا ہو پوچھ لے ؎

ناگاہ وہ اونٹ آگئے کوٹھے کے برابر   اِک بی بی کو دیکھا کہ جبیں خوں سے ہے تر
ہے گود میں بیٹھی ہوئی اِک ننھی سی دختر   آلودہ بخوں جسم کا کرتہ ہے سراسر
اِس ننھے سے سِن میں یہ مصیبت یہ بَلا ہے
کانوں سے لہو بہتا ہے رسی میں گلا ہے
کوٹھے کی طرف دیکھ کے وہ لڑکی پکاری   فریاد کہ بِن پانی چلی جان ہماری
کانٹے ہیں پڑے حلق میں پیاس ہے طاری   پانی کوئی پلواؤ پئے ایزدِ باری
جاں ہونٹوں پہ ہے پیاس سے جی ہول رہا ہے
مَیں اُس کی جگہ بند ہُوں جو پیاسا ہوا ہے

اللہ اللہ جس وقت اِس معصوم بچی نے ایسے ایسے کلمات کہے۔ تو
بی بیوں کے دِل پھٹ گئے۔ خصوصاً اُمّ حبیبہ سے نہ رہا گیا۔ ساربان
جمال سے بولیں۔ کہ اے جمال میرے سر پہ یہ تیرا احسان ہوگا۔ اگر
چند منٹ اِن اونٹوں کو روک لے تاکہ میں اِس معصوم بچی کا خشک گلا
پانی سے تر کر لوں ؎

رحم آگیا جمال کو اور اونٹ کو روکا   لے آئی بس اِک پانی کا جام اُمّ حبیبہ
دے کر ہوئی اِس طرح وہ معصوم سے گویا   پانی پیئو اور تیں دعائیں کر دینا

ہوتا ہے بہت پاس یتیموں کا خدا کو
مقبول وہ کر لیتا ہے بچوں کی دعا کو۔

پس اِس نادان نے منہ اپنا پھوپھی جناب زینبؑ کی طرف موڑ لیا۔
گویا وہ پھوپھی جان سے اجازت کی طلبگار تھیں۔ فرمایا جناب زینب نے
کہ اے پانی پلانے والی بی بی اگر تمہاری آرزوئیں خلافِ شریعت نہ
ہوئیں۔ تو میری بچی کو دعا مانگنے میں کوئی دریغ نہ ہوگا۔ بتاؤ تمہاری
کیا کیا حاجات ہیں۔ اُمّ حبیبہ نے کہا۔ کہ میرا شوہر پردیس میں
ہے۔ دعا کرو۔ کہ خدا اُسے جلد اپنے بچوں سے ملا دے۔ اور خدا مجھے
رنڈاپے کے الم سے محفوظ رکھے۔ اور ؎

مانگو یہ دعا دوسری ناشاد نہ ہوں میں   دنیا میں کبھی موردِ بیداد نہ ہوں میں
بلبل کی طرح بر سر فریاد نہ ہوں میں   تم صاحبوں کی طرح سے برباد نہ ہوں میں
بستی میری اِس طرح سے تاراج نہ ہووے
تم لوگوں سا برباد میرا راج نہ ہووے

ماسوائے اِن دو حاجتوں کے تیسری جو سب سے بڑی التجا ہے۔
وہ یہ ہے کہ جناب زینب دختر علیؑ بن ابی طالب کی زیارت کا مجھے
کمال شوق ہے۔ اور اُن کی جدائی سے اِس لونڈی کی آب و غذا
بھی ترک ہو چکی ہے۔ خدا کرے کہ مجھے اُن کی جلدی زیارت

نصیب ہو۔ آہ آہ یہ سننا تھا کہ جناب زینب علیہا الصلوٰۃ والسلام کو
تابِ ضبط باقی نہ رہی۔ غور سے پہچانا کہ یہ تو اُمّ حبیبہ ہے۔
پس وہ خود اس سے فرمانے لگیں۔ کہ اے بہن کیا تُو نے زینب کو
کبھی دیکھا ہے۔ اگر تُو زینب کو دیکھے تو کیا پہچان لے گی۔ اس نے
کہا کیوں نہ پہچانوں گی کہ برسوں اُن کی کنیزی میں رہی ہوں اور
اُن کی خدمت کرتی رہی ہوں۔ اس وقت کمال بے تابی سے حضرت
زینب نے فرمایا ؎

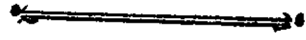
مشتاق ہے جس کی وہ دِل افگار میں ہی ہوں   سب کنبے کی سب گھر کی عزادار میں ہی ہوں
تقدیر جلی زینبِ ناچار میں ہی ہوں   حاکم کی خطاوار گنہگار میں ہی ہوں
زہرا کا بندھا رسی میں گھر دیکھ لے بی بی
نیزے پہ وہ شبیر کا سر دیکھ لے بی بی
بچوں کے گلے طوق گلوگیر دہائی   سیدانیاں اور بستہ زنجیر دہائی
نیزہ کی سواری سر شبیر دہائی   بازاروں میں زینب کی تشہیر دہائی
دِین اُٹھ گیا خالق کا شناسا گیا مارا
سر پیٹ محمد کا نواسا گیا مارا

اللہ اللہ جب یہ کلمات زبانِ مبارک جناب زینبؑ سے اُمّ
حبیبہ نے سُنے تو کہا کہ اے بی بی برائے خدا یہ خبر وحشت اثر

میری بی بی جناب زینبؑ کی شان میں نہ کہو۔ یہ کبھی ہو سکتا ہے۔
کہ اُمت رسول ہو کر اور رسول کا کلمہ پڑھتی۔ اور پھر
رسول کے ہی نواسے کو قتل کرے۔ اور میری بی بی جناب
زینب کا تو ایسا مرتبہ ہے۔ کہ ایک بار وہ تلاوتِ قرآن مجید
برلبِ بام کر رہی تھیں۔ اور محویت کے عالم میں گوشۂ چادر
جو سر سے سِرکا تو آفتاب برآمد نہ ہوا، جب تک میری
بی بی نے چادر نہ اوڑھی، جس بی بی کا یہ مرتبہ ہو۔ اُن کی شان
میں ایسا کہنا بے ادبی ہے۔ آہ آہ جناب زینبؑ نے اُمّ حبیبہ
سے یہ سُن کر اپنے ماں جائے بھائی کے نیزہ کی طرف سر کو
بلند کیا اور کہنے لگیں کہ ماں جائے میرے اب ہماری یہ حالت
ہو گئی ہے۔ کہ اپنی کنیزیں بھی ہمیں نہیں پہچانتیں۔ اے
بھائی جان ؎

شرمائی ہے زینب، شرمائی ہے زینب   بھیا میرے کہدو میری ماں جائی ہے زینب
اعجاز نما بھائی یہ اعجاز سے کہدو!
ہاں بی بیو یہ فاطمہؑ کی جائی ہے زینبؑ
اب پاس مجھے اپنے بلا لو مرے بھائی   دنیا کے بہت رنج سے گھبرائی ہے زینب
خواہر بھی نہیں جانتا اب کوئی تمہاری   اِن بی بیوں سے کہدو کہ ماں جائی ہے زینب

یہ وہی ہے جس کے لئے سورج نہیں نکلا
تقدیر کی گردش سے یہاں آئی ہے زینبؑ
ناگاہ سرِ شاہ سے آواز یہ آئی — بیشک علی و فاطمہ کی جائی ہے زینب
میں بھی ہوں کاندھے پہ نبی کے جو چڑھا تھا — یا فاطمہ کی بیٹی ہے او رجائی ہے زینب
تو مختصراً کہتا ہوں اے بی بی یہ تم سے!
شبیر کی ماں جائی ہے ماں جائی ہے زینب



تیئسویں مجلس

روائیت امام ضامن وثامن جناب علی رضا۔ ماموں کا حضرت کو زہر دینا آپ کا کفن و دفن جناب معصومہ فاطمہ کا شہر قم میں آنا اور ان کی وفات اور اہلبیت کا داخلہ دمشق

منقول ہے۔ کہ ایک روز جناب امام ضامن وثامن حضرت علی رضا شاہ خراسان سیر کو جا رہے تھے۔ کہ ناگاہ دیکھا آپ نے کہ ایک شکاری ایک ہرنی کو شکار کئے ہوئے چاروں پاؤں باندھے کاندھے پر ڈالے ہوئے چلا آتا ہے۔ اور اس مادۂ غزال کی چھاتیوں سے دودھ علی الاتصال بہا جاتا ہے۔ ہرنی کی جونہیں نظر حضرت پر پڑی۔ تو اپنی زبان میں حضرت پر آداب و سلام بجالائی۔ اور عرض کی یا حضرت میں اپنے دو بچے رکھتی ہوں۔ ان کو دودھ بھی میں نے ابھی نہیں پلایا۔ کہ دامِ اجل میں گرفتار ہو گئی آپ میرے ضامن ہو جائیں۔ تاکہ میں اپنے بچوں کو دودھ پلا آؤں۔ بھوک سے ان کا خدا جانے کیا حال ہے۔ یہ سن کر حضرت نے اس شکاری سے کہا۔ کہ اے مردِ خدا اس ہرنی کو چھوڑ دے۔ تاکہ

یہ اپنے بچوں کو دودھ پلا آئے۔ شکاری حضرت کو نہ پہچانتا تھا کہنے لگا کہ یہ جانور چھوٹ کر ہرن ہو جائے گا۔ اور عقل کب گوارہ کرتی ہے کہ یہ خود بخود دام میں آ پھنسے۔ حضرت نے کہا کہ مرد شکاری جب تک یہ ہرنی نہ آئے گی میں تیرے سامنے یہیں بیٹھا ہوں۔ پس یہ کہہ کر آپ اسی مقام پر بیٹھ گئے۔ اور ہرنی کو دامِ صیاد سے چھوڑا دیا۔ حضرات وہ مقام اب تک موجود ہے۔ جہاں حضرت ہرنی کے ضامن ہو کر بیٹھے تھے اور لوگ اس مقام کی زیارت کرتے ہیں۔ چنانچہ جب ہرنی کے آنے میں دیر ہوئی تو وہ صیاد کہنے لگا۔ کہ میں آپ کو نہ کہتا تھا کہ یہ وحشی جانور خود بخود کیسے آ سکتا ہے۔ کہ اتنے عرصہ میں آپ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ہرنی معہ اپنے دونوں بچوں کے حسبِ وعدہ چلی آتی ہے آتے ہی اس ہرنی نے اپنی گردن جھکا دی۔ اور کلماتِ شکریہ ادا کرنے لگی۔ حضرت نے پوچھا۔ کہ اے ہرنی اتنی دیر تو نے کہاں لگائی۔ پس وہ ہرنی بقدرتِ خدا گویا ہوئی۔ کہ یا حضرت میں جب یہاں سے جا کے اپنے بچوں کو دودھ پلا چکی اور حسب وعدہ آ رہی تھی۔ کہ ناگاہ میں نے دیکھا۔ کہ چند آہوانِ صحرا لبِ دریا بیٹھے ہیں اور ایک مجلس عزا آپ کے جد بزرگوار کی کر رہے ہیں پس میں سمجھی کہ یہاں سے جاتے ہی تو ذبح کر دی جاؤں گی پھر یہ موقعہ کہاں ملیگا اس لئے کچھ دیر اس مجلس

غم میں شریک رہی کیونکہ آج محرم کی گیارھویں تاریخ تھی۔ یہ سن کر آپ آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اور دیر تک روتے رہے۔ پس اس شکاری نے معجزے سے پہچانا کہ یہ تو میرے مولا امام رضا علیہ السلام ہیں۔ معافی کا خواستگار ہوا اور اس ہرنی کو چھوڑ دیا۔ کیوں حضرات، جو ایسا رحیم کریم امام ہو کہ جانوروں کی تکلیف بھی گوارہ نہ کر سکے افسوس صد افسوس ہے۔ کہ وہ کیسے مسلمان تھے۔ کہ جنہوں نے اہلبیت کے ساتھ وہ مظالم کئے۔ کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ آہ آہ ایسے امام ضامن ثامن کو ماموں نے زہر سے شہید کر دیا۔ حالانکہ اس پر حضرت کے بے شمار احسان تھے چنانچہ جب ماموں نے اپنے وزیر فضل کو قتل کرا دیا۔ تو تمام ایرانی اور فضل کے اہل قبیلہ بگڑ گئے اور بارگاہِ ماموں کو اس قصد سے گھیر لیا۔ کہ اس کو قتل کر کے فضل کا بدلہ لیں ماموں خوش قسمتی سے اس وقت حضرت امام رضا کے پاس تھا۔ جب ماموں کے ملازمین نے آ کر اطلاع دی۔ تو ماموں گھبرا گیا۔ اور حضرت کی پناہ لے کر عرض کرنے لگا۔ کہ اے ابوالحسن اس وقت میری امداد کرو آپ ہی اس فتنہ کو فرو کر سکتے ہیں پس حضرت نے اپنا گھوڑا طلب کیا۔ اور سوار ہو کر بارگاہ سلطانی پر پہنچ گئے۔ دیکھا کہ لوگ شور وغل کر رہے ہیں۔ حضرت نے ایک ڈانٹ بتلائی۔ سب خوف سے کانپنے لگے۔ اور عرض کی کہ یا ابن رسول اللہ جس طرح آپ حکم دیں

مامون نے اظہارِ غم میں بڑا مبالغہ کیا۔ تمام شہر کو سیاہ لباس پہننے کا حکم دیا۔ تین روز تک طوس میں حضرت کا ماتم رہا۔ پھر حضرت کی موت غربت کی موت کہی جاتی ہے۔ اور امام غریب خطاب ہو گیا۔ اِس لئے کہ کوئی اپنا عزیز لاش پر رونے والا نہ تھا۔ حضرت کے فرزند باعجاز غسل وکفن کے لئے آئے بھی مگر رو نہ سکے۔ بھائی کی شیدائی بہن جو اشتیاق سے بیتاب ہو کر مدینہ سے روانہ ہوئیں تھیں بھائی تک نہ پہنچنے پائیں۔ چنانچہ منزلِ سادہ میں خود علیل ہو گئیں۔ اسی اثناء میں حضرت کی شہادت واقعہ ہوئی جب شہر قم کے قریب پہنچیں۔ امام کے غم میں تمام شہر سیاہ پوش تھا۔ موسیٰ ابنِ خزرج رئیس شہر خواہرِ امام کی آمد سن کر معہ شرفاء شہر کے باہر نکلا۔ جب سواری قریب آگئی جنابِ فاطمہ خواہرِ امام نے سوادِ شہر پر نظر کی دیکھا۔ کہ لوگ سیاہ پوش سر برہنہ چلے آرہے ہیں۔ کنیز کو حکم دیا۔ دریافت کرو۔ کہ کیا اِن کا کوئی رئیس قبیلہ مر گیا ہے۔ جو سیاہ پوش اور سر برہنہ ہیں ؎

سنتے ہی حکم آئی کنیز حلقے میں ناگاہ   پوچھا کہ یہ غم کس کا ہے کر دیجئے آگاہ
کیا مر گیا ہے کوئی رئیس آپ کا ہاشا   سب خورد وکلاں مِل کے بہت کرتے ہو نوحہ
موسیٰ نے کہا کیا تمہیں یہ حال بتائیں
دے تم کو خدا صبر یہ بی بی کو سنائیں

سن کر یہ خبر وہاں سے کنیز آئی پلٹ کر   سر پیٹ لیا ہاتھوں سے وہ کہتی تھی یہ کہہ کر
اے بی بی یہاں لُٹ گئے ہم وائے مقدر   وہ بھائی کے تم ہو گئیں جو مرنے وا اور
پردیس میں یہ چرکا بہت غم کا لگا ہے
اب صبر کرو چارہ یہاں بندے کا کیا ہے
معصومہ نے سن کر یہ خبر چیخ جو ماری   سوارے کے محمل سے گری بھائی کی پیاری
اِس صدمہ سے اِس جا کی زمیں ہِل گئی ساری   بیہوشی میں بھی چہرے پہ آنسو تھے جو جاری
پردہ تھا کیا واں پہ قناتوں کو لگا کر
کہتے تھے یہ سب بارالٰہ صبر عطا کر

اِس کے بعد جنابِ معصومہ کو ایک قصر میں لا کر اُتارا گیا۔ اور طبیب علاج کے واسطے حاضر ہوئے۔ جب کسی وقت ہوش میں آتا تھا۔ تو غریب الوطن بھائی کہہ کر روتی تھیں اور پھر غش کر جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ اِسی صدمہ سے سترہ روز کے بعد آپ نے رحلت فرمائی۔ قم کی عورتوں نے باتفاق کیا۔ کہ ہم خود امام زادی کو دفن کریں گی۔ غرض عورات نے قبر کھودی اور عورتوں نے غسل وکفن دے کر جنازہ اُٹھایا کسی مرد کو دفن میں قریب نہ آنے دیا۔ بڑا احترام کیا اہلِ عجم نے امام زادی کا۔ اور بڑی حرمت کی خواہرِ امام کی لیکن حضرات جنابِ زینبؑ بھی تو غریب الوطن امام کی بہن اور امیر المومنین کی بیٹی تھیں۔ اہلِ کوفہ وشام نے

کیا احترام کیا۔ باب الساعات در یزید سے دربار تک کیونکر لے گئے۔ خود امام فرماتے ہیں۔ کہ ہم کو مثلِ گوسفند کے رسیوں میں باندھ کر کشاں کشاں دربار تک لے گئے۔

راوی کہتا ہے کہ اس وقت یزید اپنے تخت پہ بیٹھا ہوا شراب زہرمار کر رہا تھا۔ جونہیں سرہائے شہدا نیزوں سے اُتار کر رو بروائے اس یزید پلید کے لے گئے۔ اس نے حکم دیا کہ سرِ حسینؑ کو طشتِ طلائی میں رکھ کر میرے سامنے لاؤ۔ جونہی سرِ سید الشہدا اس پلید کے سامنے رکھا گیا۔ تو وہ ملعون سر کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ ایک چھڑی بید سے لب و دندان کو کھول کر رکھ رہا تھا۔ کہ اے حسینؑ جلدی بوڑھے ہو گئے۔ سامنے کرسیوں پر سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہائے انقلاب زمانہ مخدرات عصمت وطہارت رسن بستہ برہنہ سر بالوں سے منہ چھپائے کھڑی ہے پس وہ ملعون متوجہ ہوا۔ کہ اے لڑکی تو اپنے ہاتھوں سے کیوں چہرہ چھپائے ہے۔ تو جواب دیا جنابِ سکینہ نے کہ اے یزید ہم اہلبیت رسول کے سب چھوٹے بڑے یکساں ہیں۔ میری ماں اور پھوپھیوں کے سر کے بال بڑے ہیں۔ اِس واسطے وہ اپنے بالوں سے چہرہ چھپائے ہیں مگر میرے سر کے بال اِس قدر چھوٹے ہیں۔ کہ چہرہ تک نہیں آسکتے۔ اس لئے ہاتھوں سے پردہ کر رہی ہوں۔ اِتنے میں ایک ملعون شامی

سُرخ رنگ کا اُٹھا۔ اور کہا۔ کہ اے یزید یہ لڑکی مجھے دیدے۔ کہ میں اسے اپنی کنیز بناؤں گا۔ یہ سُننا تھا۔ کہ جنابِ سکینہ دوڑ کر اپنی پھوپھی سے لپٹ گئیں۔ اور کہنے لگیں۔ کیوں پھوپھی جان۔ کیا محضر نامہ میں ہماری کنیزی کا بھی اقرار ہے۔ جنابِ زینبؑ نے تسلی دی۔ اور اس ملعون سے کہا۔ کہ او ملعون تیری کیا مجال ہے۔ کہ تو اہلبیت کو اپنی کنیزی میں رکھے پس وہ ملعون اِس حرکت سے باز آیا۔ راوی لکھتا ہے کہ جونہیں جنابِ زینب کی نظر اپنے بھائی کے سر پہ پڑی تسلیم کو جھک گئیں۔ اور مخاطب ہو کر کہنے لگیں۔ کہ اے بھائی جان دیکھتے ہو ؎

نوحہ

لاچار کھڑی ہے۔ غمخوار کھڑی ہے   بھیا تیری ہمشیر دل افگار کھڑی ہے
بیٹھے ہیں لعین کرسیوں پر خرم وشاداں   رسی میں بندھی عترتِ اطہار کھڑی ہے
بتلاؤ کہاں جائیں گے ہم بھاگ کے بھائی
کیوں تیغیں لئے فوجِ جفاکار کھڑی ہے
جس بی بی کے سر کھلنے سے نکلا تھا نہ خورشید   سر ننگے وہ زینب سرِ دربار کھڑی ہے
مانگا ہے کنیزی میں سکینہ کو تمہاری
سہمی ہوئی وہ بھی پس بیمار کھڑی ہے

سر ننگے مجھے دیکھ کے منہ پھیر لیا کیوں | بھیا یہ بہن طالبِ دیدار کھڑی ہے
ہے ہے ترے دنداں پہ چھڑی رکھتا ہے ظالم | اور سامنے بیکس و ناچار کھڑی ہے

جھلاتے تھے محمل میں جسے ہاتھ پکڑ کر
سر ننگے وہی خواہر غمخوار کھڑی ہے

میں دوڑ کے سر کی ترے لیتی بلائیں | کوڑے لیے پیچھے صفِ کفار کھڑی ہے
زہرا نے بھو خواب میں خود جسکو بنایا | سر ننگے وہی اس جگہ ناچار کھڑی ہے

موجود ہیں اس بزم میں ایراں کے سبھی لوگ
اس شرم سے با تپِ بیمار کھڑی ہے

صغرا کا تصور مجھے جینے نہیں دیتا | ہر وقت مرے سامنے بیمار کھڑی ہے
صدمے سے سکینہ کو غش آیا ہے شمیم آہ | پہلو میں حزیں بنتِ علمدار کھڑی ہے

چوبیسویں مجلس

امام حسین علیہ السلام سے رسولِ خدا کی محبت اور داخلہ اہلبیت دربارِ یزید میں۔ عبد اللہ ابن عفیف کی شہادت اور اہلبیت کا لاشِ مسلم پر نوحہ

ایک روز جنابِ رسالت مآبؐ معہ جماعتِ اصحاب کہیں تشریف لیے جاتے تھے اثنائے راہ میں دیکھا کہ جنابِ امام حسین علیہ السلام بمقتضائے صغر سن مجمع اطفال میں کھیلتے پھرتے ہیں۔ پس حضرت نے چاہا۔ کہ امام حسین علیہ السلام کو ہنسائیں۔ دوڑ کر نواسے کے قریب پہنچے۔ پس وہ شہزادہ دوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ پھر آپ قریب اپنے صاحبزادے کے پہنچے۔ تو امام حسین علیہ السلام اور آگے بڑھ گئے۔ غرضیکہ حضرت اپنے نواسے کے ساتھ دوڑتے تھے۔ اور شہزادے کو ہنساتے تھے۔ راوی کہتا ہے۔ کہ آخر حضرت نے اس معصوم کو پکڑ لیا۔ اور ایک ہاتھ زیرِ ذقن اور دوسرا ہاتھ پسِ گردن رکھ کر اپنا منہ لب و دندانِ حسینؑ پر رکھ دیا۔ اور خوب پیار کیا۔ اور فرمایا حسین منی وانا من الحسین۔

حسین مجھ سے ہے۔ اور میں حسینؑ سے ہوں۔ خدا اس کو دوست رکھے جو میرے فرزند حسینؑ کو دوست رکھتا ہے۔ اور خدا اس کو دشمن رکھے جو میرے فرزند کو دشمن رکھتا ہے۔ کیوں مومنین کیسی محبت تھی جنابِ رسولِ خدا کو اپنے نواسے کے ساتھ کہ اپنی عینِ حیات میں حسین مظلوم کے لئے اونٹ بنے اور اپنے گیسوہائے مبارک کو نواسے کے ہاتھوں کی مہار بنایا۔ اے مظلوم کربلا، اور اے مولا۔ امام وقت بھی ہو۔ رسول اللہ کی تصویر بھی حسین بھی۔ امام بھی۔ امام مبین بھی۔ قرآنِ صامت کے حامل بھی۔ اور قرآنِ ناطق بھی۔ اِن سب صفتوں کے ساتھ ساتھ ۶۱ سنہ ہجری میں کچھ القاب اور بھی ملے۔ کیسے خطاب۔ غریب الوطن بھی۔ شہید بھی۔ اُمت کے نواسے بھی۔ اور اُمت کے مقتول بھی۔ بحرِ علم بھی۔ نبی کے نواسے اور دریائے فرات کے پیاسے بھی۔ خود تو بڑی ہنسی خوشی سے جان دے دی مگر تمام دنیا کو اپنے ماتم میں رُلا دیا۔ مرنے پر یہ جود و سخا۔ کہ جب ہم روئے۔ اپنا ہی دامن بھر لیا۔ راوی کہتا ہے کہ بعد قتلِ امام حسین علیہ السلام، آپ کے اہلِ حرم رونے نہ پائے۔ یوں تو دل بعد وفاتِ سرورِ عالم مسرور ہی کب ہوا ہوگا۔ دل رو رہا تھا۔ آنکھیں [illegible]

میں صفِ ماتم بچھتی تو جانتے کہ کوئی رونے والا تھا۔ الوداعی صورت میں اہلِ حرم روئے۔ مگر جبر و تعدی ظالموں سے خونِ جگر پی کر رہ گئے لکھا ہے۔ کہ جب لٹا ہوا قافلہ بعد شہادت آنحضرت دربارِ یزید میں جا رہا تھا۔ پس کوفہ کے نزدیک جب پہنچا۔ اور ابنِ زیاد کو معلوم ہوا۔ کہ اب قافلہ نزدیک آ گیا ہے۔ تو اس ملعون نے غلاموں اور کنیزوں کو حکم دیا۔ کہ دار الامارہ کو اس طرح سجائیں جس طرح عید کے موقعہ پر سجایا جاتا ہے۔ بموجب حکم اِس ملعون کے تمام شہر کی آئینہ بندی ہو گئی۔ اور سب لوگوں کو اعلان کیا۔ کہ وہ جامع مسجد میں جمع ہوں۔ مجھے کچھ ضروری باتیں بیان کرنی ہیں۔ لکھا۔ کہ عبد اللہ ابنِ عفیف کوفی جنابِ امیر علیہ السلام کے بڑے کامل الایمان صحابی تھے۔ اُن کی آنکھ ایک جنگِ جمل میں اور دوسری جنگِ صفین میں جاتی رہی تھی۔ اور جب سے نابینا ہوئے تھے۔ شب و روز گوشۂ تنہائی میں بیٹھے عبادتِ خدا کیا کرتے تھے۔ جب کوفہ میں اسیرانِ اہلبیت کا ورود ہوا۔ تو ایک دھوم مچ گئی۔ اور ابنِ زیاد کا اعلان ہوا۔ تو یہ بہت گھبرائے کہ یکایک ایسا کیا امر حادث ہوا۔ کہ شہر بھی سج رہا ہے۔ اور اہالیانِ کوفہ کو بھی بلایا جا رہا ہے۔ باوجودیکہ نابینا تھے۔ لیکن یہ

بھی مسجد میں پہنچے ابن زیاد نے خطبہ پڑھنے کے بعد کہا یایہاالناس تم کو مُبارک ہو۔ کہ ہم نے کربلا میں حسینؑ بن علی کو شہید کر دیا۔ اُن کی عورات کو اسیر کر کے لے آئے ہیں۔ تم سب کو چاہیئے کہ اِس خوشی میں پُوری طرح حصّہ لو۔ اور اپنے اپنے گھروں کو زینت دو۔ کیونکہ ہم نے خارجی پر فتح پائی ہے۔ یہ سُننا تھا۔ کہ عبداللہ ابن عفیف بے چین ہو گئے۔ اور غُصّہ سے تھر تھر کانپنے لگے۔ کھڑے ہو کر فرمایا ؎

لعنت تمہارے فعل پہ اے قوم رُوسیاہ　　اپنے نبی کی آل پہ یہ جور و ظلم آہ
جس کا لقب حسینؑ ہے ماہی سے تا بماہ　　کہتے ہو خارجی اسے اللہ کی پناہ

پڑھ پڑھ کے کلمہ نامِ پیغمبر مٹاتے ہو
یہ کون ہیں رسُول کے جن کو رُلاتے ہو

اے بیحیاؤ قتلِ حسینؑ پر خوشی مناتے ہو۔ قتل تو اسی ملعون کا واجب ہے۔ یہ کہہ کر تلوار سونت لی اور اِس شقی کے قتل کے ارادہ سے آگے بڑھے۔ اگر ابن زیاد کے غلام اور ارکانِ سلطنت بیچ میں حائل نہ ہو جاتے۔ تو عبداللہ نے اس کا کام تمام کر ہی دیا تھا۔ ابن زیاد پر کچھ ایسا خوف غالب ہوا۔ کہ فوراً منبر سے اُتر کر بھاگ نکلا۔ اس کے غلام جناب عبداللہ پر حملہ آور ہوئے۔ یہ دیکھ کر ان کے قبیلہ کے

لوگ دوڑ پڑے اور ان کو وہاں سے بچا کر نکال لے گئے۔ جب یہ گھر پہنچے تو اپنی ایک لڑکی سے جس کا سن دس بارہ سال کا تھا۔ اور جس کی ماں مر چکی تھی فرمانے لگے۔ کہ اے دُخترِ دیدہ اب وہ وقت قریب آگیا ہے۔ کہ تیرا باپ ہمیشہ کے لئے تجھ سے جُدا ہو جائے اِس کے بعد آپ نے تمام واقعہ بیان کیا۔ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سُنائی دی۔ جناب عبداللہ سمجھ گئے کہ میری گرفتاری کے لئے پسر زیاد آپونچا۔ پس آپ گھر سے نکل کر صحن میں آئے۔ اور بیٹی سے فرمانے لگے۔ اے جانِ پدر جب دشمن گھر میں گھس آئیں اور میں اُن پر حملہ کروں۔ تو بتاتی جانا کہ وُہ میری داہنی طرف ہیں یا بائیں طرف، چند منٹ نہ گزرے تھے۔ کہ ابنِ زیاد کے سپاہی گھر میں گھس آئے جناب عبداللہ تلوار کھینچ کر ان کی طرف لپکے۔ لڑکی بتاتی جاتی تھی۔ کہ بابا اب دہنی طرف حملہ کیجئے اب بائیں طرف کیجئے۔ چنانچہ یہ جمل و صفین کے معرکے جھیلا ہُوا سپاہی شیر کی طرح اُن پر ہر طرف سے حملے کرتا تھا۔ یہاں تک کہ چند اشقیا کو مار کر زمین پر ڈالدیا۔ آخر بچارے کہاں تک لڑتے اوّل تو ضعیفی پھر نابینا۔ ایک شقی نے موقعہ پا کر ایسی تلوار سر پر ماری۔ کہ جناب عبداللہ بے ہوش ہو کر گر پڑے

آہ آہ ان ظالموں نے فوراً تلواروں کے تلے دھر لیا۔ اور بات کہتے ہی اِس عاشقِ اہلبیت کے ٹکڑے کر ڈالے مومنین ذرا تصور کیجئے اِس بچی کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ جب اپنے بُوڑھے باپ کو اِس طرح خاک و خُون میں تڑپتے اور دم توڑتے دیکھا ہوگا منقول ہے۔ کہ اُن ظالموں نے جناب عبداللہ کو شہید کر کے اِس یتیم بچی کو گرفتار کرلیا۔

آہ مومنین مجھے اس وقت ایک یتیم بچی اور یاد آگئی۔ وہ حضرت مُسلم بن عقیل کی صاحبزادی ہیں۔ لکھا ہے۔ کہ جب اہل حرم کا قافلہ کُوفہ کے دروازہ پر پہونچا۔ تو اس وقت جناب زینبؑ نے کیا دیکھا۔ کہ ایک لاش کُوفہ کے دروازے پر لٹکی ہوئی ہے جس پر غُربت برس رہی ہے۔ جُونہیں جناب زینبؑ کا دل بھر آیا ؎

رو رو کے وُہ اُشتر سے یہ عابدؑ کو پکاری　　یہ لاش ہے کس بیکس و مظلوم کی واری
اسکے لئے بیتاب ہے کیوں رُوح ہماری　　اِس لاش کی تنہائی پہ دل کرتا ہے زاری

کیوں بے کفن اِس شہر میں بیزار و حزیں ہے
کیا قبر بنانے کی یہاں رسم نہیں ہے

رو کر کہا عابدؑ نے کہ یہ رونے کی جا ہے　　یہ لاش ہے اس کی جو غریب الغربا ہے
یا اسکا ہراول ہے جو بے گور پڑا ہے　　یہ مُسلمِ مظلوم ہے یہ میرا چچا ہے

آوارہ وطن بیکس و مظلوم یہی ہے
مظلوم وکیل شہِ مظلوم یہی ہے

آہ جس وقت جناب زینبؑ کو یہ معلوم ہوا۔ کہ یہ جناب مُسلم ہیں۔ تو آداب و سلام بجا لائیں۔ اور ان کی غُربت پر آٹھ آٹھ آنسو بہاتی تھیں ؎

پھر غور سے اِس لاش کو زینبؑ نے جو دیکھا　　تھے نیل کئی لاش کے پیروں پہ ہویدا
رو کر کہا عابدؑ سے کہ یہ نیل ہے کیسا　　عابدؑ نے کہا کہنے پڑی ہے انہیں ایذا

باندھا قدم لاش میں اعدا نے رسن کو
کوچوں میں پھرے کھینچتے آوارہ وطن کو

اور اے پھوپھی جان ؎

لاش پھرے کھینچتے کُوفہ میں ہیں غدار　　گرکوچوں میں لاتے تھے کبھی جانب بازار
یہ سُنتے ہی غش ہو گئی زینب جگر افگار　　نزدیک تھا اُونٹوں سے گرے عترتِ اطہار

عابدؑ نے یہ رو رو کے کہا فوجِ شقی کو
ٹھہراؤ ذرا اُونٹ کہ غش آیا پھوپھی کو

پس یہ فرما کر حضرت زینبؑ بے ہوش ہو گئیں تھوڑی دیر کے بعد ہوش میں آئیں۔ تب فرمایا۔ کہ اے مُسلمِ مظلوم تم پہ جو مصائب گزرے ہم کو معلوم نہیں تھا۔ کہ اِس لشکرِ غم و الم کے ہراول تمہیں ہوں گے

اِس فریاد سے حضرت زینبؑ کے ایک حشر برپا ہوگیا۔ اور لاشِ حضرت مُسلمؑ سے آواز آئی۔ کہ ہمشیر مولا میرا مجرا پذیرا ہوا۔ مجھ کو سے

کچھ بے کفنی کا تو نہیں رنج و الم ہے
تم کلوہ میں سر ننگے ہو واللہ یہ غم ہے

کیا مجھ کو آپ بے کس و مجبور سمجھے مادرِ شبّیر اور جنابِ مجتبٰی و علی مرتضٰے و پیغمبر خُدا نے اِس قدر عنایت کی کہ روزِ شہادت سے اِس وقت تک میرا لاشہ تنہا نہ چھوڑا۔ الا بجز اس وقت کے جب سیّد الشہدا نے شہادت پائی تھی اور اس وقت بھی میرے لاشہ سے روتے زیرِ نیزہ تشریف لے گئے ہیں اور میرے آقا کو نیزہ کے تلے رو رہے ہیں سے

اِک اُونٹ پہ تھی زوجۂ مُسلم بھی جو اسوار گودی میں رقیہؑ کو لئے مُضطر و ناچار
لاشے کی صدا سُن کے پکاری وُہ دلِ افگار ہے ہے مرے والی کہئے وارث میرے مختار

زینب جو بہن ہے اُسے سمجھاتے ہو صاحب
کچھ لونڈی کے حق میں نہیں فرماتے ہو صاحب

صدقے گئی دیکھو تو میرے خاک بھرے بال پردے کو نہ چادر ہے نہ مقنعہ ہے نہ رومال
ہے آپ کے ماتم میں رقیہؑ کا عجب حال یہ بے پدری اور یہ دُکھ اور یہ سِن و سال

جو تم پہ ستم گزرے وہ سب مجھ پہ عیاں ہیں
یہ تو کہو والی میرے فرزند کہاں ہیں

وہ دو تو مُسافر میرے جائے میرے پیارے آئے تھے یثرب سے یہاں ساتھ تمہارے
جب قتل ہوئے آپؑ کس طرف سدھارے اب قید ہیں وہ یا کہ گئے جان سے مارے

کم عمر ہیں نادان ہیں غریب الوطنی ہے
کیا جانئے کیا میرے یتیموں پہ بنی ہے

جس وقت کہ لاشِ حضرتِ مُسلمؑ سے آپ کی زوجہ نے یہ پُوچھا۔ تو راوی کہتا ہے کہ لاشِ مبارک کانپنے لگی اور آواز آئی سے

نوحہ

لاش سے آئی صدا، صبر تمہیں دے خُدا کیا نہیں تم کو پتہ صبر تمہیں دے خُدا
ہم ہوئے شہ پہ فدا، بیٹوں کو صدقہ کیا اکبر و عبّاس کا، صبر تمہیں دے خُدا
ہے مُسلم کی جا باتمیز، زہرؑا کی تو ہے کنیز مقبول یہ ہدیہ ہوا، صبر تمہیں دے خُدا
پیاری رقیہؑ مری، غم دکھ رہا ہیں گھڑی سکینہ پہ ہونا فدا، صبر تمہیں دے خُدا

سُن کے ہوا اک حشر۔ حیدری بس ختم کر
غم کا یہ سب ماجرہ، صبر تمہیں دے خُدا

پچیسویں مجلس

قزنگن کا معہ کنیز واردِ کربلا ہونا اور حالات کفن و دفن جناب سیّد الشہدا اور قوم بنی اسد کی امداد

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رونا ہر بلا و مصیبت میں مکروہ ہے مگر رونا مصیبت جناب سیّد الشہدا پر موجب ثواب و برکت ہے۔ اور وُہ آنکھ جو روئی ہوگی مصیبت اہلبیت پر۔ اُس روز جبکہ تمام آنکھیں ہولِ قیامت سے روتی ہوں گی وہ خنداں ہوگی۔ حضرات یوں تو دُنیا میں بہت سے انبیا و اوصیا روتے رہے۔ مگر جس طرح پانچ ہستیاں پیشِ پروردگار روئی ہیں۔ اِن کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا ۔

اوّل: حضرتِ آدم فراقِ جنت میں، دُوسرے حضرت نُوح علیٰ نبیّنا اس قدر روتے رہے کہ آپ کا نام نامی نوح قرار پا گیا۔ یعنی بڑا نوحہ کرنے والے، تیسرے حضرت یعقوب علیہ السلام۔ فراقِ حضرت یُوسف میں چالیس برس روتے رہے حتیٰ کہ آپ کی نُورِ بصارت بھی زائل ہوگئی۔ **چوتھے:** جناب فاطمہ علیہا السلام اپنے پدرِ عالی مقدار کے فراق میں

اِس قدر روئیں۔ کہ نہ دن کو قرار تھا اور نہ رات کو چین تھا آخر الامر پچھتر روز زندہ رہ کر اپنے باپ سے ملحق ہوگئیں۔ پانچویں جناب امام زین العابدینؑ اِس قدر روتے تھے۔ کہ کسی وقت آپ کا رونا تھمتا تھا۔ جب کبھی آپ بازار سے گزرتے تھے۔ تو قصاب اپنے گوشت کو اور بالخصوص ہر گوسفند کو کپڑے سے ڈھانپ لیتے تھے۔ کہ مُبادا حضرت کی اِس پر نظر پڑ جائے۔ اور آپ رونے لگیں۔ چنانچہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے ایک دن خدمتِ پدرِ بزرگوار میں عرض کی۔ کہ اے بابا جان آپ کا رونا کبھی موقوف بھی ہوگا یا نہیں۔ نہ آپ کچھ کھاتے ہیں اور نہ کچھ پیتے ہیں۔ ہر وقت گریہ و زاری میں ہی مشغول رہتے ہیں۔ یہ سُن کر ارشاد فرمایا آپ نے سے

تازہ کردی واقعاتِ کربلا تیرا پسر تو نہ دیدی واقعات کربلا من دیدہ ام

یہ کہہ کر آپ ڈھاریں مار مار کر رونے لگے۔ جب ذرا تسکین ہوئی تو فرمایا کہ جب ظالم مظلوم سے بدلہ لے لیتا ہے۔ اور مظلوم دُنیا سے گزر جاتا ہے۔ تو اُس وقت ظالم اپنا ظلم کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ مگر وہ ایسے سنگدل اور شقی القلب لوگ تھے نہ بعدِ شہادت امام مظلوم بھی ان نامردوں کے ظلم میں کمی نہ ہوئی۔ بلکہ اُن بے حیاؤں نے خیموں میں آگ لگا دی۔ جس سے بی بیاں اور بچے پریشان ہوگئے۔ اسی پر اکتفا نہ ہوئی۔ بلکہ

سے اسکا خون پونچھا۔ اور کہا کہ ولئے بے کسی تیری اے فرزند اگر تیرے
ماں باپ اس کو دیکھتے۔ تو شائد اپنا کیا حال کرتے۔ افسوس کہ اُسے یہ
معلوم نہ تھا۔ کہ اِس معصوم کو باپ کے ہاتھوں پر تیرِ ستم لگا ہے۔ اور
اِس کی ماں یہ دیکھ کر دُنیا سے رو تی گئی ہے۔ پس اِس فرنگن نے
ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی کہ یا اللہ بحق عیسےٰ ابن مریم اِس بچے کے قاتل کو نہ
بخشیو۔ الغرض وُہ فرنگن وہاں سے روانہ ہو کر قافلہ کے ساتھ اِس جگہ
سے کوچ کر گئی۔ اور وُہ لاشیں ویسی ہی دھوپ میں پڑی رہیں دِن
کو جانور اپنے پروں سے سایہ کرتے تھے۔ اور رات کو ایک
شیر اِن لاشوں کی نگرانی کرتا تھا۔ قوم بنی اسد جو اِس جگہ زراعت کا
کام کرتے تھے۔ وُہ ہر روز وہاں سے گزُر کر جب اپنے گھروں میں
جاتے تھے۔ تو تمام شب بے خواب رہتے تھے۔ نہ کچھ کھاتے تھے نہ پیتے
تھے۔ اور بخوفِ حاکم اِن کُشتوں کو دفن بھی نہ کر سکتے تھے۔
ایک دن ان کی عورات نے جب دیکھا تو وہ ان سے پُوچھنے لگیں کہ
ہم کئی دِنوں سے دیکھتی ہیں۔ کہ تم نہ کچھ کھاتے ہو نہ پیتے ہو اور
دس رقتے ہو۔ کیا تمہاری کھیتیاں خراب ہو گئیں یا کسی حاکم جابر کا
تم پر عتاب نازل ہوا ہے۔ ہمیں اپنے حالات سے آگاہ کرو۔ یہ
سُن کر انہوں نے کہا۔ کہ ان اُمور میں سے کچھ نہیں اور نہ ہم ان کا کچھ خیال ہی

کرتے ہیں۔ بلکہ کئی دِن سے ایسے واقعات دیکھتے ہیں۔ کہ از حضرت
آدم تا ایندم دیکھنے میں نہیں آئے۔ کہ محرم کی دُوسری تاریخ کو ایک قافلہ
اِس سرزمین پر اُترا تھا۔ متعدد بہتر بہتر آدمی تھے بڑے عابد وزاہد و
نیک و پارسا۔ اور اِس قافلہ میں بڑے بڑے وجیہہ جوان اور بزرگ
آدمی اور نیک اور پاک بی بیاں تھیں۔ ہر روز عدل و داد ہوتا تھا۔ کہ
کوئی کسی غریب کو ستائے نہیں۔ ساتویں تاریخ کو اِس قافلہ پر یزید
نے پانی بند کر دیا۔ چھوٹے چھوٹے بچے پیاس سے بے تاب ہونے
لگے۔ تا آنکہ دسویں تاریخ کو جنگ ٹھہر گئی۔ جب ہم شام کو اپنے
کھیتوں سے آئے تو دیکھا۔ کہ نہ وُہ لشکر ہے نہ خیمے ہیں خیمے جلے
ہوئے تھے اور بی بیوں اور بچوں کو ظالم اُونٹوں پر سوار کر کے
چلے گئے۔ اور وہ لاشے اُسی طرح سے پڑے ہیں۔ حاکم کے خوف
سے ہم انہیں دفن نہیں کر سکتے۔ ہم چاہتے ہیں۔ کہ جب ان کا لشکر
دُور جائے تو ہم دفن کی تدبیر کریں۔ عورتوں نے کہا کہ اس قافلے کے
سردار کا کیا نام تھا۔ کہنے لگے۔ کہ اس کو حسینؑ کہتے ہیں۔ اور وہ مدینے
کے رہنے والے ہیں۔ پس یہ سُننا تھا کہ ؎

سُنتے ہی عورات نے اِک شور مچایا — شبیر تو خاتونِ قیامت کا ہے جایا
لاشوں کو کیا دفن نہ کیوں بہرِ خدایا — اِسلام کے آئین کو کیوں دل سے بھلایا

اب محکمۂ حشر میں ہم جائیں گی کیونکر
مُنہ فاطمہ زہرا کو بھی دکھلائیں گی کیونکر
لاؤ ہمیں دو آئیں ہمیں دو جنگ کے ہتھیار — اب آج سے تلواریں تم باندھنا زنہار
ناخوش ہیں نبی تم سے علی تم سے ہیں بیزار — اِسلام کے ہوتے ہیں یونہیں مرد وفادار
فوجیں بھی جو بھیجے تو نہ حاکم سے ڈریں گی
ہم فاطمہ کے لال کو اب دفن کریں گی
بس کہتے ہی پھینک ردائیں کو زمیں پر — اور گودوں سے بٹھلا دیا بچوں کو زمیں پر
پھینکا انہیں جو جسم میں پہنے تھیں زیور — اور پھاڑ دیا سب نے گریبانوں کو کیسر
ماتم کا تھا بس جوش کبھی آہ و بکا تھی
اِس غول میں زہرا کے بھی چلانے کی صدا تھی

پس جب مردوں نے دیکھا کہ تمام عورات برائے دفن جانے کو تیار
ہو چکی ہیں۔ تو ہاتھ جوڑ کر کہنے لگے کہ تم گھروں میں صفِ ماتم بچھاؤ اور
ہم جا کر ان لاشوں کو گاڑتے ہیں۔ یہ کہہ کر آلات کندیدن قبور اُٹھالئے
اور تمام قوم بنی اسد کے دہقان وارد میدانِ کربلا ہوئے اور چہار
جانب کچھ نفوس پہرہ دار بٹھلا دیئے تا کہ ان طاعین کا کوئی حاکم نہ آپہنچے
یہ انتظام کر کے قبریں کھودنے میں مشغول ہوئے۔ مگر حیران و
پریشان تھے کہ سیدالشہدا امام حسینؑ کی کون سی لاش مبارک ہے

آپس میں کہتے تھے۔ کہ اگر کوئی حضرت کے جسم کا شناسا ہو تو اس سے
پوچھ لیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم اِس سعادت سے محروم رہیں ابھی یہ گفتگو
کر ہی رہے تھے ؎

ناگاہ ہوئی اِک قافلے سے گرد نمودار — مقتل کی زمیں ہو گئی سب مطلع انوار
کانوں میں صدا اُنکے یہ آنے لگی اِکبار — آپہنچے بدفنِ پدر عابدِ بیمار
گِر پڑتے تھے ہر گام پہ یہ زور گھٹا تھا
عمامہ نہ تھا سر پہ گریبان پھٹا تھا
پہلے تو پڑی رن میں نظر شہ کے جو پیارے — پھر گر پڑے لاشے پہ نہ تھامی گئی رقت
چلائے کہ اے دلبرِ خاتونِ قیامت — زندان میں غم تھا جب ہوئی آپ سے رُخصت
پاس آپ کے سب چین سے سو پائے بابا
ہم اِتنے دِنوں قید میں دُکھ پائے بابا

پھر جس وقت قوم بنی اسد نے سید سجاد بیمار کربلا کو دیکھا۔ تو دھاڑیں
مار مار کر رونے لگے اور پائے اقدس کے بوسے لینے لگے۔ حضرت نے
فرمایا۔ کہ اے قوم بنی اسد تم علیحدہ ایک جگہ پر مقام کرو۔ اور یہاں سے
ذرا فاصلے پر بیٹھ جاؤ کیونکہ ہمارے ہمراہ مخدراتِ عصمت و طہارت
ہیں۔ بحکم امام سُن کے قوم بنی اسد وہاں سے دُور جا
بیٹھی اور تمام بی بیاں اپنے اپنے عزیزوں کی لاش سے لپٹ گئیں،

اور ایسے بین جگر خراش کرتی تھیں ۔ کہ سُننے والوں کے دِل بے تاب ہو جاتے تھے۔ جب سب بی بیاں دِل بھر کر رو چکیں تو آپ نے سب کو ایک جگہ پردہ میں بٹھلا دیا۔ پھر بعد اس کے بہ امداد قوم بنی اسد ہر ایک کی لاش کو زیرِ زمین دفن کر دیا۔ جب سب سے فارغ ہو چکے تو ؎

بعد اسکے ہوئے دفن پہ شبیرؑ کے تیار ناگاہ ہوئی واں قبر کی جا ایک نمودار
اِک چادرِ پُرنور کھنچی قبر پہ یکبار پھر دیکھا کہ دو ہاتھ ہوئے واں سے نمودار

آتی تھی صدا زہراؑ کے گلفام کو لاؤ
مظلوم کو اور حافظِ اِسلام کو لاؤ

ایک روایت میں یُوں مروی ہے کہ سرِ مُبارک جناب سیدالشہداؑ کا پاس جناب زینبؑ کے تھا۔ جب مزارِ مقدس میں لاشے کو اُتارنے لگے۔ تو حضرت نے بنی اسد کو وہاں سے روانہ کر دیا۔ اور خود بہ نفسِ نفیس بحالتِ ضُعف و نقاہت اپنی پھوپھی کی امداد سے سرِ مُبارک کو بدن سے مُلحق کر کے قبر میں اُتارا۔ راوی کہتا ہے کہ جو حالت اُس وقت جناب زینبؑ عاشقِ برادر کی تھی۔ دیکھی نہ جاتی تھی۔ قبرِ مُبارک سے لپٹ لپٹ کر کہتی تھیں ؎

نوحہ

ماں جائی ہُنے جب تُمکو پائی ہے زینبؑ اے لاشہ بے سر ترا اُنڑلائی ہے زینب
کیا گزری تن پاک پہ اِس جنگل و بن میں بتلا مجھے اب چھٹکے یہاں آئی ہے زینب

سر ننگے تھی میں زوجۂ حاکم جو نہیں آئی
زِنداں میں کیا ہند سے شرمائی ہے زینبؑ

مرتے ہوئے تم جسکو مجھے سونپ گئے تھے اِس لاڈلی کو شام میں کھوآئی ہے زینبؑ
اب ساتھ مجھے قبر میں لے لیجیے بھائی دُنیا کے بہت رنج سے گھبرائی ہے زینب

قیدی ہوئی سر ننگے پھری دم نہیں مارا
سب آپ کا فرمان بجا لائی ہے زینبؑ

ظالم نے چھڑی ماری لبوں پر جو تمہارے خاموش کھڑی غیظ میں تھرائی ہے زینبؑ
سجادؑ گرا ضُعف سے اور شمر نے مارا اِس ظُلم سے اشک آنکھ میں بھر لائی ہے زینبؑ

جب دفن کیا شہ کو تو عبّاسؑ کہوں کیا
جس طرح سر قبر پہ چلائی ہے زینبؑ

چھبیسویں مجلس

در ذکرِ وفات جنابِ سکینہ دُخترِ شاہِ مدینہ

قَالَ رَسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَاطِمَۃُ بَضْعَۃٌ مِنِّیْ فرمایا جنابِ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کہ فاطمہ میری بیٹی ایک میرے جسم کا حِصّہ ہے۔ سُبحان اللہ جناب رسُول اللہؐ نے اپنی پارۂ جگر کو وہ رُتبہ دیا ہے کہ اور کسی کو ایسا نہیں مِل سکا جناب رسُول اللہؐ کو اِس لئے زیادہ محبّت بیٹی سے نہیں تھی کہ آپ باپ تھے اور وہ بیٹی۔ کیونکہ اِس طرح کی محبّت تو ہر ایک کو ہی بیٹی سے ہوتی ہے۔ مگر کوئی باپ بیٹی کی اِس طرح تعظیم نہیں کرتا ہے جس طرح آپ کرتے تھے کہ جب جنابِ سیّدہ باپ کو ملنے آتی تھیں تو آپ تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ حقیقت میں اِس میں ایک راز تھا اور وہ یہ کہ جناب سیّدہ ہمارے پیغمبر رسالت مآبؐ کی شریکِ کار تھیں۔ کیونکہ آپ مردوں کے راہبر و ہادی اور جناب فاطمہؑ عورات کی رہبر و ہادی۔ کیونکہ عورتوں کے مسائل و احکام ایسے ہیں کہ بعض مسائل عورتوں سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اِس لئے جناب سیّدہ تمام

عورتوں کی سردار منتخب ہوئیں۔ اور قُدرت نے اِس بی بی میں عِصمت صبر و حیا اور مساوات عقل۔ اطاعت شوہر و امور خانہ داری کی اصلاح غرضیکہ کُل فضائل کا مجمع بنا کر دُنیا میں بھیجا تھا۔ اور اِنسان اپنی صفاتِ حسنہ ہی سے قابلِ قدر ہوتا ہے۔ مقابلہ کر کے دیکھ لیجیے۔ ایک عقل کو ہی لے لیجیے اِنسان میں عقل نہ ہو تو حیوان اور اِنسان میں کیا فرق ہے۔ حیوان اِنسان کو عقل نہ ہونے کے باعث صرف اِتنا سمجھتا ہے کہ بس یہ بھی ایک شکل ہے۔ اور بس اِس سے زیادہ نہیں سمجھ سکتا۔ اِنسان اپنی عقل کے ذریعہ سے فوقیت حاصِل کرتا ہے۔ اِسی طرح اِنسان اِنسان میں بذریعہ عقل کے فرق ہے اور درجات میں انبیاء انبیاء سے افضل ہیں ارشادِ باری ہے فَضَّلْنَا بَعْضَہُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔ ایک سے ایک افضل ہے دیکھئے محمدؐ کا نُور سب کائنات سے مُقدّم بنا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہُ نُوْرِیْ۔ سب سے پہلے نُورِ محمدیؐ بنا۔ اور قُدرت نے اِس نُور کو متعدّد دریاؤں میں غوطہ دیا۔ پہلے دریائے معرفت میں پھر دریائے علم میں پھر دریائے جلالت میں۔ لکھتے ہیں۔ کہ جب نُورِ محمدیؐ کو دریائے جلالت میں غوطہ دیا گیا۔ تو جلالتِ پروردگار دیکھ کر ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ اور جب اِس پسینہ کو پُونچھ کر زمین پر پھینکا گیا۔ تو

شانِ محمدیؐ دیکھئے کہ اِس پسینے سے کُل انبیاء کی خلقت ہوئی۔ کمال مرتبہ قُدرت نے اپنے حبیب کو بخشا۔ حضرات پسینہ کیا چیز ہے۔ ایک رطوباتِ زائدہ جو جسم کا جُز نہیں ہے۔ بلکہ ایک زائد چیز ہے حیوان میں بھی اِسی طرح پسینہ ہوتا ہے۔ پسینہ کے اعتبار سے حیوان اور انسان میں کچھ فرق نہیں ہے۔ کیونکہ آپ نے دیکھا ہوگا۔ کہ جب گھوڑے دَوڑتے ہیں۔ تو وُہ پسینہ سے شرابُور ہوجاتے ہیں۔ اور اِنسان بھی جب کوئی کام کرتا ہے۔ یا اس پر خوف غالب ہوتا ہے۔ تو وہ بھی پسینے سے عرق عرق ہوجاتا ہے تو معلوم ہوا۔ کہ حیوان اور انسان اِس اعتبار سے برابر ہیں۔ کیونکہ رطوبات زائدہ حیوان میں بھی ہے۔ اور اِنسان میں بھی۔ اور پسینہ جسم کا حِصّہ نہیں ہے۔ کیوں حضرات جناب سرورِ کائنات کے اِس رطوباتِ زائدہ سے جب کُل انبیاء کی خلقت ہوئی۔ تو کیا شان ہوگی۔ اِس جسم کے حِصّہ کی جو جناب رسُولِ خُدا کا جُزو ہو۔ اِسی قاعدہ سے جناب فاطمہ کی قدر و منزلت کا شمار کر لیجئے۔ کہ کیا شان ہوگی اِس بی بی کی۔ جس کو رسُول اللہ نے فرمایا فاطمہ بضعۃ منی۔ فاطمہ میرا ایک ٹکڑا ہے۔ کیا کیا صفات اِس بی بی کے بیان کئے جاویں۔ سخاوت کے جوہر دیکھئے کہ جب اہلبیت نے پانی سے روزے متواتر رکھے۔ اور تین دن متواتر پانی ہی سے افطار کی

ہوئی۔ تو قُدرت نے سُورۂ دہراِن کی شان میں نازل فرمادیا۔ اور جبرائیلؑ خدمتِ رسُول میں یہ سورہ لے کر آئے۔ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا۔ یعنی جو لوگ عہد کرتے ہیں۔ اور اِس کو پُورا کرتے ہیں۔ اور اُس روز سے جو بہت ہولناک ہوگا ڈرتے ہیں۔ اور اپنے خُدا کی محبت میں سکینوں۔ یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ اور اُس کی جزا نہیں چاہتے ہیں۔ سبحان اللہ ایسے رحمدل جو فاقہ میں بھی کِسی مسکین اور یتیم اور قیدی کو بھُوکا نہ دیکھ سکتے ہوں۔ کیا قیامت ہے۔ کہ انہیں کی اولاد کو اشقیائے اُمت نے یتیم اور قیدی بنایا۔ چنانچہ لکھا ہے۔ کہ جب جناب امام حسین علیہ السلام کو ملاعین شہید کر چکے اور تمام آپ کے خیمہ جات بھی جلا چکے۔ تو ان لاوارث اور بیکس بی بیوں کو قیدی بنا کر اور سیّد سجادؑ کو ان کا مُہاری بنا کر پہلے کُوفہ اور پھر شام کے بازاروں میں پھراتے ہوئے دارالخلافہ یزید یعنی دمشق میں لے گئے۔ تو اس ملعون نے اُن کو قیدخانہ کا حکم دے دیا۔ اور اُن کو ایسے زندان میں قید کیا گیا۔ کہ جہاں ہوا کا کوئی گزُر نہ تھا۔ ان بے چاری مصیبت کی ماریوں کا دم گھٹا جاتا تھا۔ کتاب منتخب وغیرہ میں منقول ہے کہ ہمراہ

اہلبیت اطہار اُسی قیدخانہ میں ایک شہزادی تمہاری یعنی دُخترِ نیک اختر جنابِ امام حسینؑ کی بھی قید تھی۔ جس کا نام سکینہ مشہور ہے۔ اور آپ نہایت کم سِن تھیں۔ چُنانچہ کُتب میں ان کا سِن تین برس سے لے کر پانچ برس تک دیکھا گیا ہے۔ اور حدیثِ معتبرہ سے معلوم ہُوا ہے۔ کہ جناب امام حسینؑ حضرت سکینہ کو بہت پیار کرتے تھے۔ اور وُہ شاہزادی بھی اپنے پدر بزرگوار سے نہایت مانوس تھی۔ اور اکثر سینۂ اقدس پر آرام فرماتی تھیں۔ مگر افسوس ہے کہ دھم محرم معرکۂ کربلا سے اِس بچی کو وُہ سینہ نہ مِلا تھا۔ اور اِس قیدخانہ میں گھبرا گھبرا کر اپنی ماں بہنوں سے پُوچھتی پھرتی تھیں۔ کہ بابا میرے کہاں گئے ہیں۔ ان کو بُلا دو مجھ سے تو اِس مکان میں رہا نہیں جاتا۔ اور گریہ و زاری و بیقراری سے اِس بچی کو چین نہیں تھا۔ اور تمام مخدراتِ عصمت و طہارت بھی سخت بے چین تھیں ~

کِس بَن میں چُھپ کے بیٹھ رہے ہائے بابا جان	کرتی سکینہ کو ڈھانپ کے کرتی تھیں یہ بیاں
ڈھونڈوں نکل کے تم کو کہاں یا شہ زماں	سوئے ہیں دَر میں قفل لگا کر نگاہبان

جو آپ سے بلا ہوا سے لے کے جاتے ہیں
جاتے ہیں گر کہیں تو پتہ دے کے جاتے ہیں

اے بابا جان یہ سکینہ آپ کو کہاں تلاش کرے مجھے تو اِس اندھیرے

گھر میں نیند نہیں آتی دل بیقرار ہے۔ یہ سُن کر حضرتِ بانو و جناب زینبؑ آغوش میں لے کر فرماتی تھیں۔ کہ اے نُورِ دیدہ اب خاموش ہوکر سو رہ سفر سے عنقریب ہی تیرے بابا آئیں گے۔ مگر وہ معصوم کب مانتی تھی۔ ناچار جنابِ بانو قریب حضرت زین العابدین آئیں اور فرمایا بیٹا تم امام ہو۔ تم سکینہ بہن کو سمجھاؤ۔ وُہ جان اپنی ہلاک کرتی ہے۔ یہ سُن کر امام کون مکان قریب سکینہ یتیم جان تشریف لائے۔ اور کلمات تسلی و تشفی دے کر فرمایا۔ کہ اے سکینہ تم صابرہ کی پوتی ہو صبر چاہیئے۔ چپکی ہوکر سو رہ ~

کِس سے کہوں جو شہ کی خبر لائے کیا کروں	وُہ کہتی تھی دھڑکتا ہے دل آہ کیا کروں
یہ در کسی طرح سے کھل جائے کیا کروں	کہتی ہوں کِس طرح مجھے نیند آئے کیا کروں

بابا و آئیں گے نہ مجھے نیند آئے گی!
بھیا یہ رات جان میری لیکے جائے گی

اس وقت حضرتِ زین العابدینؑ فرماتے تھے۔ کہ اے سکینہ خُدا کے کارخانے میں بندہ کا دخل نہیں ہے۔ تم والدہ سے ناحق خفا ہو۔ جو مالک کی رضا ~

غُربت میں اک تمہیں نہیں بچھڑیں حسینؑ سے
ہم بھی تو چھُٹ گئے ہیں شہ مشرقین سے

اور ماسوائے اس کے سکینہ سے

صغرا کو دیکھو وہ مرض اور درد اُجاڑ گھر ... کیسا پٹکتی ہوے گی گھٹ گھٹ کے اپنا سر
اکبار سارے کنبہ سے چھوٹی وہ نوحہ گر ... ماں ہیں تمہارے پاس جو سر پر نہیں پدر

نعمت ہے قُرب مادرِ عالی وقار کا
رونے کے بدلے شُکر کرو کردگار کا

اب تم اماں جان کی گود میں لیٹو ہم بوجہ گرانئ طوق گلوگیر زنجیر کے ناچار ہیں۔ ورنہ ہم خود اپنے سینہ پر تم کو لٹاتے۔ اگر تم چُپ کر جاؤ اور آرام سے تسکین سے لیٹو۔ تو ہم تمہیں اس جگہ کا حال سُنائیں جہاں بابا جان گئے ہوئے ہیں۔ یہ ارشاد اس امام عالی مقام کا سُن کر جناب سکینہ فوراً ماں کی گودی میں لیٹ گئیں اور کہنے لگیں کہ اے بھیا سجاد اب میرے بابا کا حال کہو سے

سجاد نے کہا۔ کہ جہاں ہیں شہ اُمم ... نام اس مکان پاک کا ہے گلشنِ ارم
یاقوتِ سُرخ کا ہے وہ قصرِ فلک حشم ... ہے جسکے آگے عرش بریں مرتبہ میں کم

ہے واں کی چاندنی میں ضیا آفتاب کی
سب مشک کی زمیں ہے تو نہریں گلاب کی

اور اے سکینہ وہاں ایک طرف سلسبیل اور ایک طرف کوثر جس کا

ی خو... ار او... نہ ... زیا... سرد ... اور ... میر ... شہد و

شیر کو مات کرتا ہے اور خدا نے اس کی تعریف اپنی کلام پاک یعنی کلام مجید میں کی ہے۔

ہے بیچ میں مکانِ رسُول فلک حشم ... قصرِ جناب شیرِ خدا اسکے ہے بہم
اس کے قریب منزلِ زہرائے باکرم ... ہیں اس طرف حسنؑ تو اُدھر قبلۂ اُمم

اپنا بہت اُٹھائی تھی دُنیائے زشت میں
پانچوں خُدا کے نُور بہم ہیں بہشت میں

اور اے سکینہ بابا جان کے پاس اس اس قسم کی نعمتیں موجود ہیں جو بیان نہیں ہوسکتیں اور ٹھنڈے اور میٹھے اور خوشبودار پانی کے جام نہر کے کنارے بھرے ہوئے ان کے لئے موجود ہیں۔ اور بابا جان تمہیں وہاں ہروقت یاد کرتے ہیں۔ اور جس وقت حُوریں پانی کے جام بابا جان کے پاس لاتی ہیں تو تمہارے واسطے آہ سرد بھرتے ہیں کہ افسوس میری سکینہ پیاری پیاسی ہے۔ اور تمہارے چھوٹے بھیا علی اصغر تو ہروقت اپنی دادی کے پاس رہتے ہیں۔ مگر اے سکینہ وہاں جو تمہارے لئے بابا جان نے مقام بنایا ہوا ہے۔ وہاں کسی کو نہیں آنے دیتے۔ اور اے سکینہ تمہیں بابا جان ہروقت یاد کرتے ہیں سے

ہمشکلِ مصطفےٰ ہو کہ اصغر سا گلعذار ... گو سب تھے نُورِ چشم امامِ فلک وقار

تم پر ہے پر عنایتِ شبیر بے شمار ... ہاں سچ کہو کسی پہ تھا اس طرح کا پیار

اس پیار سے کسی کو بھی گودی میں لیتے تھے
تم پر تو قبلۂ دوجہان جان دیتے تھے

یہ سُن کر حضرت سکینہ اور بھی رونے لگیں اور جناب زین العابدینؑ سے فرمایا کہ جب بابا میرے ایسے مکان میں ہیں تو مجھ کو کاہے کو یاد کریں گے بھائی اصغر اور محمد و عبداللہ جی بہلانے کو ان کے پاس ہیں یہ باتیں سُن کر اہل حرم میں کہرام برپا ہوگیا۔ اور بعض روایت سے تو ایسا بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ جناب زینبؑ نے اس وقت سکینہ کو گود میں لیا اور فرمایا کہ اے سرور سکینہ معصوم میری گود میں آؤ تم کو کہانی سناؤں گذارش کی جناب سکینہ نے کہ اے پھوپھی جان کس کا قصہ اور کس کی کہانی۔ میں اپنی مصیبت میں ہوں۔ میرے دادا علی مرتضےٰ شہید ہوئے۔ حسن مجتبیٰ کو زہر دیا گیا۔ جناب فاطمہؑ و رسولِ خدا نے اس دُنیا سے رحلت فرمائی ایسے ستم رسیدہ کو کہانی کب خوش آتی ہے۔ راوی لکھتا ہے کہ پھوپھی نے تسلی و تشفی دی اور اس بچی کو سینہ سے لگایا۔ بڑی دیر بعد جناب سکینہ کی آنکھ لگی۔ خواب میں پدر بزرگوار کو دیکھا۔ دوڑ کر باپ کے گلے میں باہیں ڈال دیں حضرت سیدالشہدا نے پیار کیا وہ بچی اپنے باپ سے

اپنی مصیبت کی شکایت کر رہی تھی۔ کہ ناگاہ خواب سے آنکھ کھل گئی اور ہائے ہائے بابا کہہ کر وہ معصوم پیٹنے لگی۔ اس کے رونے اور پیٹنے سے بی بیوں میں ایک کہرام بپا ہوگیا۔ ماں نے ہر چند سمجھایا۔ اور پھوپھی نے دلاسا دیا۔ مگر وہ معصوم کہتی تھی۔ کہ ابھی میرے بابا جان میرے پاس کھڑے تھے۔ مجھے پیار کر رہے تھے۔ کہاں چلے گئے۔ اے پھوپھی اور اے اماں میرے بابا جان کو بلا دو۔ وہ مجھ سے کیوں روٹھ گئے۔ یہ کلمات سکینہ کے سُن کر بی بیاں اور بچے بے تاب ہو ہو کر رو رہے تھے۔ ناگاہ یہ شورِ گریہ سُن کر یزید اپنے محل میں جو کہ زندان کے نزدیک ہی تھا۔ خواب سے بیدار ہوا۔ اور ایک خواص سے اس نے کہا کہ ڈیوڑھی پہ جا کے خبر تو منگا۔ کہ زندانیوں کا کیا حال ہے۔ شاید ایک لڑکا نحیف و نزار جو زنجیر میں گرفتار تھا۔ اس کو غش آگیا ہوگا۔ اور خازن سے یہ بھی کہہ دینا سے

کھولو رسن گلے سے جو غش سے نڈھال ہو
کٹواؤ بیڑیاں بھی اگر غیر حال ہو

یہ سُن کر وہ خواص ڈیوڑھی پر آئی اور حالِ زندان دریافت کر کے پھر یزید کو جا کر خبر دی کہ ایک بچی خورد سال اپنے باپ کی یاد میں روتی تھی۔ کہ اس کے بہلانے کو اس کی ماں پھوپھی نے معرکہ کربلا کے واقعات

بطور قصہ سنائیے۔ مگر وہ چین سے نہ سوئی۔ اور کچھ دیر کے لئے
ذرا آنکھ اس کی لگ گئی تھی۔ کہ خواب میں اس نے اپنے باپ کو
دیکھا ہے اور وہ ضد کر رہی ہے۔ کہ میرے باپ کو بلا دو۔ اس کے
رونے سے اہلبیت بھی گریہ و زاری کرتے ہیں۔ جب یہ واقعہ یزید ملعون نے
سنا تو وہ شقی باوجود قساوت قلبی کے اشکبار ہو کر کہنے لگا۔ کہ اس کے باپ کا
سر طشت طلا میں رکھ کر خزانہ دار کو پہنچا دو ؎

ڈوبے لہو میں چاند سے رخسار دیکھ لے
بیٹی پدر کی شکل پھر اک بار دیکھ لے

لیکن تاکید اس امر کی کرنا۔ کہ بعد دکھانے سر کے فوراً لے آئے۔
کیونکہ جب تمام خزانہ خالی کیا ہے تب سر فرزند فاطمہ زہرا کا پایا ہے حتی
یہ سن کر خزانہ دار نے صندوق آہنی سے سر اقدس نکالا۔ اور ایک خوان پوش
ڈال کر طرف زندان کے چلا۔ اور ادھر اُس طرف بوجہ گریہ سکینہ اہل حرم
شاہ مدینہ میں ؎

برپا تھا واحسین کا رانڈوں میں غل ادھر | پہنچا وہ سر کو لیکے جو خازن قریب در
کھلوا کے قفل کو یہ پکارا بچشم تر | بھیجو کسی کو اے حرم سید البشر
پہنچا ہے یاں کے رونے کا غل اس کے کان میں
حاکم نے کچھ سکینہ کو بھیجا ہے خوان میں

پس فوراً فضہ قریب در گئیں۔ اور وہ خوان اس کے ہاتھ سے لے کر
بی بیوں کے پاس رکھ دیا۔ پس جناب زینبؑ نے فرمایا۔ کہ ہمارے دل
غم و آلام سے بھرے پڑے ہیں۔ کسی کو مطلق کھانے کی خواہش نہیں ہے۔
آج اس قدر حاکم کی مہربانی کا کیا باعث ہے۔ جو یہ خوان بھیجا ہے
میں اس ظالم کا کھانا نہ لوں گی۔ افسوس ہے۔ کہ جو لعین میرے
بھائی کا سر تین روز کی بھوک پیاس میں کاٹتے ہیں اسی مردود کے گھر کا
کھانا کس طرح کھاؤں۔ زمین پھٹ جائے۔ تو میں سما جاؤں یہ تو
مجھ سے نہ ہوگا جب یہ کلام حضرت زینبؑ کا جناب عابدینؑ نے سنا۔
تو کہنے لگے۔ کہ اے پھوپھی اماں یہ کچھ راز ہے اس کو دیکھو تو سہی
کہ اس میں کیا ہے۔ تب جناب زینبؑ خوان کے قریب گئیں اور
فضہ سے کہا۔ کہ اے فضہ اس کو کھول کر دیکھو ؎

فضہ نے بڑھ کے خوان جو کھولا بچشم تر | سمجھے یہ اہلبیت کہ طالع ہوا قمر
گھبرا کے بی بیوں نے جو کی خوان پر نظر | دیکھا لہو میں تر ہے سر فاطمہؑ کا سر
رانڈیں جھکیں حسینؑ کی تسلیم کے لئے
سجاد اٹھ کھڑے ہوئے تعظیم کے لئے
بولی بلائیں لے کے یہ زینب جگر فگار | بھیا تمہارے چہرۂ پرخوں کے میں نثار
چلائی گرد پھر کے یہ بانوئے سوگوار | صدقے کرو کنیز کو یا شاہ نامدار

راحت گئی حیات کی دل سے ہوس گئی
صاحب کے دیکھنے کو یہ لونڈی ترس گئی

اس طرف یہ محفل ماتم کا سن کر جناب سکینہ دوڑتی ہوئی سر بریدہ
کے بوسے لینے لگی جناب ام کلثوم و جناب زینبؑ و جناب بانو سر کو
اٹھا کر چھاتی سے لگاتی تھیں۔ اور سر مطہر کے بوسے لیتی تھیں۔ اور
جناب بیمار کربلا زیارت پڑھ کر بے ہوش ہو گئے ؎

سب سینہ زن تھے گرد سر شاہ بحر و بر | اس حشر میں رہی نہ سکینہ کی کچھ خبر
دیکھا جو اپنے رنج شدیں کو جلوہ گر | لپٹی سر پدر سے وہ معصوم دوڑ کر
چلائی دیکھو خالق اکبر کی شان کو
لو اماں جان پا گئی میں بابا جان کو

آہ آہ وہ معصوم بچی کہنے لگی کہ اے بابا جان مجھے کہاں چھوڑ کر چلے
گئے تھے جناب زینبؑ جناب بانو اس بچی کو سر سے علیحدہ کرتی تھیں۔
مگر وہ بچی باپ کے سر کو نہ چھوڑتی تھی۔ تا آنکہ وہ بچی اس طرح سر سے
لپٹے ہوئے غش کر گئی۔ پھوپھی نے جو دیکھا تو سکینہ معصوم کی نبض ساقط
تھی۔ جناب بانو سے کہا ؎

زینبؑ پکاری باپ کی شیدا گزر گئی
گودی میں کس کو لو گی سکینہ تو مر گئی

بانو ہلا کے بانوئے ناشاد نے کہا | بی بی سر پدر سے اٹھاؤ تو منہ ذرا
باتیں ابھی تو کرتی تھیں آنسو بہا بہا | ساقط ہے نبض ہائے سر دست و پا
منہ دیکھتے ہی زیست کا نقشہ بدل گیا
کس وقت سانس رک گئی کب دم نکل گیا
قربان جاؤں مرنے کی ماں کو خبر نہ کی | والی مری غریبی پہ تم نے نظر نہ کی!
یہ سال ماں کے ساتھ تڑپ کر بسر نہ کی | جی بھر کے بھی زیارت روئے پدر نہ کی
چوتھے برس میں ہائے سدھاریں جہان سے
دکھ قید کے نہ اٹھ سکے ننھی سی جان سے
ماں صدقے جائے آج تڑپتی تھیں ظلم سے | روٹھی ہوئی تھیں مادر ناشاد کام سے
مر کر ملیں حسین علیہ السلام سے | بی بی کہو گلے ہوئے کیا کیا امام سے
چھوڑا جو ہم کو یاں یہ محبت سے دور ہے
قربان جاؤں ماں کا بھلا کیا قصور ہے

اے سکینہ اس مادر غمگین کو اس زندان ستم میں مبتلا چھوڑ کر
چلی گئیں۔ قربان ہو جاؤں میرا شکوہ اپنے پدر بزرگوار سے نہ کرنا۔
اے بیٹی میں کفن تجھے کہاں سے دوں سر پر چادر بھی نہیں ہے
کیوں حضرات یہ مقام رونے کا نہیں ہے۔ کہ جس کی دادی کے واسطے
چادر تطہیر آئی ہو اس کی پوتی معصوم ایک گز بھر کفن کے واسطے محروم

ہو کر اُسی خُون آلُودہ پھٹے کُرتے میں دفن کی جائے۔ راوی لکھتا ہے کہ جناب سید سجادؑ کو اِس قدر بُخار تھا۔ کہ بے ہوش خیمے میں پڑے ہوئے تھے۔ پس جناب زینبؑ نے اِس معصوم بچّی کو اپنے ہاتھوں پر اُٹھا لیا۔ اور خدمت میں سید سجادؑ کے پہنچیں۔ اور بیمار کا شانہ ہلا کر کہنے لگیں۔ کہ اے بیٹا سجادؑ ؎

نوحہ

فریاد خُدا کی، گردُوں نے جفا کی — ماں لُٹ گئی سجادؑ سکینہ نے قضا کی
کشتا تھا رنڈاپا میرا اِس بچّی کے دم سے — افسوس سکینہ کے بھی سِن نے نہ وفا کی
بستی میں مُسلمانوں کی تابُوت سے مُحتاج — پوتی ہے پڑی ہائے بتولِ عذرا کی
کیا ہووے گی تدبیر بھلا گور و کفن کی — ماں بیٹھی ہے خود قید میں مُحتاج رِدا کی
کفنا کے اِسی کُرتے میں تم نعشِ یہ اُٹھا کر — لیجاؤ جہاں بنتی ہیں قبریں غُربا کی
پُوچھے جو کوئی تم سے تو کہدینا یہ رو کر — اُٹھتی ہیں یونہیں میتّیں ہم سے غُربا کی
جب سونپ چکو مُردے کو تو کہنا زمیں سے — اے ارض امانت ہے یہ شاہِ شہدا کی

بس روک متیں آگے قلم اب نہیں طاقت
آقا کے تصدّق سے ہے افراط بکا کی

ستائیسویں مجلس

واپسی اہلِ حرم بہ طرفِ مدینہ منورہ و زیاراتِ عالیہ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی کِتَابِ الْمَجِیْدِ وَفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ ۔ خداوندِ تبارک و تعالےٰ اپنی کلام پاک یعنی سورۂ یُوسف میں ارشاد فرماتا ہے۔ آؤ ہم تم کو قصوں میں سے ایک احسن قصہ سُنائیں۔ حضرتِ یعقوب علیہ السلام ایک کنیز باتمیز رکھتے تھے۔ جب جناب یعقوبؑ کے ایک لڑکا جس کا نام ابن یامین تھا پیدا ہوا۔ انہیں ایّام میں اِس کنیز کے بھی قُدرت نے ایک فرزند عطا کیا جس کا نام اِس کنیز نے بشیر رکھا۔ تو حضرتِ یعقوبؑ نے مادرِ بشیر کو واسطے رضاعتِ اپنے فرزند ابنِ یامین کے مقرر کیا اور آپ نے بشیر کو بدیں خیال فروخت کر ڈالا۔ کہ مبادا مادرِ بشیر اپنے بچّے کی محبت میں ابنِ یامین کو بھوکا رکھے اور تھوڑا شیر پلائے جس وقت کہ بشیر علیحدہ ہوا۔ تو مادرِ بشیر نے غمگین و ملول ہو کر درگاہ پروردگار میں عرض کی۔ کہ اے بارالٰہا جس طرح تیرے نبی یعقوبؑ نے میرا فرزند مجھ سے جُدا کیا ہے اِسی طرح تُو بھی یعقوب کو داغِ فرزند

میں مُبتلا کرنا۔ کہ یہ بھی فراقِ اولاد کا جانے کہ جُدائی دِلبند کی کیسی ہوتی ہے۔ بعد اِس گذارش کے اِس کنیز باتمیز کو یہ خطابِ الٰہی اِلقا ہوا۔ کہ اے مادرِ بشیر دلگیر مت ہو۔ یعقوبؑ کو بعوض اس کے ہم فراق میں اِس فرزند کے مُبتلا کریں گے۔ کہ جس کو یہ سب سے عزیز رکھتا ہے۔ اور اِس وقت تک یہ فراق میں مُبتلا رہیں گے جب تک کہ تیرا فرزند تجھ سے نہ ملے گا۔ پس اتفاقاً۔ اسی شب کو حضرت یُوسفؑ نے خواب میں دیکھا۔ کہ آفتاب و ماہتاب و ستارے مجھے سجدہ کرتے ہیں یہ خواب دیکھ کر حضرت یُوسفؑ باپ کی گود میں چونک پڑے۔ وَاِذْ قَالَ یَا اَبَتِ۔ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُھُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ اور باپ سے کہنے لگے۔ کہ اے بابا میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ کہ گیارہ ستارے اور سُورج اور چاند مجھے سجدہ کرتے ہیں۔ فرمایا جناب یعقوبؑ نے کہ لَا تَقْصُصْ رُؤْیَاكَ عَلٰی اِخْوَتِكَ اپنے بھائیوں سے یہ خواب نہ بیان کرنا۔ خلاصہ یہ ہے کہ بحکمِ الٰہی یعقوبؑ اور یوسفؑ سے جُدائی ہوئی۔ اور جب عزیزِ مصر مر گیا۔ تو حضرت یوسفؑ اس کی جگہ مسند نشین ہوئے اور فراق میں حضرت یُوسفؑ کے یعقوبؑ کی بینائی بھی روتے روتے جاتی رہی۔ مومنین کیا صدمہ ہے

فرزند کی جُدائی کا خیال کرو اپنے آقا کے صبر و شکر پر کہ علی اکبرؑ و علی اصغرؑ کو اپنی آنکھوں کے رُوبرو فدائے اُمّت کر دیا۔ المختصر جس وقت حضرت یعقوبؑ کا یہ حال پہنچا۔ تو حضرت جبرائیل بحکم جلیل نازل ہوئے۔ اور فرمایا۔ کہ اے یعقوبؑ توسل کرو دُعا کو ساتھ اسمائے پنجتن کے پس آنحضرتؑ نے بتوسّل اسمائے متبرکہ پنجتن کے دُعا کی۔ جس وقت اسمِ جناب خامسِ آلِ عبا مظلومِ کربلا اِس طرح جاری ہُوا۔ کہ یا رب واسطہ حسینؑ شہید کا میرے یُوسف سے مجھ کو ملا دے۔ فوراً دُعا حضرت یعقوب کی مُستجاب ہوئی۔ سُبحان اللہ کیا قدر و منزلت ہے۔ مظلوم کربلا کی۔ اور کیوں نہ ہو۔ جب راہِ خُدا میں گھر بار لُٹا دیا اور بیٹے بھائیوں کا سر کٹا دیا۔ خیمہ جلا دیا گیا۔ تب یہ مرتبہ حاصل ہوا۔ کیونکہ اِس نام پاک میں برکتِ اجابت دُعا کی نہ ہو۔ اِس طرف دُعائے حضرت یعقوبؑ ختم نہ ہوئی تھی اور وہاں حضرتِ یُوسف کو حُکم ہُوا۔ کہ پیراہن اپنا پاس یعقوب کے بھیجو۔ اتفاقاً وہی بشیر جس کو حضرت یعقوب نے بہ خیال پرورش ابن یامین فروخت کر ڈالا تھا معتمد ملازم حضرت یُوسف کا مصر میں ہوا تھا۔ اِسی کے ہاتھ اپنا پیراہن روانہ کیا جس وقت بشیر قریب شہر پہنچا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ بوجہ حزن و ملال

حضرتِ یعقوبؑ گروہ ملائکہ و انسان سب کے سب پریشان رہتے
ہیں۔ اور بحکم اقدس الٰہی حضرت یعقوب نے گوشہ نشینی اختیار کی
ہے۔ پس بشیر قریب آبادیٔ کنعان آیا۔ دیکھا۔ کہ ایک کنیز
کپڑے حضرتِ یعقوبؑ کے لبِ نہر دھوتی ہے سُبحان اللہ کیا
شان ہے اِس معبُود حقیقی کی۔ کہ وُہ مادر بشیر تھی۔ گو ماں نے
بیٹے کو بیٹے نے ماں کو نہ پہنچانا۔ بشیر نے سوال کیا۔ کہ اے ضعیفہ
مکانِ یعقوب کس محلہ میں ہے۔ جواب دیا اس نے کہ تیرا کیا
مطلب ہے۔ وہ تو کئی سال کا عرصہ ہوا کہ روتے روتے نابینا ہو گئے
ہیں۔ اور بوجہ فراق حضرت یوسف اپنے فرزند کے گوشہ نشینی اختیار کی
ہے۔ پس بشیر نے کہا۔ کہ مَیں بشارتِ یُوسف لایا ہوں۔ اور
قاصد ہوں اس کا۔ بسماعت اِس کلمہ اِس ضعیفہ نے سر اپنا جانب
آسمان اُٹھا کر عرض کی کہ اے بارِ الٰہا اب تیرا وعدہ جو مجھ سے تھا
کیا ہوا۔ یُوسف کی خبر تو آ گئی مگر میرے بشیر کا کچھ پتہ نہ چلا۔ جب
بشیر نے اِس ضعیفہ سے یہ سُنا تو کہا۔ کہ اے ضعیفہ تو اپنے بشیر کا
حال مفصّل سُنا۔ جب اس نے سارا ماجرہ کہہ سُنایا تو اس وقت
بشیر نے کہا۔ کہ اے مادرِ بشیر دلگیر مت ہو مَیں ہی تیرا بشیر ہوں۔
یہ سُننا تھا کہ وُہ ضعیفہ دَوڑ کر اپنے بیٹے سے لپٹ گئی اور پیار کرنے لگی۔

اور سجدہ شکر بجا لائی۔ اور بشیر کو مکانِ یعقوب پر لے گئی۔ پس بشیر نے
پیراہن حضرت یُوسفؑ روبروئے حضرت یعقوبؑ رکھ دیا۔
راوی کہتا ہے۔ کہ اس پیراہن کو جناب یعقوبؑ کی آنکھوں پر ڈالا گیا۔
تو فوراً حضرت یعقوبؑ کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اور بشیر نے مُژدہ
دیا۔ کہ فرزند آپ کا بادشاہِ مصر ہوا۔ اور تختِ شاہی پر جلوہ افروز
ہے۔ کیوں مومنین ایک بشیر نے تو حضرت یعقوبؑ کو سلطنت یوسفؑ
کی خبر دی اب اگر دُوسرے بشیر کا حال سُنئیے گا۔ تو کلیجہ شق ہوگا۔
کہ بشیر ابنِ حذلم یعقوبِ کربلا کی خبر مدینہ میں کس طرح لایا۔
چنانچہ روایت ہے۔ کہ جس وقت اہلِ بیت اطہار اجسام مطہر شہدائے
کربلا کو دفن کر کے عازم مدینہ ہوئے۔ اور قریب مدینہ کے پہنچے۔ تو
حضرت زین العابدین نے بیرونِ مدینہ اپنا خیمہ نصب فرما کر اہلبیت
اطہار کو اُتار دیا۔ اور بشیر ابن حذلم سے فرمایا۔ کہ مدینہ میں جا کر
ہمارے آنے کی ندا کر دو۔ اور اس وقت اہلبیت اطہار میں عمارتِ
مدینہ دیکھ کر ایک کُہرام بپا تھا۔ اِدھر فاطمہ صغرا۔ اور حضرت اُم البنین
بوجہ فراق اہلبیت بے چین تھیں۔ اور برابر لوگوں سے حالات کربلا
دریافت کرتی رہتی تھیں۔ جب کچھ خبر نہ ملتی تھی تو ناچار شام کو
دروازے پر سے بیٹھ بیٹھ کر نا اُمید ہو کر بستر پر لیٹ جاتی تھیں،

کو ناگاہ بشیر بحکم امام داخلِ مدینہ ہوا۔ جب قریب مسجد رسُول مقبول
پہنچا۔ تو اس کو زمانہ پیغمبر خدا و مرتبۂ شہیدِ کربلا یاد آیا۔ طاقتِ ضبط
نہ رہی بے ساختہ رونے لگا۔ اور با آوازِ بلند پکارا ؎

اے اہلِ وطن چین سے کیا بیٹھے ہو گھر میں گھر لُٹ گیا احمد کے نواسے کا سفر میں
دیکھا نہیں یہ ظلم کبھی دہر میں بر میں جس طرح لگے تیرِ ظلم ان کے جگر میں

کس طرح قدم ان کے اُٹھیں یہ تو بتاؤ
اے اہلِ مدینہ انہیں اب ساتھ لے آؤ

آہ جس وقت یہ آواز اہلِ مدینہ نے سُنی سب عورات پردہ نشین
بے تاب ہو کر گھروں سے باہر نکل پڑیں۔ اس شکل سے کہ بال سر کے
کھلے ہوئے۔ چہروں سے پسینا بہتا تھا۔ مُنہ پر طمانچے مارتی تھیں۔
اور بے اختیار مثل ابرِ نو بہار واویلا کرتی ہوئیں حضرتِ زینب کے خیمے کی
طرف دَوڑیں۔ بشیر کہتا ہے۔ کہ مَیں نے اپنے گھوڑے کو کوڑا کیا تاکہ پہلے ہی
امام زین العابدین کو اِس واقعہ کی خبر دُوں۔ لیکن بوجہ انبوہ مستورات کے
جگہ نہ پائی۔ ناچار گھوڑا وہیں چھوڑا۔ اور خیمۂ امام تک پہنچا پس جناب
حضرتِ سجاد کو بیرونِ خیمہ اِس طرح سے پایا کہ رومال اشکوں سے تر
تھا اور رونے سے افاقہ نہ تھا۔ اِسی عرصہ میں عورات اور مرد صدائے
واویلا۔ واحسینا بلند کرتے ہوئے پہنچے اور تمام عورات خیمۂ جناب زینب

میں پہنچ کر مشغولِ ماتم داری ہوئیں۔ الغرض سب نے بعد ضبط گریہ کے حضرت
زینبؑ سے کہا۔ کہ آپ شہر میں چلئے۔
حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے منظور نہ فرمایا۔ مگر جب عورات کا
اصرار حد سے گزرا۔ تو جناب زینبؑ طرف روضۂ اقدس جناب رسول خدا
و جناب فاطمہ زہراؑ کے مُنہ کر کے کہنے لگیں ؎

صغرا سے شرمسار ہیں ہونے کو آئی ہُوں
بھائی کو ماں کی قبر پہ رونے کو آئی ہُوں

الغرض جب آپ معہ دیگر مخدرات واہل حرم داخل روضہ ہوئیں
تو اپنی قید کی سرگذشت و قتل امام حسینؑ کے بین میں کہنے لگیں ؎

اہل حرم نے روضہ میں آ کر جو پیٹا سر زینب نے قبر احمد و زہراؑ پہ کی نظر
اور مرثیہ وہ پڑھنے لگی با چشم تر قُربان جاؤں اب تو غریبوں کی لو خبر

اماں تیرے پسر کے عزادار آئے ہیں
نانا تیرے نواسے کے زوّار آئے ہیں

اے نانا جان آپ سے اپنا حال کہوں یا بھائی کا اُمت نے
مجھ کو قید کیا اور بھائی کا لاشہ پامال کیا۔ دربار کی جفا کا ذکر کروں
یا قید کا حال۔ یا بھائی کی مصیبت کا ؎

جدا کٹا حسینؑ کا عمامہ و عبا جدا خضاب خُوں تیرے سر غزہ نے کیا

جدا تیری بہو پھری لٹے ہیں بیٹے وا — جدا تیرے نواسے پہ کی شمر نے جفا
روضہ میں آکے نیل رسن کے دکھاؤں گی
اب آج میں ضریح مبارک ہلاؤں گی

اور اے نانا جان ہم کو ملاعین نے نہ کعبہ کی راہ دی اور نہ مدینہ کی اور آپ کی امت نے کوئی پناہ نہ دی۔

جدا ہمارے زخم نہیں ہیں شفا پذیر — ہم جیتے آئے مرگئے طفل و جوان و پیر
عابد کا حلق و طوقِ گراں وامحمدا
زینبؑ کی پشت و نوکِ سناں وامحمدا

آہ آہ زینبؑ کے یہ کلمات سن کر روضہ رسولؐ خدا کا نپنے لگا۔ اور تمام مدینہ میں شور محشر بپا تھا۔ اس کے بعد عوراتِ مدینہ نے بخدمتِ جنابِ زینب عرض کی۔ کہ اے ثانی زہرا اب صبر کرو۔ روضہ مبارک تمہارے جد کا تھرتھرا رہا ہے اور دوسرے سب عوراتِ مدینہ تمہارے بھائی کا پرسا دینے کے لئے منتظر ہیں۔ یہ سن کر جناب زینبؑ اور بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور کہتی تھیں کہ اے ماں جائے یہ بہن تمہارا پرسا لینے کو زندہ رہی کاش مجھے موت آجاتی۔ اور یہ دن نہ دیکھتی۔ کہ ناگاہ جناب فاطمہ صغرا داخل روضہ اقدس ہوئیں۔ راوی لکھتا ہے کہ جب بیمار نے طرف نگاہ کی۔ کہ اپنی پھوپھی زینبؑ و کلثوم کو

نہ پایا۔ اس کا سبب یہ تحریر ہے۔ کہ بوجہ رنج والم کے چہرے جناب زینب وکلثوم و دیگر عورات کے متغیر ہو گئے تھے۔ کسی کو صغرا نے نہ پہچانا۔ اور حضرت زینبؑ وکلثوم مارے شرم کے سر نہوڑائے خاموش تھیں۔ کہ بیمار صغرا جب اپنے باپ اور بھائیوں کا پوچھے گی تو ہم کیا جواب دیں گی۔ اور کس منہ سے شہادت کی خبریں دیں گی۔ تب زنانِ مدینہ نے کہا۔ کہ اے بیمار صغرا یہ جو خاموش کھڑی ہیں۔ یہی تمہاری پھوپھیاں ہیں۔ پس یہ سن کر جناب صغرا اپنی پھوپھی جناب زینب سے لپٹ کر بے ہوش ہو گئی۔ جب عرصہ کے بعد ہوش آیا۔ تو پوچھا کہ اے پھوپھی اماں میرے بابا جان تو سنا ہے کہ شہید ہو گئے کیا میرے برادران علی اکبر و علی اصغر کہاں ہیں۔ یہ سننا تھا۔ کہ جناب زینبؑ نے بے تاب ہو کر اس بیمار صغرا سے کہا،

نوحہ

بنتِ علیؑ نے کہا کہ گور میں کھا آئی ہیں — صغرا بتاؤں کیا، گور میں کھا آئی ہیں
تجھ سے کہیں کس کا نام مرگئے سب نیک نام — اسیری میں لٹا، گور میں رکھ آئی ہیں
کرتی ہوں قصہ میں طے چھوٹے بڑے ذکر تیرے
زین العبا کے سوا، گور میں رکھ آئی ہیں!

اکبر تیرا بھی جواں سینے پہ کھا کر سناں — دے گیا ہم کو دغا، گور میں رکھ آئی ہیں
ننھا مجاہد تیرا، تیر سے چھدوا گلا — مرگیا وہ مہ لقا، گور میں رکھ آئی ہیں
عباسؑ چچا کے تیرے، بازو تھے دونوں کٹے
نہر پہ وہ مر گیا، گور میں رکھ آئی ہیں

محفلِ غدیر

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین۔ الصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الاولین والآخرین محمد اشرف النبیین وعلی امیر المومنین افضل الوصیین۔ نفسِ خیر المرسلین۔ استادِ روح الامین یعسوب الدین قاید الغر المحجلین۔ ولی رب العالمین۔ ولی اللہ، حجۃ اللہ۔ اسد اللہ وجہ اللہ۔ غالب کل غالب ومطلوب کل طالب امام المشارق والمغارب علی ابن ابی طالبؑ لولادھم الطاہرین صلوٰۃ اللہ وسلام علیہم اجمعین جنابِ رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا۔ کہ نظر کرنا طرف روئے جناب امیر کے عبادت ہے۔ اگر نظر کرنا ممکن نہ ہو سکے۔ تو ان کا ذکر کرو۔ اس لئے کہ ان کا ذکر بھی عبادت ہے۔ زینوا مجالسکم بذکر علی بن ابی طالب لان ذکرہ ذکری وذکری ذکر اللہ وذکر اللہ عبادۃ۔ یعنی دو زینت اپنی مجلسوں کو ساتھ ذکر علی بن ابیطالبؑ کے اس واسطے کہ ذکر انکا میرا ذکر ہے اور میرا ذکر خدا کا ذکر ہے اور خدا کا ذکر عبادت ہے۔ فذکرہ علی عبادۃ" پس ثابت ہوا کہ امیر المومنین کا ذکر عبادت ہے۔ اے حضرات آج کا دن یعنی اٹھارہویں ذوالحجہ ہمارے

مولانا خلیفہ بلافصل جناب سرورِ کائنات کے مقرر ہوئے یعنی آپ کی خلافت کا اعلان کل اُمّت کو بحکم خُدا آپ نے سُنا دیا۔ جس پر کون و مکان میں مسرت کے نعرے گونج اُٹھے۔ لہٰذا اسی خوشی میں ہم بھی ایک قصیدہ عرض کر رہے ہیں۔ صلوٰۃ بلند آواز سے پڑھیئے ۔

قصیدۂ غدیری

نامِ علیؑ کے نعرے فضا میں آ رہے ہیں ۔ مومن علیؑ کے ہر جا خوشیاں منا رہے ہیں
امدادِ یا علیؑ کی چرچے ہوئے جہاں میں ۔ خود مصطفےٰ علیؑ کو خیبر بلا رہے ہیں

خالق کے جو ملائک عرش بریں کے والی
حیدرؑ کے در پہ آکر تعلیم پا رہے ہیں

بیشک علیؑ ولی ہیں خالق کے گھر کے مالک ۔ کہ حکم باذنِ حیدرؑ مُردے جِلا رہے ہیں
ہجرت کی شب خدا سے آئی ندا ملائک ۔ دیکھیں علیؑ کہاں پہ آرام پا رہے ہیں

جھک جھک کے سب ملائک کہنے لگے خدایا
بسترِ نبی پہ حیدرؑ آرام پا رہے ہیں

جب حجِ آخری سے پھر کر نبیؐ ہیں آئے ۔ جبرائیلؑ حکمِ خالق کو لیکے آ رہے ہیں
اٹھارہویں بتھی وہ تکمیل آیۂ بلغ ۔ کس شان سے پیمبرؐ دیکھو سُنا رہے ہیں

جاگا غدیرِ خم کی قسمت کا کیا ستارہ
رحبہ ہمارے سرور سب کو بلا رہے ہیں

یکجا ہوئے فراہم جب حکمِ احمدیؐ سے ۔ پالان اُشتروں سے منبر بنا رہے ہیں
گرمی تھی سخت ایسی جاں تلملا رہی تھی ۔ پہ حکم ہی تھا ایسا جو سب بجا رہے ہیں

منبر پہ چڑھ کے احمدؐ تھے کہہ رہے سبھوں سے
اقرار مرتبہ خود اُن سے کرا رہے ہیں

اقرار جب لیے کا سب نے کیا زباں سے ۔ منبر پہ تب علیؑ کو مولا بلا رہے ہیں
مَن کُنتُ مولا بولے فہٰذا علیؑ بتایا ۔ شانہ پکڑ علیؑ کا سب کو دکھا رہے ہیں

جس طرح میں تمہارا حاکم ہوں اے خلائق
ہے بعد میرے حیدرؑ سب کو سُنا رہے ہیں

منبر سے جب وہ اُترے کہہ کر غیب نائب ۔ نعرے خوشی کے ہر جا جنگل سے آ رہے ہیں
عمرِ خطاب بخٍ بخٍ ہی رٹتے آ رہے تھے ۔ اور حسان اسی خوشی میں اشعار گا رہے ہیں

حاسد جل رہے ہوں جلنے دو ان کو یارو
پیرو علیؑ کے سارے خوشیاں منا رہے ہیں

آقا ہے ایسا پایا کعبہ ہے جس کا مولد ۔ خانہ خدا سے آئے مسجد سے جا رہے ہیں
خانہ خدا کا گوہر آقا ملا ہے حیدرؑ ۔ یہ آسماں پہ قدسی بھی گیت گا رہے ہیں

صلوٰۃ اس طرح ہو کہہ دیں ملک خدا سے

اہلِ زمیں کے نعرے یا رب بتا رہے ہیں

باغِ نجف کی بلبل ہے یہ غلامِ حیدرؑ ۔ کیونکر نہ چہکے جبکہ گُل کِھل کِھلا رہے ہیں
اتنے میں حکمِ خالق آیا حبیب میرے ۔ راضی ہوں میں کہ تیرے ہاتھ مُنا رہے ہیں

اَکمَلتُ لَکُم کی آیت سے دین ہوا مکمل
اتمامِ نعمتی سے بھر پور جا رہے ہیں

بحمد و لِلّٰہ کہ آج حصہ دوم مجالسِ خاتون جدید بخیر و خوبیت اتمام کو پہنچا۔

سید غلام حیدر ولد سید علی اکبر شاہ ترمذی
۲۲ ذوالحجہ ۱۳۷۱ھ
مطابق ۱۲ ستمبر ۱۹۵۲ء

دُعا بتوسّل چہاردہ معصومین علیہم السلام

الٰہی بحقِ شہِ مرسلاں ۔ شتابی ہوں ظاہر امامِ زماں
الٰہی بحقِ علیِؑ ولی ۔ معزز رہیں شیعیانِ علیؑ
الٰہی بحقِ جنابِ بتولؑ ۔ مطالب ہوں سب مومنوں کے حصول
الٰہی بحقِ امامِ حسنؑ ۔ رہیں ہم جہاں میں بہ چین
الٰہی بحقِ حسینِؑ شہید ۔ کر اطفال کو مومنوں کے سعید
الٰہی بہ بیمارِ دشتِ بلا ۔ جو بیمار ہیں جلد پا دیں شفا
الٰہی بہ باقر شہِ دیں پناہ ۔ عدوِ آلِ احمدؐ کے سب ہوں تباہ
الٰہی بہ جعفر علیہ السلام ۔ بہشتِ بریں ہو ہمارا مقام
الٰہی بحقِ شہِ حق پرست ۔ وہ ہوشیار ہو جو ہیں ضلالت میں مست
الٰہی براۓ امامِ رضاؑ ۔ انہیں بخش جو کر گئے ہیں قضا
الٰہی بحقِ تقیؑ یا کریم ۔ دکھانا نہ ہم کو عذابِ جحیم
الٰہی علیؑ نقیؑ با خدا ۔ دکھا اپنے بندوں کو راہِ خدا
الٰہی بحقِ حسنؑ عسکری ۔ رہیں کبر و نخوت سے مومن بری

خدایا برائے امامِ زماںؑ
ہمیں ہولِ محشر سے دے توا ماں

زیارت اوّل امام حسین علیہ السّلام

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا ابْنَ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْن۔ وَابْنَ سَیِّدِ الْوَصِیِّیْن۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا ابْنَ فَاطِمَۃَ الزَّہْرَآءِ سَیِّدَۃِ نِسَآءِ الْعَالَمِیْنَ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

زیارت دوم

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا غَرِیْبَ الْغُرَبَاءِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا مُعِیْنَ الضُّعَفَآءِ وَالْفُقَرَآءِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا شَمْسَ الشُّمُوْسِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَنِیْسَ النُّفُوْسِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا الْمَدْفُوْنُ بِاَرْضِ طُوْسٍ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا مُغِیْثَ الشِّیْعَۃِ وَالزُّوَّارِ فِیْ یَوْمِ الْجَزَآءِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سُلْطَانَ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَا الْحَسَنِ یَا عَلِیَّ بْنَ مُوْسَی الرِّضَا الرَّاضِیْ بِالْقَدْرِ وَالْقَضَاءِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

زیارت سوم جناب امام صاحب العصر والزمان

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا صَاحِبَ الْعَصْرِ وَالزَّمَانِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا شَرِیْکَ الْقُرْاٰنِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حُجَّۃَ الرَّحْمٰنِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اِمَامَ الْاِنْسِ وَالْجَانِّ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خَلِیْفَۃَ الرَّحْمٰنِ۔ اَلْاَمَانَ۔ اَلْاَمَانَ۔ اَلْاَمَانَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ